خواتین ڈائجسٹ

بانی و مدیرِ اعلیٰ —— محمود ریاض

مدیرہ —— نادرہ خاتون

مدیر —— آذر ریاض

نائب مدیرہ —— رضیہ جمیل

مدیرِ خصوصی —— امت الصبور

بلقیس بھٹی

نفسیات —— عدنان

اشتہارات —— خالد جیلانی

قانونی مشیر —— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی

ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

واٹس اپ

0317 2266944

جولائی 2021

جلد 49 شمارہ 03

قیمت 80 روپے

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

pklibrary.com

کہنی سُنی، مدیر 10
کرن کرن روشنی، ادارہ 11
ہمارے نام، نادرہ خاتون 235

آپ سے کیا پردہ

غزل، انشا جی 16

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 232

مجھ سے ملیے

باتیں طوبیٰ صدیقی سے، شاہین رشید 33

انٹرویو

گل آریاب سے ملاقات، شاہین رشید 24
سوال یہ ہے کہ... فرحت اشتیاق 30
عیدالاضحیٰ کی رونقیں، ادارہ 17

ناول

زندگی ہم تجھے گزاریں گے، راحت جبیں 36
رنگ ریز میرے، عفت سحر 210

مکمل ناول

سکندر اعظم کی آمد، راشدہ رفعت 66
مریضِ عشق، گل آریاب 104
متاع، ام ایمان قاضی 150

ناولٹ

بچپن، زینب نور 194

افسانے

کرونا والی گلی، قرۃ العین خرم ہاشمی 56
عید کی وہ شام، حمیرا شفیع 95
برکت، منشا محسن علی 137
دل نازک ہمارا، رابینہ عبدالقدیر 189

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

pklibrary.com

pklibrary.com

نظمیں غزلیں

غزل، خواجہ مجذوب 227

غزل، امجد اسلام امجد 228

نظم، محسن نقوی 227

غزل، سعداللہ شاہ 228

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ جاہ 229

خبریں وبریں، واصفہ سہیل 248

پکوان

موسم کے پکوان، خالدہ جیلانی 250

آپ کا باورچی خانہ، سکینہ علی 254

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے، خالدہ جیلانی 234

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... 960/- روپے

ایشیاء افریقہ، یورپ ...... 18,000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا - 20,500 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان 256

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 258

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیر

کہی سنی

جولائی کا شمارہ عید نمبر لیے حاضر ہیں۔
اسی مہینے میں عید الاضحیٰ کا تہوار بھی ہے جسے عید قرباں بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے تہوار بھی ایک مقصدیت رکھتے ہیں۔ یہ اجتماعی خوشی کے مظہر ہیں۔ خوشیاں منانا اور خوشیاں بانٹنے کے تہوار۔
عید الاضحیٰ کے تہوار میں ایک عظیم درس ہے۔ اپنے معبودِ حقیقی کی رضا، اس کے احکام کی تعمیل کے لیے سرِ خم تسلیم کر دینے کا درس۔
یہ عید قربانی کے ایک عظیم واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ ایک باپ اور بیٹے کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرماں برداری اور ایثار و قربانی کا ایسا واقعہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔
بوڑھے باپ نے جب کمسن بیٹے کو اپنا خواب سنایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو سعادت مند بیٹے نے بلا تامل کہا۔
"آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کریں ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔"
بیوی نے بھی اس آزمائش پر صبر و استقامت کا بے مثال مظاہرہ کیا۔
اللہ تعالیٰ کو بیٹے کی قربانی نہیں، اپنے نیک بندے کی آزمائش ہی مقصود تھی۔ جیسے ہی باپ نے قربانی کے لیے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی۔ قربانی کے لیے جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا۔
یہ عظیم باپ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام، سعادت مند فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور فرماں بردار بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھیں۔
اپنے محبوب پیغمبر کی تسلیم و رضا کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہر سال قربانی کر کے اس واقعے کی یاد تازہ کریں۔
قارئین کو عید الاضحیٰ مبارک
دعاگو ہیں کہ روزِ عید آپ کے آنگن میں خوشیوں کی بہار لے کر اُترے۔ آمین۔
غربت، بے روزگاری، مہنگائی اور بھوک و افلاس نے بہت سے لوگوں کے لیے قربانی کے فریضے کی ادائی مشکل کر دی ہے۔ عید کے موقع پر انہیں ضرور یاد رکھیے گا۔

اس شمارے میں،

- راشدہ رفعت کا مکمل ناول ۔ سکندرِ اعظم کی آمد،
- گلِ ارباب کا مکمل ناول ۔ مریضِ عشق،
- ام ایمان قاضی کا مکمل ناول ۔ متاعِ،
- راحت جبیں اور عفت سحر طاہر کے ناول،
- حمیرا شفیع، قرۃ العین خرم ہاشمی، منشاء محسن اور رابیہ عبدالقدیر کے افسانے،
- بچپن ۔ زینب نور کا ناولٹ، ، آپ کی پسندیدہ مصنفہ گلِ ارباب سے ملاقات،
- معروف اداکارہ طوبیٰ صدیقی سے باتیں، ، عید الاضحیٰ کی رونقیں ۔ قارئین سے سروے،
- کرن کرن روشنی ۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

گواہی سے متعلق احکام ومسائل

''کسی شخص نے جو دیکھا یا سنا اس کو صحیح طور پر بیان کرنا۔ ''شہادت'' (گواہی دینا) ہے۔''

گواہی قرآن وسنت سے ثابت امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر رحمت کرتے ہوئے گواہی کو مشروع فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے اختلافات اور خصومات کا فیصلہ اس کی روشنی میں کیا جاسکے، اسی لیے گواہی کو چھپانا اور حق طور پر بیان نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس سے حق دار پر ظلم ہوتا ہے اور ظالم کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ جو اسے چھپائے گا، یقیناً اس کا دل گناہ گار ہوگا۔'' (البقرۃ ۲: ۲۸۳)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''کیا میں تمہیں اچھے گواہ کی خبر نہ دوں؟ وہ ہے جو سوال سے پہلے گواہی پیش کردے۔''

شہادت کے چند اہم احکام

(1) گواہی صرف اسی چیز کی دی جائے جو آنکھوں سے دیکھی یا کانوں سے سنی ہو۔ غیر یقینی گواہی نہ دی جائے۔

(2) گواہ کے امین اور دیانت دار ہونے کی شہادت دو عادل شخص دیں گے۔

(3) جھوٹے گواہ کی تادیب ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ دیگر لوگوں کے لیے نمونہ بنے۔

گواہی کی بعض اقسام:

(1) زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(2) دیگر امور میں دو عادل گواہ کافی ہیں۔

(3) اموال کے معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی بھی درست ہے۔

(4) احکام میں ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

pklibrary.com

(5) عورتوں کے بعض مخصوص مسائل میں ایک عورت کی گواہی بھی قابل قبول ہوگی، مثلاً: رضاعت کا اقرار کرنا۔

جس سے گواہی طلب نہ کی جائے، اس کا گواہی دینا مکروہ ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون لوگ بہتر ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے زمانے کے (مومن) افراد، پھر جوان سے متصل ہوں گے، پھر جوان سے متصل ہوں گے، پھر ایسے لوگ آجائیں گے جن کی گواہی ان کی قسم سے پہلے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے پہلے آئے گی۔"

فوائد و مسائل:

(1) "قرن" سے مراد ایک زمانے کے لوگ، یعنی ایک نسل کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں قرن اول سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت، ان سے متصل لوگوں سے مراد تابعین عظام اور ان سے متصل لوگوں سے مراد تبع تابعین حضرات ہیں۔

(2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کے افضل ترین افراد ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا صحابی افضل ترین تابعی سے افضل ہے۔

(3) صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا مقام بعد کے تمام افراد سے بلند ہے۔

(4) گواہی اور قسم بہت اہم اور نازک ذمے داری ہے۔ جھوٹی گواہی کی وجہ سے لوگوں کے فیصلے غلط ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کسی کا حق دوسرے کو مل جاتا ہے اور حق دار محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹی قسم کی وجہ سے جھوٹ پر اعتبار کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں بہت سی ناانصافیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جھوٹی قسم کھانا اللہ کی شان میں گستاخی بھی ہے۔

(5) قسم اور گواہی ایک دوسرے سے جلدی آنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس کی اہمیت اور نزاکت کا احساس نہیں ہوگا، لہٰذا بلا تکلف سچی جھوٹی قسمیں کھائیں گے، خاص طور پر گواہی دیتے وقت جھوٹی قسمیں کھانے میں باک محسوس نہیں کریں گے۔ یہ بہت بری عادت ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں ہم سے خطاب فرمایا: آپ نے اس میں فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر اسی طرح کھڑے ہوئے تھے جس طرح میں تمہارے اندر کھڑا ہوں، پھر فرمایا: "میرے صحابہ کے بارے میں میرا خیال رکھنا، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان (صحابہ) سے متصل ہوں گے (یعنی تابعین)، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان (تابعین) سے متصل ہوں گے (یعنی تبع تابعین)، اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا حتی کہ آدمی گواہی دے گا، حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی اور وہ قسم کھائے گا، حالانکہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔"

فوائد:

(1) "میرا خیال رکھنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے تعلق کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے محبت اور ان کا احترام قائم رکھنا۔

(2) تابعین اور تبع تابعین بھی قابل احترام ہیں، لہٰذا ان سے محبت اور ان کا احترام ضروری ہے۔

(3) صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں خیر غالب اور شر مغلوب تھا۔ عام لوگوں میں اخلاق و کردار کی وہ خرابیاں نہیں تھیں جو بعد میں ظاہر ہوئیں۔ ان زمانوں میں جو فکری غلطیاں پیدا ہوئیں ان میں بھی وہ شدت نہیں تھی جو بعد کے لوگوں میں پیدا ہوگئی۔

(4) گواہی طلب نہ کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ گواہ گواہی دینے کو تیار ہوں گے لیکن وہ اخلاقی طور

pklibrary.com

پر کمزور ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہوں گے، اس لیے انہیں گواہ کے طور پر قبول اور پسند نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کی قسموں پر بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(5) مسلمان کو چاہیے کہ ایسے برے لوگوں میں شمار ہونے سے بچنے کی کوشش کرے جن کی پیش گوئی احادیث میں کی گئی ہے اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر بنائے تاکہ اس کی گواہی اور قسم قابل اعتماد ہو۔

اگر آدمی کے پاس گواہی موجود ہو

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد مبارک سنا:

"بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کا مطالبہ کیے جانے سے پہلے ہی گواہی دے دے۔"

فوائد و مسائل:

(1) پچھلے باب سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی اس کو دینی چاہیے جس سے مطالبہ کیا جائے، جب کہ اس باب میں مطالبہ کرنے سے پہلے گواہی دینے والے کو بہترین گواہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں ہی درست ہیں۔ دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق اور جمع کی صورت یہ ہے کہ پہلی صورت اس وقت ہے جب گواہی دینے والے کا خیال ہو کہ مجھ پر اعتبار نہیں کیا جائے گا یا یہ خیال ہو کہ دوسرے گواہ موجود ہیں، لہٰذا اگر میں گواہی نہ دوں تو کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس حدیث میں ایسے گواہ کا ذکر ہے جس کی گواہی نہ دینے کی وجہ سے کسی کی حق تلفی کا خطرہ ہے کیونکہ اور گواہ موجود نہیں یا قابل اعتماد نہیں۔

(2) جب مدعی کو معلوم نہ ہو کہ فلاں میرے حق میں گواہی دے سکتا ہے تو وہ اس سے درخواست نہیں کر سکتا کہ وہ میرے حق میں گواہی دے، اس صورت میں مسلمان کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے اس کا حق دلانے کے لیے اس سے تعاون کرتے ہوئے گواہی دی جائے، یہ بہت ثواب کا کام ہے۔

قرض پر گواہ بنانا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی: یا یھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی۔ "اے مومنو! جب تم ایک مقررہ مدت تک قرض لو یا دو۔" حتی کہ آپ اس آیت پر پہنچے۔ فان امن بعضکم بعضاً۔

"اگر تم آپس میں ایک دوسرے سے مطمئن ہو (تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کرے۔") تو فرمایا: اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔"

فوائد و مسائل:

(1) یہ موقوف حدیث ہے، یعنی صحابی کا قول ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ صحابی کے قول کے مقابلے میں اگر مرفوع حدیث نہ ہو تو موقوف حدیث سے دلیل لی جا سکتی ہے۔

(2) "منسوخ" سے اصطلاحی منسوخ مراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی آیت میں ہر قرض کو تحریر میں لانے کا حکم ہے لیکن جب گروی رکھ کر قرض لیا جائے تو یہ پہلے حکم میں شامل نہیں، اسی طرح جب باہمی اعتماد کی بنا پر امانت رکھی جائے تو یہ بھی پہلے حکم میں شامل نہیں اور اسے تحریر کرنا ضروری نہیں۔

(3) یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ اعتماد کی صورت میں جس طرح تحریر ضروری نہیں، اسی طرح گروی رکھنا بھی ضروری نہیں، تاہم پھر بھی تحریر کر لینا بہتر ہے۔

کس کی گواہی قبول نہیں؟

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب بن محمد) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خیانت کرنے والے مرد اور عورت کی گواہی قبول نہیں، اور نہ اس کی جسے اسلام (لانے کے بعد کسی جرم کی سزا) میں حد لگائی گئی ہو اور نہ اپنے بھائی سے عداوت رکھنے والے کی گواہی قبول ہے۔"

pklibrary.com

فوائد و مسائل:

(1) امانت میں خیانت کرنے والا قابل اعتماد نہیں ہوتا، لہٰذا عدالت میں اس کی گواہی قبول نہیں۔

(2) ''حد'' بعض خاص جرائم کی سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں۔ عدالت کو ان میں کمی بیشی کا حق نہیں۔ ان کے علاوہ دیگر سزاؤں کو ''تعزیر'' کہتے ہیں جن میں حالات کے مطابق تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

(3) جب یہ ثابت ہو جائے کہ گواہ نے جس کے خلاف گواہی دی ہے، اس سے اس کی پہلے سے ناراضی ہے تو یہ بات گواہی کو مشکوک بنا دیتی ہے، ممکن ہے کہ وہ پرانی دشمنی کی وجہ سے اس کے خلاف گواہی دے کر اپنا بدلہ لینا چاہتا ہو۔

(4) بھائی سے مراد دینی بھائی، یعنی مسلمان ہے۔ اس میں حقیقی بھائی بھی شامل ہے کیونکہ مسلمان ہونے کی صورت میں وہ بھی دینی بھائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

''بستی والے کے خلاف خانہ بدوش کی گواہی قبول نہیں۔''

فوائد و مسائل:

(1) اس کی وجہ یہ ہے کہ خانہ بدوش دین و اخلاق اور کردار کے لحاظ سے عموماً کم تر ہوتے ہیں کیونکہ انہیں علماء کے پاس بیٹھنے اور دین سیکھنے کا موقع نہیں ملتا، اس لیے ان سے زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ گواہی صحیح نہ دیں گے۔

(2) گواہ کا قابل اعتماد ہونا ضروری ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنا پر فیصلہ کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدعی کی) قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

(1) دعویٰ ثابت کرنے کے لیے دو قابل اعتماد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(2) اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے۔ (سورۃ بقرہ: آیت: ۲۸۲)

(3) اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو مدعا علیہ اپنا موقف صحیح ہونے پر قسم کھائے گا، اس طرح مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔

(4) اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو تو مدعی ایک قسم کھائے گا اور اس طرح مدعی کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

(5) امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''صحابہ اور تابعین میں سے بعض علماء کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ حقوق اور مالی معاملات میں ایک گواہ کے ساتھ ایک قسم (کی بنا پر فیصلہ کرنا) درست ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔'' دیکھیے: (جامع الترمذی، الاحکام، باب ماجاء فی الیمین مع الشاھد، حدیث: ۱۳۴۵)

جھوٹی گواہی کا بیان

حضرت خریم (بن اخرم بن شداد بن عمرو) بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔'' آپ نے تین بار یہ بات ارشاد فرمائی، پھر یہ آیت پڑھی: واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ ''اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو۔ اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔''

فائدہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین گناہوں کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ قرار دیا ہے، وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی ہیں۔ دیکھیے: (صحیح البخاری، الشھادات، باب

pklibrary.com

ماقبل فی شھادۃ الزور، حدیث: ۲۶۵۳، ۲۶۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھوٹی گواہی دینے والے کے قدم (حساب کتاب کے موقع پر) اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم واجب کردے گا۔''

اہل کتاب کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی کو معتبر قرار دیا۔

امام

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدری انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں کتاب اللہ کو سب سے اچھا پڑھنے والا ہو۔ اگر قرأت میں وہ سب برابر ہوں تو پھر مستحق امامت وہ ہے جو سنت کا علم سب سے زیادہ رکھنے والا ہو۔ اگر سنت کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر وہ جس نے ہجرت سب سے پہلے کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلبے والی جگہ میں امامت نہ کرائے (الا یہ کہ وہ موجود نہ ہو یا وہ اجازت دے دے) اور اس کے گھر میں اس کی مخصوص عزت والی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔'' (مسلم)

اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں بڑی عمر والے کی جگہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے کا ذکر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: ''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا سب سے اچھا قاری اور اس میں سب سے زیادہ ماہر ہو۔ اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو ہجرت میں قدیم تر ہو۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امام کرائے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔''

فوائد و مسائل:

(1) اس میں درجہ بدرجہ مستحقین امامت کا بیان ہے۔ ان میں سب سے مقدم قرآن کا اچھا قاری اور اس کا ماہر ہے، بشرطیکہ وہ عالم اور متقی بھی ہو۔ آج کل کے قاریوں کی طرح بے عمل نہ ہو، جیسا کہ دوسری روایت میں اپنے سے بہتر شخص کو امام بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے دور میں قاریوں کی تو بہتات ہے، ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ بہرحال جہاں اس شرط کے مطابق اچھا قاری ہوگا، وہ امامت کا اولین مستحق ہوگا اور عالم کا درجہ بھی اس کے بعد ہی ہوگا۔

(2) اچھی قرأت سے مراد کلف و تصنع نہیں جس کا نمونہ مصری قاریوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں ملتا ہے بلکہ حسن صوت، تجوید اور ترتیل سے پڑھنا ہے جس کا عمدہ نمونہ سعودی عرب بالخصوص حرمین شریفین کے ائمہ حضرات کے لہجے میں ملتا ہے جس میں رقت، خلوص اور سوز ہے۔ زادھم اللہ شرفا و تعظیما۔

(3) علاقے کا حاکم مجاز، اعلا افسر اور حکمران، یہ اپنے ماتحت علاقوں میں امامت کے مستحق ہیں، جیسے قرون اولیٰ میں یہی حاکمان مجاز لوگوں کے فیصلے کرنے اور علاقے کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو مسجدوں میں نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ آج کل بدقسمتی سے اسلامی ملکوں کی بالادست سوسائٹی میں بے عملی اور بدعملی عام ہے اور احتیاط و اقتدار سے بہرہ ور حکمران اور ان کے ماتحت ساری بیوروکریسی نماز جیسے فریضے سے ویسے ہی غافل ہے۔

(4) کسی کے گھر، دفتر یا ادارے میں آدمی جائے تو صاحب خانہ کی مخصوص جگہ پر بیٹھنے سے گریز کرے۔ الا یہ کہ وہ خود اس کی اجازت دے۔ اسی طرح کسی عالم کے منبر یا مصلائے امامت پر بیٹھنے سے گریز کیا جائے۔

☆

pklibrary.com

pklibrary.com

غزل

انشا جی

کس کو پار اُتارا تم نے، کس کو پار اُتارو گے
ملّاحو، تم پردیسی کو بیچ بھنور میں مارو گے

مُنہ دیکھے کی میٹھی باتیں سُنتے اتنی عمر ہوئی
آنکھ سے اوجھل ہوتے ہوتے جی سے ہمیں بسارو گے

آج تو ہم کو پاگل کہہ لو، پتھّر پھینکو، طنز کرو
عشق کی بازی کھیل نہیں ہے، کھیلو گے تو ہارو گے

اہلِ وفا سے ترکِ تعلّق کر لو پر اک بات کہیں
کل تم ان کو یاد کرو گے، کل تم انہیں پکارو گے

اُن کا ہم سے پیار کا رشتہ، اے دل چھوڑو بھول چکو
وقت نے سب کچھ میٹ دیا ہے، اب کیا نقش اُبھارو گے

انشا کو کسی سوچ میں ڈوبے، در پر بیٹھے دیر ہوئی
کب تک اس کے بخت کے بدلے، اپنے بال سنوارو گے

عیدالاضحیٰ کے تہوار کی رونقیں ہی الگ ہوتی ہیں۔

یہ خوشیوں بھری مصروفیتوں کا دن ہوتا ہے۔ مرد حضرات جانور ذبح کرنے، اس کا گوشت بنوانے میں مصروف ہوتے ہیں تو خواتین کچن میں گوشت کی تقسیم اور طرح طرح کے پکوان کی تیاری میں الجھتی ہیں۔ خاتون خانہ کی کوشش ہوتی ہے کہ اس دن گھر کے ہر فرد کی من پسند ڈش دسترخوان پر بھی نظر آئے۔ ساتھ ساتھ مہمانوں کی آمد اور ان کی خاطر تواضع کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ دعوتوں کا سلسلہ تو ہفتہ بھر چلتا ہے۔ کبھی میزبان بن کر عزیز و اقارب اور دوست احباب کی دعوت کی جاتی ہے تو کبھی مہمان بن کر طرح طرح کے کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ کی ان ہی خوب صورت مصروفیات کے حوالے سے ہم نے اپنی قارئین سے سروے کیا ہے۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

(1) ذوالحجہ کا چاند نظر آتے ہی گلی محلوں میں گہما گہمی اور رونق ہو جاتی ہے۔ جانوروں کی خریداری، گلیوں میں ان کے پیچھے بھاگتے بچے اور نوجوان، جانوروں کی دیکھ بھال۔ اس کے بعد عیدالاضحیٰ کے دن قصائی کی آمد۔ قربانی کے بعد گوشت بننے اور بٹنے تک کی مصروفیات کا احوال لکھیں؟

(2) گوشت کی تقسیم ایک اہم مرحلہ ہے۔ آپ اس سلسلے میں کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

(3) گوشت سے بنی آپ کی پسندیدہ ڈش۔ آپ کون سی ڈش شوق سے بناتی ہیں یا آپ سے فرمائش کر کے بنواتی جاتی ہے؟

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ہمارے ان سوالوں کے کیا جواب دیے ہیں۔

عیدالاضحیٰ کی رونقیں

آداب

گوشی جمال.....منڈی یزمان

1۔ جہاں تک بات ہے چاند نظر آنے کے بعد گہما گہمی کی تو اب وہ حالات نہیں رہے۔ اک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ ہمارے بچپن میں بہت گہما گہمی ہوتی تھی۔ ہر گھر میں مہندی کی خوشبو، ہر کلائی میں چوڑی کھنکتی تھی۔ چاند رات کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ محلے میں بچوں، بڑوں کی چہل پہل ہوتی۔ پھر جدید دور آتا گیا اور حالات تبدیل ہونا شروع ہو گئے اور سال 2020 تو اچھی خاصی تبدیلی لے آیا۔ پوری دنیا میں پھیلی کورونا وبا بہت سارے ہمارے اپنوں کو کھا گئی۔

کورونا میں یہ تیسری عید آ گئی لیکن اس کم بخت نے ابھی بھی جان نہ چھوڑی۔ جہاں کورونا نے اتنی تباہی پھیلائی، وہاں ایک اچھا موقع بھی مل گیا اپنوں کو اپنوں کے ساتھ ٹائم گزارنے کا ورنہ تو زندگی اتنی مصروف ہو گئی تھی، کسی کے پاس ٹائم ہی نہیں تھا ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا، دکھ سکھ بانٹنے کا۔

عید قرباں کا جانور ہم چاند نظر آنے کے بعد خریدتے ہیں۔ اب تو مہنگائی نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ جہاں پہلے ایک سے زیادہ جانور لیے جاتے تھے۔ اب بمشکل اس قیمت میں ایک ہی آتا ہے، ماشاء اللہ سے ہمارے ہاں ہر سال قربانی ہوتی ہے۔ بچے جانور سے پیار کا اظہار اسے رنگوں سے سجا کر کرتے ہیں اسے طرح طرح کی خوراک فراہم کر کے۔ کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ کیئر بھی وبال جاں بن جاتی ہے۔ پھر ڈاکٹر کو بلایا

جاتا ہے۔

قصائی صاحبان کے عید والے دن نخرے عروج پر ہوتے ہیں۔ ہمارے بھیا جانی کلف لگے سوٹ میں گھر میں مٹر گشت کرتے قصائی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اماں وقفے وقفے سے گیٹ سے باہر جھانکتی رہتی ہیں کہ کب قصاب آئے گا نگوڑ مارا۔ صبح سے ہی لہسن پیاز بنا کر رکھا ہوتا ہے لیکن ہماری قربانی دوسرے رشتہ داروں سے قدرے دیر سے ہوتی ہے۔

ذبح کے تمام آلات قصاب صاحب خود ہی لاتے ہیں۔ ہمارے کزن وغیرہ تکبیر کروا کر خود ہی گوشت بنا لیتے ہیں لیکن ہمارے بھائی دور بھاگتے ہیں۔ گھر کی خواتین صحن کے چکر کاٹ کاٹ کر پاؤں شل کر لیتی ہیں کہ کب قربانی ہوگی کہ ہم تمام کاموں سے فری ہو کر تھوڑا تیار ہی ہو جائیں۔

2۔ گوشت کی تقسیم کا مرحلہ بھائی اسلامی طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ پورے جانور کے گوشت کی کٹائی کر کے اسے پھر اچھی طرح مکس کر کے تین حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ رشتہ داروں میں ہمارے تین عدد بھائی بھی آتے ہیں جو الگ گھروں میں قیام پذیر ہیں۔ اماں ان کا اور پھر پہلے ان رشتہ داروں کے گھر گوشت بھجواتی ہیں جن کے گھر قربانی نہیں ہوتی۔ بھائی بھابیاں تو کھا پی کر تیار ہو کر شام کو آتے ہیں تو ان کا حصہ ان کو تھما دیا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ جلدی اڑن چھو ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی باہر کا گیٹ کھلا، جوق در جوق غربا کا ریلا اندر گھس آتا اور اماں گوشت کی پرات رکھے ان میں گھری ہوئی۔ یہ نظارہ بڑا دل فریب ہوتا ہے۔ شام تک دروازے پر کوئی نہ کوئی آ دھمکتا ہے اور ہماری کوشش ہوتی ہے وہ خالی نہ جائے۔

3۔ مجھے پلاؤ بہت پسند ہے وہ بھی گرما گرم اور وہ مجھے بنانا بھی بہت اچھا آتا ہے۔ اماں کو کلیجی اور مغز بہت پسند ہے، وہ شوق سے بنواتی ہیں ان کی کچھ سالوں سے ایک خواہش پوری نہیں ہوتی۔ اوجڑی کا کہتی ہیں لیکن بھائی وہ سارا ملغوبہ اٹھا کر کسی غریب کو تھما دیتے ہیں۔

بھائی کہتے ہیں "اماں یہ بہت گمبھیر کام ہے، آج کل کے قصاب اوجڑی کی صفائی کرنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ بس خاص خاص گوشت بناتے ہیں اور فوراً اگلے گھر۔"

یہ تو ان کی کمائی کا دن ہوتا ہے۔ منہ پھاڑ کہ معاوضہ طلب کرتے ہیں اور گوشت لیے بغیر گھر سے نکلتے نہیں۔ گھر میں ہر فرد کی پسند کا خیال رکھنا اس دن ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پہلے دن میری تو تیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ کوفتے اور کباب تو میرا آدھا دن چٹ کر جاتے پھر پورا ہر بانچ مٹ میں چٹ کر جاتا۔

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

1۔ مصروفیات کا حال مت پوچھیں جناب! ایک اکیلی جان اور ہزاروں کام، کورونا منحوس کی وجہ سے دوسرا سال ہے کہ قربانی نہیں کر پائیں گے۔ آہ! افسوس اب نہ وہ قربانیاں رہیں نہ مصروفیات۔ بہرحال.....

دو سال پہلے جب خیر سے قربانی کی بکرے کی تو ایک ماہ پہلے ہی بکرا صاحب گھر آ گئے۔ ایک دم پریشان ہو گئی کہ پورا ماہ کیسے سنبھالوں گی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ مگر ساتھ ہی توبہ کر لی کہ ایسا نہیں سوچتے اور جب بہترین طریقے سے قربانی کے جانور کی خدمت کی تو قربانی کے ٹائم اندر گھر میں مجھ سے ملوانے لائے بکرے کو تو بلا مبالغہ میں تو روئی۔ ساتھ ہی بکرا بھی ساتھ لگ کے کھڑا ہو گیا۔ اب اسے لے کر جانا چاہیں تو وہ نہ جائے۔ بہرحال قربانی ہونے تک رشتہ دار جمع ہو جاتے ہیں سب کیونکہ جن کے گھروں میں قربانی ہوتی وہیں "کلیجی" نان، لسی، چائے کا ناشتہ کرتے ہیں۔

خوب رونق ہوتی ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سب کو "ناشتہ" سرو کر کے ہلکان ہو جاتی ہے۔ پھر جب گوشت کے حصے بن جاتے ہیں تو سب رشتہ دار اپنا اپنا حصہ لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

ہمسایوں کو ان کے حصے کا گوشت بچوں کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔ اور ساتھ ساتھ جو تین سے چار کلو اپنے حصے کا گوشت ہوتا ہے وہ پیکٹ بنا کر رکھ لیتی ہوں۔ پھر رات کو اچار گوشت، نمکین گوشت یا پلاؤ بناتی ہوں جو بھی گھر والوں کی فرمائش ہو۔ یہ "گوجرانوالہ" کے پہلوان ہیں جناب یہاں گوشت دیکھ کر دل نہیں بھر لیتے لوگ

pklibrary.com

(ہاہاہا)۔

2۔ بالکل! اصل مرحلہ ہی گوشت کی تقسیم ہے۔ اور پوری ایمان داری سے یہ مرحلہ "مرد حضرات" کو ہی نپٹانے دیتی ہوں۔ صرف اتنا بولتی جاتی ہوں بار بار کہ "پاؤ پاؤ گوشت نہ بھیجیں کسی کے گھر اور ہڈیاں یا چھیچھڑے نہ ڈالیں" پوری کوشش ہوتی ہے کہ جن گھروں میں قربانی ہوئی ہے وہاں نہ جائے گوشت یا کم سے کم جائے۔ اور جہاں قربانی نہیں ہوتی وہاں فٹافٹ بھیجنے کی کرتی ہوں۔ حتیٰ کہ ضرورت مند گھروں میں "مسالا جات" عید سے ایک دن پہلے ہی چوری چوری پہنچا دیتی ہوں۔ بہت دعائیں ملتی ہیں۔ آزمالیجیے۔

3۔ پسندیدہ ڈش کیوں پوچھتے ہیں بھئی۔ ڈشز کی بات کریں تو مانیں ہم۔ ہماری اپنی پسندیدہ ترین ڈش "بیف پلاؤ" اور "بادامی بیف قورمہ" ہے۔ اسی کو شوق سے بناتی ہوں۔ جبکہ فرمائش کرنے والوں کی بقول میرے۔ "نہ زبان رکتی ہے نا ہی ہاتھ" ایک ڈش کھا رہے ہیں گھر والے، دوسری چولہے پر ہے، تیسری کی فرمائش زبان پر ہے۔ انسان کرے تو کرے کیا۔ بہرحال سب باجماعت ریشمی کباب، گوشت کے پکوڑے۔ پلاؤ، کڑاہی گوشت، کچے قیمے کی ٹکیاں لازمی تینوں دن باری باری بنواتے ہیں۔ اچھی عادت یہ کہ ہم گوشت پندرہ دن سے زیادہ نہیں رکھتے۔ بعد کے دنوں میں سبزیوں میں ڈال ڈال کر فٹافٹ ختم کر دیتے ہیں۔

ایک کلو قیمہ نکالیں۔ اسے پرات میں ڈال کر اس میں آدھ پاؤ بیسن، نمک، مرچیں، ہلدی، زیرہ، انار دانہ، سوکھا دھنیا، ہری مرچیں۔ ٹماٹر (گول قتلوں میں) ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور فٹافٹ فرائی کر کے پیش کریں۔ رائتہ، سلاد، کیچپ، مایونیز، سپرائٹ کے ساتھ سب کھائیں گے تو آپ کو بہت دعائیں دیں گے ان شاء اللہ، اور ہم خواتین، شعاع اور خالدہ جیلانی کو جن کی بدولت ہم "سگھڑ" ہو گئے۔

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

1۔ ہماری گلی میں ماشاء اللہ ایک ہفتہ قبل گھروں کے آگے جانوروں کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ گلی کے تمام لڑکے سارا دن بکروں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کھیلتے بھی ہیں۔ ہمارے بکرے پچھلے سال گاؤں سے آئے تھے تو چھت پر ان کے لیے گرین شیٹ لگا کر اور پنکھے چلا کر گرمی کو دور کیا۔ دو دن میں ہی بچے تھک جاتے ہیں۔

کچھ سال پہلے میرے میاں کے بھتیجے نے بڑا خوب صورت بیل خریدا۔ سب کی طرف سے مشترکہ قربانی کے لیے وہ کسی وقت کھل گیا اور مارکیٹ میں داخل ہو گیا۔ دو گاڑیوں کی ونڈ اسکرین اور دکانوں کا نقصان کیا شکر ہے کوئی بندہ زخمی نہیں ہوا لیکن اس کا نقصان بھرنے کے بعد وہ اپنی اصلی قیمت سے چار گنا مہنگا پڑا۔ اس کے بعد بیل خریدنے سے توبہ کی، اب حصہ وغیرہ ڈال لیتے ہیں۔ باقی منڈی کے چکر دو تین دن پہلے لگاتے ہیں۔

عید کے روز قریبی پارک میں ہماری نماز سب سے پہلے ہو جاتی ہے یعنی چھ بجے تک گھر آ جاتے ہیں۔ کچھ سال پہلے تک میرے میاں اکیلے ہی بکرا ذبح کر لیتے تھے۔ میرے بہنوئی اور ابو بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اپنی چھت پر ہی بکرے ذبح ہوتے تھے۔

سب سے پہلے کلیجی آتی ہے۔ اس کے لیے مسالا میں اور امی پہلے سے تیار کر لیتے تھے۔ چھوٹی بہنیں ایک قورمے کا سالن اور پلاؤ سلاد وغیرہ تیار کر لیتی تھیں۔ پھر میں امی کے ساتھ جلدی جلدی ان گھروں میں گوشت بھیجا کرتی تھی جن کے گھر قربانی نہیں ہوتی تھی۔ اب امی کے بعد ساری ذمہ داریاں میرے اوپر آ گئی ہیں۔ تین سال سے بہن (امی کے بعد) وہ بھی قربانی اپنے گھر میں کرتی ہیں بلکہ اس سال سے میں نے پابندی لگا دی ہے کہ پہلے روز کوئی دعوت نہیں کرے گا بلکہ گوشت سنبھالو، تقسیم کرو اور دوسرے دن سے پھر ایک دوسرے کی دعوت کرو اور اب تو عید فل گرمی میں آتی ہے۔ اس لیے کام اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ گوشت کو بنانے اور حصے بنانے کا کام اب بھی میرے شوہر اور میں کرتے ہیں یعنی ہر عید مکمل کام اور بس کام ہے۔

گوشت کی تقسیم میرے والدین سکھا کر گئے ہیں اور ایک ذاتی تجربہ بھی ہے، میں بہت چھوٹی تھی پانچ چھ سال کی ابو گھر میں بڑے تھے پھر ہم چار بہنیں۔ جاب بھی نئی تھی تو اکثر اپنے والدین کو پیسے بھیج دیتے تھے اتنی طاقت نہیں

pklibrary.com

ہوتی تھی قربانی کرنے کی۔ یہ وہ عیدیں تھیں جو اپنے ننھیال اور ددھیال کے بغیر کیں جب ابو کو چھٹی نہیں ملتی تھی۔ ہم سارا دن انتظار کرتے کسی کے گھر سے گوشت نہیں آتا تھا تو جب اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، ہم ان لمحوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ امی کی بھی کوشش ہوتی تھی۔

اب میری اور میرے شوہر کی کوشش ہوتی ہے کہ خود کھانے سے پہلے ضرورت مندوں کے گھر پہنچ جاتے ہیں جن کے گھر میں دو تین قربانیاں ہوتی ہیں، ان کے گھر نہیں بھیجتے مجھے اپنے شوہر کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ وہ اپنی فیکٹری کے مزدوروں کی ایک فہرست بنا لیتے ہیں، ان کے نام لکھ کر سارے شاپرز فریزر میں رکھ لیتے ہیں پھر عید کے دوسرے دن بائیک پر یا گاڑی میں خود ان کے گھروں تک پہنچا کر آتے ہیں ابھی ماشاء اللہ دو بچوں کا عقیقہ کیا تو میں نے سارا گوشت اسی طرح سے تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھا کرنے کی توفیق دے آمین۔

3۔ میری پسندیدہ ڈش امی کے ہاتھ کا پلاؤ تھا چھوٹی بہن نجمہ ماشاء اللہ کوکنگ کی ماسٹر ہے اس جیسا قورما بریانی، فش، کباب اور سویٹ ڈشز کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ میرے بچے اس کی دعوت کا بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔

اور اب تو میری بہوئیں ماشاء اللہ بہترین کوکنگ کرتی ہیں۔ میری بیٹی نے ماشاء اللہ کورونا کے دنوں میں نیٹ سے اور اپنی بھابھیوں سے سیکھ کر اتنی اچھی کوکنگ کی کہ مجھے حیران کر دیا۔ بڑی بہو عائشہ اچار گوشت اور بریانی زبردست بناتی ہے۔ چھوٹی ماہا ہر قسم کے کھانوں میں گھر کے دیسی مسالے استعمال کرتی ہے۔ بہترین تناسب ہوتا ہے۔ آمنہ چکن کی تمام ڈشز مثلاً منچورین شاشلک ہر قسم کا پاستا وغیرہ بہت زبردست بناتی ہے۔ اس لیے اس بار کوکنگ کی میری چھٹی ہے اور ترکیب اس لیے نہیں رہی کہ سب کو معلوم ہے۔ اپنے خواتین اور شعاع میں بھی بہترین ترکیبیں شائع ہوتی ہیں بس پریکٹس کی ضرورت ہے ہاں البتہ کچن کے تمام کام کرتے وقت درود شریف ضرور پڑھیں اور عبادت سمجھ کر کام کریں۔

ارم کمال.....فیصل آباد

1۔ وقت کے ساتھ سب کچھ بدل سا گیا ہے۔ پہلے تو مہنگائی نے ہی جکڑ کر رکھا ہے اور اب ساتھ کورونا بھی بلائے جان بن گیا ہے۔ عید الفطر کے ختم ہوتے ہی اپنی عیدی اور کچھ سیونگ قربانی کی مد میں رکھ دیتی ہوں عید سے دو تین دن پہلے میاں صاحب بیٹے کو ساتھ لے کر بکرا لے آتے ہیں۔ مگر اصل میں چھ مہینے پہلے ہی ستا لیتے ہیں اور اپنے دوست کے باڑے میں رکھوا دیتے ہیں اور عید سے دو تین دن پہلے گھر لے آتے ہیں۔

میں گھر کا وہ کونا اچھے سے صاف کرتی ہوں جہاں بکرا دو تین دن کا مہمان ہوتا ہے۔ بالٹی میں پانی، ٹب میں دانہ توڑی اور پنکھا بھی لگا دیتے ہیں بھئی۔ قربانی کا جانور ہے، گرمی نہ لگے اسے، بیٹا اسے گلے میں ہار اور پاؤں میں گھنگرو پہنا کر اپنے ساتھ سلفیاں لے لیتا ہے۔ باقی رشتے داروں کو بکرے کی تصویریں بھیجتا ہے کیونکہ کورونا کی وجہ سے رشتے دار ایک دوسرے کے گھروں میں آنے سے کترا رہے ہیں۔

میرے چچا کورونا کی وجہ سے انتقال کر گئے ہیں، اس وجہ سے سب ڈرے ہوئے ہیں۔ شام کو بکرے کو واک کروانے بیٹا لے گیا۔ سارے محلے والوں کے بکروں سے تقابلی جائزہ بھی لے آیا۔

"امی! فیصل لوگوں کا بکرا کیسا تگڑا اور خوب صورت ہے، ابو بھی ویسا لے کر آتے۔"

"بیٹا! شکر کرو کہ مہنگائی کے دور میں جب دال روٹی کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ہم کو اللہ نے قربانی کرنے کی توفیق دی۔"

"ٹھیک ہے امی! میں ویسے ہی کہہ رہا تھا۔"

"پہلے قصائی کو بک کر لیں ورنہ بعد میں مسئلہ ہوگا۔"

"ہاں ہاں۔ میں نے بکنگ کروا دی ہے بلکہ ایڈوانس رقم دے دی ہے۔"

"اچھا شاپر لے آئے گا۔"

"ہاں لے آؤں گا۔"

چاند رات کو سارے گھر کی صفائیاں۔ بچوں اور میاں صاحب کے کپڑے استری کرنا۔ طیبہ کو بیٹھ کر مہندی لگائی۔ بکرے کی مہمان نوازی بھی عروج پر تھیں۔ ہر تھوڑی دیر بعد جا کر احمد بکرے کو دانہ توڑی کھلاتا۔ پانی پلاتا، بیٹا

pklibrary.com

زیادہ دانہ توڑی نہ کھلاؤ اس کا پیٹ نہ خراب ہو جائے۔"

"نہیں ہوتا ماما صرف آج رات کا تو مہمان ہے۔" احمد کہتا۔

عید کی صبح احمد اور میاں صاحب کو کسٹرڈ سے ناشتہ کروایا جلدی جلدی دونوں تیار ہو کر نماز پڑھنے چلے گئے۔ قصائی بھی فوراً آ گیا۔ میاں صاحب نے چھری پر ہاتھ رکھا اور خیر سے قربانی ہو گئی۔ قصائی نے سب سے پہلے کلیجی بنائی۔ میں نے سالارات میں ہی بنا لیا تھا، فٹا فٹ کلیجی بنائی تاکہ میاں صاحب روزہ کھول سکیں۔

قصائی دو گھنٹے میں فارغ ہو گیا۔ میاں صاحب نے بسم اللہ پڑھ کر سارا گوشت مثلاً ہڈیاں، رانیں، چربی سب ملا دیا۔ صرف پائے الگ رکھے پھر پرلسٹ کے حساب سے شاپر بنائے ہر شاپر میں نام کی چٹ ڈالی عصر تک سب کے شاپر ان کے گھروں میں پہنچا دیے۔ طیبہ نے سارے گھر کی صفائی کی۔ میں نے چکن بریانی، شامی کباب اور ابلا ہوا گوشت بنایا۔

کھانا کھا کر سب سو گئے۔ اگلے دن گھر میں باربی کیو کیا۔ یوں عید کی خوشیاں گھر میں اپنی فیملی کے ساتھ منائیں۔ نہ ہم کہیں گئے اور نہ کوئی آیا۔ تیسرے دن آدھے گھنٹے کے لیے اپنی خالہ کے گھر گئی کیونکہ وہ بہت ناراض تھیں۔ میں کافی عرصہ سے ان سے ملنے نہیں جا سکی تھی۔ کورونا نے تو ہر چیز کے رنگ ڈھنگ ہی بدل ڈالے ہیں۔ میری دعا ہے کہ کورونا ساری دنیا سے جلد از جلد ختم ہو جائے (آمین)

2۔ گوشت کی تقسیم ایک بے حد ذمہ دارانہ مرحلہ ہوتا ہے۔ جن گھروں میں قربانی نہیں ہوتی، میں صرف ان گھروں میں گوشت بھیجتی ہوں۔ تاکہ قربانی کا اصل مقصد پورا ہو سکے۔ میرا اور میرے میاں صاحب کا یہی اصول ہے دوسرا ہم نے کبھی رانیں اور چانپیں الگ نہیں رکھیں۔ ہم سارا گوشت اکٹھا بنواتے ہیں صرف پائے الگ رکھتے ہیں اور دو دن کے پکانے کا گوشت اور قیمہ، باقی ہڈیاں گوشت، رانیں، سری سب اکٹھا ملا کر شاپر بناتے ہیں۔ خواہش اور نیت یہ ہوتی ہے کہ محلے دار ماسی، چوکیدار، خاکروب جو قربانی نہیں کر سکتے، زیادہ سے زیادہ گوشت انہیں دیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گوشت بانٹنے کے بعد کوئی ضرورت مند آ جاتا ہے تو میں اپنے حصے میں سے شاپر بنا دیتی ہوں۔

3۔ جہاں تک گوشت کی ڈشز کا سوال ہے تو میری بیٹیاں اور میں گوشت نہیں کھاتیں۔ میرے میاں صاحب اور میرا بیٹا اور جمال گوشت کے شوقین ہیں تو قربانی والے دن بھی گھر میں چکن بریانی بنتی ہے۔ میاں صاحب کے لیے میں گوشت ابال کر اور انڈا لگا کر بناتی ہوں۔ بچوں کو قیمے کے سیخ کباب باربی کیو کر دیتی ہوں میرے میاں صاحب کو گوشت کی کڑاہی بہت پسند ہے جو میں ان کی فرمائش پر بناتی ہوں اور کڑاہی کی ترکیب تو سب، بہنوں کو آتی ہی ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ..... گجرات

عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ۔ دونوں کی اپنی اپنی خوشی ہوتی ہے۔ چھوٹی عید کا کچھ زیادہ مزہ آتا ہے۔ خوشی خوشی ماہ رمضان گزارتے ہیں اور پھر عید کا دن جب امی زندہ تھیں تو چھوٹی عید پر ہم تینوں..... میں، امی اور شازی گھر کی صفائی اور چاند رات کو امی جی شیر خورما کے لیے میوہ، بادام بنا کر رکھ دیتی تھیں، ساتھ ہی ہنڈیا کا مسالہ بھی تیار کر دیتیں بڑی عید پر ہم قربانی نہیں کرتے مگر چکن ضرور بنا لیتے تھے۔ اور پھر جب ماموں کے گھر سے گوشت آتا تو رمہ اور بریانی بناتے۔

میری امی جی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ اب میں بناتی ہوں تو ہانیہ، ہادی کو میرے ہاتھ کی بریانی، حلیم اور قورما بہت پسند آتا ہے۔ میری بہن شازیہ کو وائٹ میٹ بہت پسند ہے۔

کسی زمانے میں سہیلیوں کے گھر جاتی تھی۔ صفیہ عزیز (بھاگووال) ثمرہ نعیم واہ کینٹ۔ عید کے دن تو نہیں خیر ایک دو دن بعد یا پہلے ملنے جاتی تھی۔ اور پھر اسی دن ان چیزوں کا اہتمام کر لیتی تھی۔

جو کورونا والی عید گزری ہے۔ اس عید کی شام صفیہ عزیز نے کال کی۔

"میں امی کی طرف آئی ہوں تو تھوڑی دیر تک تمہاری طرف آتی ہوں۔" میں بریانی پکا رہی تھی۔ میں نے کہا "تم رات ڈنر میری طرف کرو" اور رات جب وہ آئی تو میری ممانی اور ماموں بھی آ گئے۔ جلدی جلدی کھانا لگایا۔ چلو جی پہلا نوالہ کھایا اور سب کے کانوں سے دھواں شروع۔ بریانی بنی تو مزے کی تھی مگر مسالے کچھ زیادہ ہو گئے تھے۔ خیر کولڈ رنک کے ساتھ کچھ بیلنس ہو گیا۔

جب سے والدین گئے ہیں، اب تو عیدیں کیسی ہوں گی اللہ پاک ان کی بخشش و مغفرت فرمائے (آمین)

pklibrary.com

ہانیہ ہادی۔ حریم فاطمہ ننھیال چلے جاتے ہیں۔ دو دن رہ کر آتے ہیں۔ میں آمنہ بتول کی طرف چلی جاتی ہوں اور جو ڈش بنانی ہوتی ہے، وہاں بنا لیتی ہوں۔ پھر آمنہ بتول لوگوں نے قربانی کرنی ہوتی ہے اس کے ساتھ چل کر گوشت وغیرہ صاف کرتی اور سنبھالتی ہوں۔

شام کو گھر آجاتی ہوں۔ دوسرے دن پھر جاتی ہوں۔ بھائی عمران اور ہانیہ لوگ کا لنچ وہاں ہوتا ہے۔ ایک اچھا سا دن گزار کر ہم لوگ گھر آتے ہیں۔ اور ٹی وی دیکھتے ہیں۔ قریبی ماموں ہی ہیں۔ وہ تو کسی ٹائم بھی آجاتے ہیں۔ ویسے عید پر دور کے رشتے داروں کے گھر جانا کچھ عجیب لگتا ہے۔ جہاں فرینک ہوں وہاں جایا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی بڑی عید پر موضوع بس ایک ہوتا ہیں۔ کال آئی ''ارے آپ نے قربانی کی، اچھا تو گوشت تھوڑا زیادہ بھجوانا۔''

''یا پھر قربانی کیوں نہیں۔ فلاں گھر سے کتنا گوشت آیا اف توبہ ہے قسم سے سارا سال کنجوسی کی حدیں توڑتے ہیں اس مقدس فریضہ میں بھی ڈنڈی مارنا نہیں بھولتے لوگ۔ یا پھر جہاں زیادہ فرینڈ ہوتی ہیں۔

''بات سنو، رات کچھ نہ پکانا، قورمہ بنا کر لا رہی ہوں۔ ساتھ تندوری روٹیاں لگوالاؤں گی۔ مل کر ڈنر کرتے ہیں۔''

''خیر دعا تو یہی ہے میری زندگی میں ہی بھائی عمران صاحب کو اللہ پاک قربانی کی توفیق دے اور میرا بیٹا ہادی حسین صاحب اپنے بکرے کو خوب سجا کر گلی میں گھومے بلکہ میں نے تو سوچ رکھا ہے لوگ اپنے بکروں کو مہندی لگاتے ہیں ہم اپنے بکرے پر پینٹنگ کریں گے۔ اور بکرے کا میک اپ کر کے گلاسز لگا کر سیلفیاں بنا کر اسے دنیا سے رخصت کریں گے ہاں ناں کیوں نہ کریں ہماری پہلی پہلی قربانی ہونی ہے۔ اللہ پاک نے توفیق دی ہے تو دل کے ارمان کیوں نہ پورے کریں۔

صالحہ جمیل جب چھوٹی تھی تو جب ہم اس سے پوچھتے کہ صالحہ قربانی کرنی ہے؟ تو کہتی تھی ہم نے وکٹہرا کرنا ہے۔ اللہ پاک نے اسے توفیق دی ہے اب تین تین بکرے کرتے ہیں اور خود کھا کھا کر وکٹیری ہوئی ہیں (مذاق) اب تو کافی بکری ہوگئی ہیں ماشاء اللہ سے اللہ پاک جلدی سے اس بکری کا بکرا دیں (آمین)

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ

1۔ ذوالحج کا چاند عید سے دس دن پہلے نظر آجاتا ہے، بازاروں میں جانوروں کی منڈیاں سج جاتی ہیں۔ گلی محلوں میں بھی جانور بیچنے والے بکریوں کے گلے میں رسیاں ڈالے بیچ رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے جانور ہماری زمینوں پر مزارعوں کے پاس ہوتے ہیں۔ وہ عید سے ایک دن پہلے ہمارے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں۔ بچے خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ جانوروں کو پیار کر رہے ہیں، گھاس کھلا رہے ہیں۔ جانوروں کے حسن پر مقابلہ بازی چل رہی ہوتی ہے۔ ''ہماری بکری خوب صورت ہے۔''

''ارے تمہاری تو بکری ہے۔ ہمارا تو بکرا ہے ببر شیر۔''

''دیکھو تو ہماری تو بھیڑ ہے۔ سب کی بکریاں ہیں، ہماری انفرادیت ہے، بھیڑ تو کسی کی نہیں ہے۔''

قصائی صاحب تشریف لاتے ہیں تو بچوں کے چہرے غم زدہ ہو جاتے ہیں۔

''ہائے ابو! آج ذبح نہ کریں۔ ہائے اللہ بے چاری بکری کو تکلیف ہوگی۔'' باقاعدہ رونا دھونا ہوتا ہے۔

جانور ذبح کروانے، گوشت گھر کے اندر لانے کا سب کام مرد حضرات کرتے جب گوشت آجاتا ہے پھر خاتون خانہ کی مشقت شروع ہو جاتی ہے۔

2۔ ہمارے گھر ماشاء اللہ کافی گوشت ہوتا ہے چار پانچ بکرے ذبح ہوتے ہیں، دو حصے گائے کے بھی ہوتے ہیں۔ پہلے دن ہی تمام گوشت بنوالیا جاتا ہے۔ دوسرے دن قصائی کو بلانا پھر سے گوشت کا پھیلاوا کرنا پسند نہیں ہے۔ پہلے دن ہی سب کام نپٹ جائے یہی بہتر ہوتا ہے۔

گوشت تقسیم کرنے کے لیے پہلے سے موٹی شاپر بازار سے خرید لیے جاتے ہیں۔ جیسے ہی گوشت آتا ہے اپنے اس دن پکانے کے لیے نکال کر پھر کلو کلو گوشت شاپروں میں ڈال کر رکھ دیا جاتا ہے۔ بکری کے گوشت کے لیے نیلے رنگ کے شاپر ہوتے ہیں سفید شاپروں میں گائے کا گوشت ڈالا جاتا ہے۔

کئی لوگ تو گھر آ کر لے جاتے ہیں۔ شام کے ٹائم وہ تمام گوشت بہت بڑے تھیلے میں سارے پیکٹ رکھ کر ہمارا ملازم نزدیکی غریبوں کی بستی میں دے آتا ہے، اپنے گھر کے لیے ہم کم ہی گوشت رکھتے ہیں۔ ایک دو ہانڈیوں

pklibrary.com

کے لیے بکری کا گوشت رکھ لیا جاتا ہے۔ ایک بکری کے سرے پائے گھر کے لیے ہوتے ہیں۔ باقی گھر کے ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ گائے کے گوشت کو پلاؤ اور شامی بنانے کے لیے کلو کے پیکٹ بنا کر فریج میں رکھ دیتے ہیں۔ بکری کی چانپیں بھی اپنے لیے رکھ لیتے ہیں یعنی ایک بکری کی باقی سارا گوشت بانٹ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول کرے آمین۔

3۔ عید کا دن چونکہ تھکاوٹ والا دن ہوتا ہے۔ اتنے زیادہ گوشت کو سنبھالنا پھر بانٹنا، پیکٹ بنانا تھک کر چور کر دیتا ہے۔ آسان ڈش کلیجی ہوتی ہے، اس کو بھون لیا جاتا ہے اور کام و دہن کو لذت دی جاتی ہے۔

سعیدہ افضل ہاشمی.....کراچی

1۔ بقر عید کا چاند نظر آتے ہی محلے میں رونق شروع ہو جاتی ہے، میرا چھوٹا بیٹا حسنین جانور پسند کرنے اور ریٹ معلوم کرنے ہر دوسرے دن دوستوں کے ساتھ منڈی جاتا ہے۔

میں کچن کے لیے زیادہ سامان نہیں لیتی۔ گرمیاں ہیں۔ خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ پیاز، ٹماٹر، ہری مرچیں، پودینہ، ہرا دھنیا، گرم مسالے سونف، ثابت دھنیا کم مقدار میں لیتی ہوں۔ فریز ٹماٹر مجھے اچھے نہیں لگتے۔ لہسن ادرک پیس کر جار میں بھر لیتی ہوں۔ اور فریج میں رکھتی ہوں۔ سفید زیرہ بھون کر کوٹ کر رکھ لیتی ہوں۔ کچن کیبنٹ ہفتہ دس دن میں صاف کرتی رہتی ہوں۔ مسالوں کے جار دھوتی ہوں۔ پیاز براؤن کر کے رکھ لیتی ہوں۔

عید کے دوسرے دن قربانی ہوتی ہے۔ شوہر اور تینوں بیٹے (اکتوبر میں شوہر کا انتقال ہو گیا) جانور ذبح کرنے نیچے چلے جاتے ہیں۔ گاڑی کے لیے شیڈ ڈال کر جگہ بنائی ہے۔ وہیں گائے کھڑی کرتے ہیں بچوں کے دوست بھی اپنی گائے یہیں باندھتے ہیں۔ اور قربانی بھی وہیں ہوتی ہے۔ بہو ہلکا پھلکا ناشتہ اور چائے تھرماس میں بنا کر نیچے بھیج دیتی ہے۔ اور میں دوپہر کے کھانے میں لگ جاتی ہوں، بھائی بھتیجے قربانی والے دن ہمارے گھر آتے ہیں ماشاء اللہ کافی رونق ہوتی ہے۔

کلیجی اور پلاؤ کا گوشت پہلے منگواتی ہوں۔ کلیجی تیار کر کے نان منگواتی ہوں۔

دوسرے چولہے پر پلاؤ کے لیے یخنی چڑھا دیتی ہوں۔ سامنے فلیٹ میں اور نیچے دو گھروں میں کلیجی میں خود لے آتی ہوں۔ بچے کو بلا کر باقی گھروں میں بھیجتی ہوں۔

بچوں کے دوست بھی قربانی والے دن ہمارے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔

کھانے کے بعد گوشت کی تقسیم تین چار بجے تک یہ مرحلہ بھی پائے تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔

رہی بات روایتی دعوتوں کی، سب ایک دن نہیں آتے (کورونا وائرس) اور اب سب کے بچے شادی شدہ ہیں۔ اپنے گھر میں بیٹی داماد کا آنا جانا اور دوسرے دن بہوئیں اپنے میکے جاتی ہیں۔ بہت پہلے امی کے گھر دعوت کا اہتمام ہوتا تھا، عید کے دوسرے دن سب بہن بھائی امی کے گھر جاتے تھے۔ اب وہ معذور ہو گئی ہیں، وہ اہتمام نہیں ہوتا۔ اب جس کی مرضی جب ہوتی ہے آ جاتے ہیں دعوت کے لیے کباب بازار سے بن کر آ جاتے ہیں۔ بریانی میں بنا لیتی ہوں، ایک میٹھا بنا لیا۔ سلاد، رائتہ، چٹنی، شامی کباب تل لیے اور دعوت تیار ہو گئی۔

2۔ جب سے ڈھابے، ریسٹورنٹ کھلے ہیں سب باہر سے بن جاتا ہے۔ آج کل بچے روسٹڈ کھانے پسند کرتے ہیں۔ بھنا گوشت، پچھلے سال بکرے کی بھی قربانی کی تھی۔ ران روسٹ کرائی تھی۔ سیخ کباب بھی بازار سے بنواتے ہیں۔ گھر میں نمکین گوشت بناتی ہوں۔ شامی کباب، روکھی بوٹیاں بنا کر چنے کی دال، سرخ ثابت مرچ، پورا گرم مسالہ پیاز، لہسن ادرک، دال کر گلا کر اور سل پر پیس کر کباب بنا کر رکھ لیتی ہوں۔ نہاری کا گوشت الگ کر لیتی ہوں۔

3۔ پسندیدہ ڈش سفید پلاؤ ہے۔ اور یہ سب کو بنانا آتا ہے ہر قسم کی بریانی، کباب گوشت کا سالن، کوفتے، دم کا قیمہ، کچری والا قیمہ، کباب بوٹی، سندھی بریانی، بہاری کباب یہ سب کچھ بہنوں کو بنانے آتے ہیں۔ ماشاء اللہ کافی کچھ ''موسم کے پکوان'' از خالدہ جیلانی اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) نے سکھایا ہے۔

☆

pklibrary.com

آپ کی پسندیدہ مصنفہ

گل ارباب سے ملاقات

شاہین رشید

اس ماہ آپ کی ملاقات گل ارباب سے کرارہے ہیں۔ گل ارباب کا شمار قارئین کی پسندیدہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ انہیں لکھتے ہوئے بہت عرصہ نہیں گزرا اس کے باوجود انہوں نے اپنی ایک پہچان بنالی ہے۔ گل ارباب کی کہانیوں کے کردار اسی معاشرے کے باسی ہوتے ہوئے بھی اس معاشرے سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ جن اعلا اقدار اور تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ اب خال خال ہی نظر آتی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ گل ارباب نے ہمارے سوالوں کے کیا جواب دیے ہیں۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

"بالکل بتاؤں گی..... مگر میں کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سے اور آپ کے ادارے سے۔"

"ہوں..... اچھا..... ضرور....."

"سب سے پہلے تو ادارے کی اور شاہین رشید صاحبہ آپ کی دل سے شکر گزار ہوں کہ مجھے اس قابل سمجھا..... خواتین ڈائجسٹ، شعاع اور کرن سے پہلے بہ حیثیت قاری، اور پھر بہ حیثیت لکھاری میری وابستگی کو برسوں بیت چکے ہیں..... ادارے کے بڑے لوگوں سے خاص طور پر "امتل" آپا، روبینہ آپا، واصفہ سہیل صاحبہ اور شاہین رشید آپ سے دلی عقیدت اور پھر بھرپور محبت کا مضبوط اور میٹھا سا تعلق ہے۔ اور اس رشتے کی خوب صورتی کو وہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جو برسوں سے اس رشتے کی سنہری ڈور میں بندھے ہوئے ہیں.....

اپنے بارے میں بات کرنے کا موقع آئے تو میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہوں۔ لوگ تو یونہی کہتے ہیں کہ اپنے بارے میں بات کرنا مشکل ترین کام ہے۔ مجھے تو بہت مزہ آتا ہے اپنے بارے میں سب کچھ بتا کر..... تو جناب حاضر ہیں گل کی گل افشانیاں۔"

تو پھر گل بتایئے اپنے خوب صورت نام کا بیک گراؤنڈ "ارباب رحیم" سیاست دان سے اپنا رشتہ..... اور فیملی بیک گراؤنڈ....."

"پہلی بات تو یہ کہ میرا نام "گل ارباب" نہیں ہے۔ میرا اصلی نام "فوزیہ آمنہ ارباب" ہے..... پشاور میں پیدا ہوئی اور یکم جولائی..... میری تاریخ پیدائش ہے۔ والدین کی پہلی اولاد ہوں۔ اور پہلی

pklibrary.com

اولاد ''پہلی محبت'' جیسی ہوتی ہے۔ قیمتی، لاڈلی اور عزیز ترین۔ میں جب خیبر پختونخوا کے تاریخی شہر پشاور میں پیدا ہوئی تو امی نے کہا کہ ''فوزیہ'' نام رکھنا ہے۔ ابو نے کہا کہ ''آمنہ'' اور یوں دونوں کے اتفاق رائے سے ''فوزیہ آمنہ'' رکھ دیا گیا۔

اور جناب ماشاء اللہ سے ''ارباب'' فیملی پشاور کی ایک معزز فیملی ہے جس میں کافی ''نامور سیاست دان موجود ہیں۔ اور اکثر لوگ سندھ سائیڈ کے بھی اور دیگر بھی آپ والا ہی سوال پوچھتے ہیں کہ ''ارباب رحیم'' صاحب سے کیا تعلق ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ''قسم لے لیں جو ان سے کوئی تعلق ہو..... میں نے انہیں صرف ٹی وی اسکرین پر ہی دیکھا ہے۔

اب بات کرتے ہیں ''گل'' کی..... ''گل'' ہمارے یہاں پٹھانوں میں مقبول عام نام بھی ہے اور ایک طرح سے کئی رشتوں کو بھی یہ نام دیا جاتا ہے۔ جیسے ''پھوپھو''، ''خالہ''، ''چچی'' سب کو ''بی بی گل''، ''خالہ گل''، ''ماہ گل''، ''شاہ گل'' وغیرہ کہا جاتا ہے، اور میری کہانیوں کے کردار میں بھی ''گل'' بہت استعمال ہوتا ہے۔ ''گل منا''، ''گل پانڑا''، ''گل جاناں''، ''زرگل'' اور خواتین کو چھوڑیں..... ہمارے یہاں تو مرد حضرات کے نام بھی زیادہ تر گل پر ہی ہوتے ہیں..... جیسے گل خان، گل شیر، گل ولی..... یہاں تک کہ طوطی گل..... شربت گل بھی ہوتے ہیں.....'' (ہنستے ہوئے)

''نام رکھنے کی ذمہ داری کس پر ہوتی ہے؟ والدین کے علاوہ؟''

''والدین کی تو ہوتی ہی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں بلکہ سب کے یہاں نانی اور دادی کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے تو بصد احترام انہیں یہ ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے..... تو وہ اپنے حساب سے سادگی میں اور محبت میں جو نام ذہن میں آتا ہے وہ بول دیتی ہیں اور پھر وہ نام پتھر پر لکیر ہو جاتا ہے۔

اس پر ایک واقعہ آپ کو سناتی ہوں۔ یقیناً آپ محظوظ ہوں گی..... میری ایک دوست کی ''بیٹی'' پیدا ہوئی۔ تو والدین نے اس کا نام ''سفینہ'' رکھا (کیونکہ بیٹی کے والد نیوی میں جاب کرتے تھے) دادی نے ''بہو بیٹے'' کو ڈانٹا کہ یہ کیا نام رکھا ہے یہ تو ہندوستانی اداکاروں والا نام ہے۔

بچوں نے بصد احترام کہا کہ اماں آپ نام رکھ دیں۔ تو دادی نے بچی کا نام ''کرشمہ گل'' رکھ دیا۔

سب نے کہا یہ تو ہندو نام ہے۔

تو فرمانے لگیں کرشمہ کے ساتھ گل رکھ کر مسلمان کر لیا ہے۔

''میرا نک نیم ''گل'' ہے تو قلمی نام بھی یہی رکھ لیا۔ ہمارے یہاں معاشرتی اقدار کی پاسداری کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ صدیوں پرانی روایات کو بصد احترام سینے سے لگا کر رکھتے ہیں۔ سچ کہوں تو زندگی سے بھی زیادہ اہمیت رسم و رواج اور روایت کو حاصل ہے۔ اور ہمارے یہاں کی روایت یہ ہے کہ خواتین کی شکل و صورت اور آواز کے ساتھ نام کا بھی پردہ لازمی ہے۔ اس طرح پردہ بھی رہ گیا اور لکھنا لکھانا بھی جاری رہا۔

''بہن بھائی..... بچپن..... تعلیم..... شادی..... ان کے بارے میں بتائیے؟''

''ہم ماشاء اللہ سات بہن بھائی ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں گھر کی بڑی یعنی پہلی اولاد ہوں۔ میرے والد ایگری کلچر کے محکمے میں کام کرتے تھے جبکہ والدہ ہاؤس وائف ہیں۔

میرا بچپن بہت سخت دیہاتی ماحول میں گزرا۔ میں بہت ہی شرارتی بچی تھی۔ اور گڑیوں سے کھیلنے کے بجائے لڑکوں والے کھیل کھیلے۔ جیسے ''کنچے'' کرکٹ، فٹ بال، گلی ڈنڈا وغیرہ..... گڑیوں کی شادیاں بھی کیں۔ مگر کم..... میں نے لڑکوں کی طرح پتنگیں بھی اڑائی ہیں۔ اور اپنی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے والدین سے بہت ڈانٹ اور مار بھی کھائی۔

میں اکثر اپنے امی ابو سے کہتی ہوں کہ آپ نے

pklibrary.com

مجھے بہت ''کٹ'' دی جبکہ دیگر بہن بھائیوں نے مار ڈانٹ تو دور کی بات اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھا ہوگا۔

تو امی کہتی ہیں کہ'' تیرے جیسا شیطان اور شرارتی دوسرا کوئی نہیں تھا۔''

دوسرے بہن بھائیوں پر میرا رعب تھا۔ میں اپنے سے دو سال چھوٹے بھائی کے لیے بھی ماں جیسی مہربان اور شفیق تھی۔ لیکن غلط بات پر چھڑی اٹھا کر دھنائی بھی خوب کرتی تھی..... پڑھائی کا بہت شوق تھا۔ لیکن جیسا کہ ہمارے ہاں عموماً ہوتا ہے کہ میٹرک کے بعد شادی ہوگئی۔ اس لیے پڑھنے کے حوالے سے سارے خواب ادھورے رہ گئے میں نے ہمت نہ ہاری مشکل ترین حالات میں بھی پرائیویٹ پڑھائی جاری رکھی اور..... اور ماشاء اللہ میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

''لکھنے کے حوالے سے کچھ بتائیں..... ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت کیسے ملی؟''

''لکھنے کے حوالے سے اگر پیچھے مڑ کر دیکھوں تو یاد کے دریچوں پر اک پل دستک دیتا ہے اور وہ پل ہے ''ابو کا کہانیاں'' سنانا۔ اور شاید لاشعور میں وہی بچپن کی کہانیاں محفوظ تھیں۔ اور ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت تو کسی سے نہیں مانگی بس خود ہی پڑھنا شروع کردیے۔ یہی کوئی نو دس سال کی عمر سے۔ ہوا یہ کہ ہمارے گاؤں میں چھوٹی چھوٹی ''ہٹیاں'' ہوتی تھیں جس کے لیے لفافے بنانے کے لیے وہ لوگ ردی کاغذ لاتے اور گھر کی خواتین لفافے بناتی تھیں۔ ان ہی میں کچھ پھٹے پرانے ڈائجسٹ بھی ہوتے تھے۔ سب ہی ڈائجسٹوں کی ردی ہوتی تھی اور اس طرح ڈائجسٹوں سے میرا تعارف ہوا۔

میں ان دکانداروں کی بیٹیوں سے تھوڑے سے پیسوں کے عوض ڈائجسٹ لیتی اور پڑھ کر واپس کردیتی تھی۔

بس یہاں سے پڑھنے کا چسکا ایسا لگا کہ آج تک نہیں گیا۔ اردو ادب کو گھول کر پی لیا تھا میں نے..... اور شاید بارہ سال کی عمر میں چھپ کر ایک کہانی بھی لکھ لی تھی۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچپن ہاتھ چھڑا کر جارہا ہوتا ہے اور جوانی ہاتھ بڑھا رہی ہوتی ہے۔ سو بچپن اور جوانی کے سنگم پر میں نے لکھنا شروع کیا اور پھر یہ سلسلہ چل ہی نکلا..... نظمیں کہانیاں لکھ کر سہیلیوں کو پڑھنے کے لیے دیتی تھی۔ کچھ رسائل میں اور کچھ مقامی اخبارات میں کہانیاں بھیجیں جو کہ چھپتی رہیں۔

آزاد نظمیں میری پسندیدہ صنف ہے کیونکہ اس کا کینوس وسیع ہوتا ہے چنانچہ آزاد نظمیں بھی بہت لکھیں۔ پھر نثر لکھ کر بھی رکھتی رہی کہ اوپر تلے بچوں کی پیدائش نے کچھ کرنے نہیں دیا۔ اندر کا خالی پن مجھے بے قرار رکھتا رہا۔ رات کو تکیے پر سر رکھتی تو کہانیاں میرے پاس آکر خود کو کھولنے لگتیں۔ تخلیقی جملے سرگوشیاں کرتے کہ ہمیں قرطاس پر سجادو، لیکن میں بچے کا فیڈر بناتے ہوئے یا پھر پیمپرز بدلتے انہیں کن اکھیوں سے دیکھتی تھی سب سے چھوٹی بیٹی ''لیزا'' کی پیدائش کے بعد میں شدید ڈپریشن کا شکار ہوگئی۔ ماہر نفسیات کے پاس گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ اپنے آپ کو اس کام میں مصروف کرلیں جس میں آپ کو خوشی ملتی ہے۔ لہٰذا لکھنے کا مکمل دوبارہ شروع کیا کہ اسی میں میری خوشی تھی۔ اور لکھنے کا سلسلہ ان شاء اللہ سانسوں کی روانی تک رہے گا۔''

''پہلی باقاعدہ تحریر کہاں شائع ہوئی اور معاوضہ کتنا ملا؟''

''پہلی ادبی تحریر انڈیا کے ایک مشہور مجلے ''ثالث'' میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مختلف پرچوں میں لکھتی رہی۔ تو میرا خود پر اعتماد بڑھنے لگا۔ کرن سے پہلا معاوضہ ملا تھا شاید گیارہ سو تھے۔ ان پیسوں سے میں نے بچوں کو سوپ پلا دیا تھا۔''

''خواتین، شعاع اور کرن میں آسانی سے جگہ بن گئی یا پاپڑ بیلنے پڑے؟''

''یہ ایک لمبی داستان ہے اور مجھے یہ بتاتے

ہوئے کوئی شرمندگی نہیں ہوتی بلکہ میں اکثر رائٹرز سہیلیوں کے سامنے فخریہ اعتراف کرتی ہوں کہ میں دو سال تک اسی ادارے میں لکھ لکھ کر بھیجتی رہی اپنی کاوشیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے میری تحریریں ریجیکٹ ہوتی رہیں۔ ادارے کے مزاج اور اصولوں کے مطابق لکھنے میں وقت لگا۔ میں سمجھتی ہوں کہ نئے لکھنے والوں کو پہلے یہ سیکھنا چاہیے کہ کس ڈائجسٹ میں کیسا لکھ کر بھیجنا ہے۔ ہر ڈائجسٹ کا اپنا ایک مزاج ہے۔ ہم جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے خواتین ڈائجسٹ کے لیول کی کہانی لکھ کر بھیج دیں گے تو امتل آپا اور ان کی ٹیم یقیناً اسے ریجیکٹ کرے گی۔ اور پھر ایک دن میرے خوابوں کو تعبیر ملی اور گل ارباب کی کہانی خواتین، شعاع اور کرن میں شائع ہونے لگیں۔ میں بہت محنتی اور صبر کرنے والی بندی ہوں۔ جلدی ہمت نہیں ہارتی۔ اور شکر الحمدللہ اب تو ادارہ میری تحریریں چھاپ رہا ہے۔ پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

"آپ کی ہروئینز بڑی خوب صورت ہوتی ہیں۔ کیا آپ حسن پرست ہیں؟"

"ہاں..... میری ہیروئن عموماً پٹھان ہوتی ہیں اس لیے نیلی یا سبز آنکھیں، سنہری بال..... سرخ و سفید رنگت، گلابی گال اور ہونٹوں پر کھلتے گلاب ضرور ہوتے ہیں۔ شاید مجھے ساری لڑکیاں ایسی ہی پیاری نظر آتی ہیں۔"

"آپ کی تحریر میں آپ کی اصل پہچان کیا ہے۔ اور آپ کی مادری زبان 'ہندکو' ہے۔ اپنی زبان میں کچھ لکھا؟"

"پاپولر فکشن" اور "ادبی اسلوب" دونوں میری پہچان ہیں۔ دو ناولز کتابی شکل میں آچکے ہیں۔ اور مزید دو کتابیں عنقریب آنے والی ہیں جن میں ایک ادبی افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اور دوسرا پاپولر فکشن پر مبنی ناول ہے۔ عالمی سطح پر افسانہ لکھنے کا مقابلہ ہوا تھا۔ جس میں ساری دنیا سے لوگوں نے شرکت کی تھی۔ اور ججز تک یہ افسانے بغیر رائٹرز کے نام کے گئے تھے۔ دنیا بھر کے سینئر رائٹرز کے سو کے قریب افسانوں میں میرا نمبر "تیسرا" تھا جو میرے لیے بڑا اعزاز تھا۔ کہ پاپولر فکشن کے ساتھ مجھے ادبی افسانے میں یہ مقام حاصل ہوا۔

اور آپ نے میری مادری زبان کی بات کی۔ تو جناب گندھارا ہندکو بورڈ سے حال ہی میں میری کتاب شائع ہوئی ہے جو کہ "ہندکو" سفرنامہ ہے اور اس طرح میں پہلی ہندکو سفرنامہ نگار خاتون کا اعزاز اپنے نام کرا چکی ہوں۔ مادری زبان سے محبت کرنے والوں میں سے ہوں اس لیے یہ اعزاز بہت خوشی اور محبت سے سینے پر سجایا۔"

"بہت خوب..... ہر فیلڈ میں حسد کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ کو کیسے لوگ ملے؟"

"ہمیشہ بہت اچھے لوگ ملے۔ اور زیادہ تر تعریف ہی سننے کو ملی۔ ذات کے حوالے سے ایک دوست نے کہا تھا کہ اگر خودکشی کے لیے تیار بندہ "گل" سے دو گھڑی بات کرلے تو اسے زندگی سے محبت ہو جائے گی۔ تحریر کے حوالے سے بھی کافی اچھے الفاظ سننے کو ملے ہیں..... اور کچھ لوگوں کا کہا ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جب میری پسندیدہ رائٹر "اقبال بانو" آپا نے کہا کہ "گل" تم تو کمال لکھتی ہو..... جب "امتل" آپا نے فون پر کہا کہ "گل ارباب" میں حیران ہوں کہ آپ پختون ہو کر اتنی اچھی اردو کیسے لکھ لیتی ہیں؟ لبنیٰ غزل، فارحہ ارشد، عنیزہ سید جیسی سینئر رائٹرز نے تعریفی جملے کہے تو بہت حیرت ہوئی۔ اور مجھے لگا کہ مجھے لکھتے رہنا چاہیے۔ اور قارئین کی ایک بڑی تعداد فیس بک، میسنجر وغیرہ پر اپنا رسپانس دیتی ہے اور جب کوئی قاری یہ کہتی ہے کہ گل آپ کی فلاح تحریر نے ہنسایا بھی اور رلایا بھی، تب بہت خوش ہو جاتی ہوں۔

خاندان میں بھابھیاں، بہن وغیرہ خواتین، کرن اور شعاع — بہت شوق سے پڑھتی ہیں..... تو میری اصل مشہوری تو ان ڈائجسٹوں کی وجہ سے ہے، ابو جی ڈائجسٹ خرید کر پڑھتے ہیں، ناول اور ناولٹ پڑھ کر

pklibrary.com

فون کرتے ہیں۔ پھر تعریف کرتے ہوئے اکثر ایک جملہ ضرور کہتے ہیں کہ تمہارے پاس اس قدر ذخیرہ الفاظ کہاں سے آیا ہے؟ میرے کرداروں کو ڈسکس کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ فلاں کردار نے تو بہت اداس کردیا..... میری امی اخبارات کے اشتہارات تک پڑھ لیتی ہیں لیکن میری تحریر نہیں پڑھتیں۔ کہتی ہیں جب تمہارا ڈرامہ آئے گا تب وہ دیکھوں گی۔"

"تو پھر ڈرامہ کیوں نہیں لکھتیں؟"

"مجھے ڈراما لکھنے کا بہت شوق ہے اور اسکرپٹ رائٹنگ باقاعدہ سیکھی بھی ہے۔ اسکرین پلے اور پرنٹ میڈیا میں لکھنے کی تکنیک میں بہت فرق ہے۔ ڈرامے کی لائن میں پہلی بار داخل ہونا مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ میں صلاحیت ہے تو کامیابی ضرور ملتی ہے۔ تو ان شاء اللہ جلد ہی وہ وقت آئے گا جس کا آپ سب کو بہت انتظار ہے۔"

"گل آپ کے ناولز اور ناولٹ کے عنوان بہت منفرد ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص لاجک ہے؟"

"میرے لیے سب سے مشکل کام "عنوان" کا انتخاب ہوتا ہے۔ اور اگر عنوان منفرد ہو تو قاری فوری طور پر متوجہ ہوتا ہے۔ ایک بار روبینہ واجد سے فون پر بات ہوئی تو میں نے کہا کہ ایک ناولٹ لکھا ہے جس کا عنوان ہے "سموسے کا سالن" وہ بولیں جلدی بھیجو اسی مہینے لگاؤں گی کہ عنوان بہت دلچسپ ہے یقیناً کہانی بھی دلچسپ ہوگی۔ میں نے بھیجا اور وہ اسی ماہ لگ بھی گیا۔ میرا ادبی افسانوں کا مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کا عنوان "دنداسہ" ہے جو مجھے بہت منفرد لگا۔ اور ہندو کو سفرنامہ کا عنوان ہے۔ "تتلی تریل تے ترہمت (تتلی شبنم اور عورت)"

"آپ کے خیال میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کم ہوئی ہے یا ویسی ہی ہے جیسی پہلے تھی؟"

"پرنٹ میڈیا آج بھی اہم ہے لوگ کہتے ہیں کہ "کتاب سے محبت" کی یہ آخری صدی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جو والدین کتاب سے محبت کرتے ہیں ان کے بچوں کو وراثت میں یہ محبت ملتی ہے جو آگے ٹرانسفر ہوتی رہتی ہے۔ بے شک اہمیت پہلے سے کم ہو چکی ہے۔ لیکن اگر محبت باقی رہے تو اہمیت بھی بڑھتی رہے گی۔ مجھے تو نئے نکور ڈائجسٹ یا کتاب کی خوشبو آج بھی ہر خوشبو سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"ادب کی کن شخصیات نے آپ کو بہت متاثر کیا؟" "پڑھنے کی ابتدا بچوں کی کہانیوں سے ہوئی..... پھر ابن صفی کے عمران سیریز کا جادو سر چڑھ کر بولا..... وہ ایک نشہ تھا۔ دیوانگی تھی۔ ردی والے ڈائجسٹوں کے علاوہ میرے ابا جی کبھی کبھی "حکایت" اردو، سیارہ ڈائجسٹ اور سب رنگ ڈائجسٹ منگواتے تھے۔ ہمیں مردانہ ڈائجسٹوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن میں اور میرا بھائی چھپ کر یہ ڈائجسٹ بھی پڑھنے لگے۔ مجھے ان میں عالمی ادب کے تراجم پڑھنا اچھا لگتا تھا۔ شروعات میں، میں موپاساں، گورکی، لیو ٹالسٹائی اور چیخوف سے متعارف ہوئی۔ ان کی کہانیاں مجھے اچھی لگتی تھیں۔ سو اردو اور انگریزی ادب بھی خوب پڑھا۔ تارڑ صاحب مجھے بہت پسند ہیں ان کی ساری کتابیں پڑھ چکی ہوں۔"

"بہت کچھ جان لیا آپ کے بارے میں..... کچھ گھریلو اور نجی سوالات بھی ہو جائیں۔ مزاجاً کیسی ہیں؟ مصروفیات، سیاست، اور امور خانہ داری؟"

"مزاج میں شوخی اور حساسیت ہے۔ میرا اسٹار کینسر ہے۔ اور تاریخ پیدائش لیڈی ڈیانا والی یعنی یکم جولائی" (سن وہ نہیں ہے) انسانیت کا درد میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ سوشل ورکر بھی ہوں اور خاتون کونسلر کا الیکشن بھی جیت چکی ہوں..... لیکن اب سیاست سے دل اٹھ گیا ہے۔ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے..... مصروفیات میں مطالعہ کرنا..... آن لائن ونڈو شاپنگ کرنا..... بچوں کے ساتھ وقت گزارنا۔ کیونکہ بچوں کے ابا اپنی جاب کی وجہ سے بچوں کو بھرپور توجہ نہیں دے سکتے۔

میں اب بھی بچوں کے رسائل میں کہانیاں لکھتی ہوں

pklibrary.com

اور لکھ کر چھوٹی بیٹی کو سناتی ہوں اور جو کہانی سن کر وہ ناک منہ نہ چڑھائے وہ فائنل کر دیتی ہو۔ بہت سوشل ہوں، دوست بہت ہیں۔ محفلیں جمانے کا شوق ہے گزشتہ دو سالوں سے مینگورہ سوات میں میاں صاحب کی پوسٹنگ ہے تو یہاں پاکستان بھر سے دوست احباب آتے ہیں تو پھر خوب گپ شپ رہتی ہے۔

آپ نے امور خانہ داری کے بارے میں پوچھا ہے تو یہ میں نہیں بلکہ سب ہی لوگ کہتے ہیں کہ میں انتہائی سگھڑ بندی ہوں۔ بچپن سے گھر کے کام کاج کیے ہیں۔ اور ماں کے ساتھ مل کر بہن بھائیوں کو سنبھالا ہے۔ شادی کے بعد بھی میرے سلیقے کے چرچے رہے ہیں سسرال میں۔ بہت مہمان نواز ہوں اس لیے آئے دن گھر میں دعوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ پچاس ساٹھ لوگوں کا کھانا اکیلے بنا لیتی ہوں۔ سلائی کڑھائی میں ڈپلومہ کیا ہوا ہے۔ لکھنے کا وقت رات کو ملتا ہے اور اکثر لکھتے لکھتے فجر ہو جاتی ہے۔ سیاحت کا شوق نہیں جنون ہے۔

چونکہ میرے میاں پولیس آفیسر ہیں تو ان کی پوسٹنگ مختلف علاقوں میں ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح میرے شوق کی تسکین بھی ہو جاتی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہم بھی جگہ جگہ گھومتے رہتے ہیں۔ نیا گھر، نیا شہر، نئے لوگ اور نئے کرداروں کے ساتھ۔ نئی کہانیاں بھی دریافت ہوتی رہتی ہیں۔ سوات، مالاکنڈ، صوابی، دیر، ایبٹ آباد ہر جگہ سے کئی داستانیں میرے ساتھ پشاور آئی ہیں اور میں سوچ کی زنبیل میں انہیں محفوظ کرتی رہتی ہوں۔ میں کئی ''سفرنامے'' بھی لکھ چکی ہوں۔ پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں، میدانوں کی کہانیاں، کاسنی، بنفشی، زرد اور سفید جنگلی پھولوں کی کہانیاں..... عورتوں کی رونی کرلاتی کہانیاں جن کا اختتام المیہ ہوتا ہے لیکن میں ''طربیہ'' لکھتی ہوں۔ یہی تو فائدہ ہے کہانی کار ہونے کا۔''

''آج کل کورونا کا ذکر نہ کرنا کورونا سے زیادتی والی بات ہو جائے گی۔ بہت خوف آتا ہے اس بیماری سے..... آپ شکار ہوئیں اس کا؟''

''میں نے اور پورے گھر نے کورونا وائرس سے اللہ کے کرم سے جنگ جیتی ہے۔ سارا گھر اس کا شکار ہوا تھا۔ لیکن میری حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ میں بستر پر رہی۔ سانسوں کی روانی شدید متاثر ہوئی۔ پھیپھڑوں کا انفیکشن اتنا پھیلا کہ دنیا کو حسرت بھری الوادعی نظروں سے بھی دیکھ لیا تھا اور یہ بڑی ہی عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ مانوس دنیا سے بچھڑنے اور نامانوس دنیا کی طرف روانگی کا یقین ہو جانے کے بعد بھی مہلت مل جانا آپ کو زندگی کے ناپائیدار ہونے اور اپنے اعمال کے خام ہونے کا احساس دلاتا ہے سب پیاروں کی دعاؤں سے اللہ نے نئی زندگی بخشی، شاید اس نے مجھے موقع دینا تھا کہ میں اس کے بعد اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کر سکوں۔ ان ہی دنوں کی صورت حال کو سپرد قرطاس کیا تھا۔

کورونا پر ذاتی تجربات پر مبنی تحریر لکھ کر خواتین بھیجی تو واصفہ جی نے کہا گل میں تو آپ کی تحریر پڑھ کر روتی رہی ہوں۔ اور ہم اتنا درد اپنے رسالے میں نہیں ڈال سکتے لوگ یہ سب پڑھ کر خوف زدہ بھی ہوں گے اور اداس بھی۔ بیماری کے دوران بہت سے جاہلانہ قسم کے رویے فیس کرنے پڑے۔ لیکن میرے لیے زندگی بہت اہم ہے۔ اس لیے اس کا صدقہ سمجھ کر نظر انداز کرتی رہی۔

''کس طرح کے لوگ پسند ہیں؟''

''کم گو لوگ پسند ہیں۔ جو ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے آنکھوں میں حیرانی بھرے میری باتیں غور سے سنتے رہیں اور درمیان درمیان میں کھلکھلا کر ہنس بھی دیں۔''

''زندگی سے کیا سیکھا؟''

''عمر گنوا کر یہ راز پایا ہے
سب ہی رشتوں کی روح مایا ہے''

''یہ سیکھا ہے''

اس کے ساتھ ہی ہم نے ''گل ارباب'' صاحبہ سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

☆

pklibrary.com

سوال یہ ہے کہ...

فرحت اشتیاق

پہلا سوال کراچی سے فاکہہ سہیل کا ہے۔ لکھتی ہیں

س: فرحت آپ نے محبت کے موضوع پر بہت دلکش کہانیاں لکھی ہیں۔ اس موضوع پر لکھتے ہوئے انسپائریشن کہاں سے ملی۔ کیا کوئی محبت کرنے والا کردار آپ کی نظر میں ہے؟

ج: الحمدللہ میرے اردگرد بہت سارے محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ میں نے محبت کو ہر روپ میں دیکھا ہے۔ چاہے وہ ماں باپ کی محبت ہو، بہن بھائی کی ہو۔ والدین کی اولاد سے محبت ہو، ایک شوہر اور بیوی کی ہو۔ ایک محبوب کی محبوبہ سے ہو۔ میں نے ہر روپ میں بہت سچی محبتیں دیکھی ہیں۔ اس وجہ سے محبت پر جو میرا یقین ہے وہ پختہ ہے۔ مجھے محبت کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اس طرح کی سچی محبتیں نہیں ہوتیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب میں لکھ رہی ہوتی ہوں تو میرا یہ یقین میرے قلم سے ظاہر ہوتا ہے اور میری تحریر خوب صورت ہو جاتی ہے۔ پڑھنے والے کو بھی یہ اس لیے متاثر کرتی ہے کیونکہ میرا اس جذبے پر بہت گہرا یقین ہے۔

حبیبہ خان نے کراچی سے سوال کیا ہے۔

''آپ کو ڈائجسٹ میں لکھنے میں زیادہ مزا آیا یا ٹی وی ڈرامے میں؟''

اس سوال کا بالکل سیدھا جواب یہ ہے کہ میری پہلی محبت، میرا عشق ناول نگاری ہے یعنی ڈائجسٹ کے لیے لکھنا ہے۔ میری اولین ترجیح پرنٹ میڈیا ہے۔ جب کبھی مجھ سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا میں ہر بار ناول نگاری، افسانہ نگاری کو منتخب کروں گی، یہ میرا عشق ہے۔

اب دوسری سچائی یہ ہے کہ اسکرپٹ رائٹنگ میں پیسہ بہت زیادہ ملتا ہے، ناول نگاری میں پیسہ کم ملتا ہے اور پیسہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ اس وجہ سے یہ تو ہو سکتا ہے آپ اس کو زیادہ اہمیت دے دیتے ہیں یا زیادہ وقت دے دیتے ہیں۔ اگر اس میں سے آپ پیسے والی بات کو نکال دیں تو میں ہر روز ناول نگاری کو پسند کروں گی۔

س: نمرہ اقرا نے پوچھا ہے ''آپ کے فینز میں کسی نے کبھی کوئی ایسا سوال یا تبصرہ کیا ہو آپ کی تحریر یا آپ کی ذات سے متعلق جو بہت دلچسپ لگا ہو اور آج بھی آپ کو یاد ہو؟''

ج: ایسی تو بہت ساری چیزیں ہیں مزے مزے کی۔ ایک سوال ہے جس پر مجھے بہت لطف آتا تھا۔ جب میں نے نیا نیا لکھنا شروع کیا تو مجھ سے بہت زیادہ پوچھا جاتا تھا۔ اب بھی کوئی نہ کوئی یہ سوال کر لیتا ہے۔ ای میل اور میسجز میں بھی مجھ سے یہ سوال کئی بار پوچھا جا چکا ہے۔

میرا ایک ناول ہے۔ ''دل سے نکلے ہیں جو لفظ'' اس کا ہیرو ہے عمر حسن، اس کی جو کتاب ہے ''فار ایور'' وہ ہمیں کہاں سے ملے گی؟

مجھے اس پر واقعی میں بہت ہنسی آئی تھی اور مزا بھی آتا تھا بلکہ میں آپ کو سچ بتا دوں کہ مجھے خوشی اور فخر بھی ہوتا تھا کہ میری کہانی نے لوگوں کو اتنا انسپائر کیا کہ انہیں فکشن پر سچ کا گمان ہونے لگا۔ میرا کری ایٹ کیا ہوا امیج انہیں اتنا سچ لگنے لگا کہ وہ حقیقت میں اس کی کتاب ''فار ایور'' تلاش کرنے لگے۔ پڑھنے والوں کو لگتا ہے یہ کتاب انہیں مارکیٹ میں مل جائے گی۔ اس چیز کو میں نے سب سے زیادہ انجوائے کیا۔

س: عنصا احمد نے پوچھا ہے کہ آپ کو لکھنے کا

pklibrary.com

شوق کیسے ہوا؟

ج۔ اللہ تعالیٰ نے شاید یہ میرے لیے پہلے سے طے کیا ہوا تھا کہ مجھے رائٹر بننا ہوگا۔ ایسا نہیں ہوا کہ مجھے کبھی کسی نے کہا ہو کہ تم میں صلاحیت ہے تمہیں لکھنا چاہیے۔

یہ سب خود بخود ہوا، میں بہت چھوٹی تھی تو دماغ میں کہانیاں بنتی رہتی تھی۔ تھوڑی بڑی ہوئی لکھنا پڑھنا آگیا تو بچوں کی کہانیاں لکھنے لگی۔ دوست وغیرہ پڑھ لیتے تھے۔ اپنی بہن ہما کو دے دیتی تھی، پڑھنے کے لیے۔ میں نے کبھی اس طرح سوچا نہیں تھا کہ رائٹر ہی بنوں گی۔

میں تو انجینئرنگ کی طرف چلی گئی تھی پھر ڈگری مکمل کی۔ اس میں ہی جاب کا ارادہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے تھا کہ مجھے رائٹر ہی بننا ہے۔ یہ اس کی مرضی تھی۔

س: ثمینہ اکرم نے بہت دلچسپ سوال پوچھا ہے۔ ''کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے بہت سخت تنقید کی جس سے آپ کا دل دکھا ہو؟''

اچھا سوال ہے اب تو ایسا نہیں ہوتا وقت کے ساتھ ساتھ اب میں میچور ہوگئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے ہمارا جو کام ہے وہ پبلک پراپرٹی ہے اس پر تنقید بھی ہوگی اور تعریف بھی۔ جب لکھا ہی لوگوں کے لیے ہے تو وہ اسے سراہیں گے بھی اور ناپسند بھی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ میچورٹی وقت کے ساتھ آتی ہے۔

جب لکھنا شروع کیا تھا تو تنقید ہوتی تھی۔ میں دکھی بھی ہوتی تھی، ویسے مجھ پر کبھی زیادہ تنقید نہیں ہوئی مگر میرے ہیرو اکثر تنقید کی زد میں رہتے تھے کہ ایسے ہیروز کہاں ہوتے ہیں، ایسے ہیرو تو مریخ پر پائے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں مجھے یہ چیز بہت محسوس ہوتی تھی۔

میرے ساتھ یہ تھا کہ میرے ہیروز کے جو کردار تھے وہ میں اپنے والد صاحب کو دیکھ کر لکھتی تھی۔ میں نے اپنے اردگرد مرد ایسے ہی دیکھے تھے۔ میں یہ کہتی تھی ایسے مرد کیوں نہیں ہوتے میں تو دیکھتی ہوں ایسے مردوں کو۔ اب چونکہ سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے اس لیے وہ جو کہہ رہے ہوتے تھے وہ بھی صحیح کہہ رہے ہوتے تھے۔ میں جو لکھ رہی ہوتی تھی وہ اپنی جگہ صحیح تھا۔

اب مجھے لگتا ہے کہ تعریف اور تنقید کام کا حصہ ہے۔ مجھے ان دونوں چیزوں کو باوقار طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے۔ قبول کرنا چاہیے۔ اگر کوئی تنقید کر رہا ہے تو سوچنا چاہیے اپنی چیزوں پر نظر ثانی کرنا چاہیے اگر کوئی خامی یا کمی ہے تو اسے پورا کرنا چاہیے۔ پرفیکٹ تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ بے عیب ذات تو صرف اللہ کی ہے۔

س: ''حمیرا واجد پوچھتی ہیں کہ آپ کے گھر میں کون آپ کی تحریریں شوق سے پڑھتا ہے؟''

میری سب سے بڑی فین سب سے بڑی سپورٹر میری بہن ہما ہیں۔ ان کے بغیر تو میں لکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ بچپن سے لے کر آج تک جو بھی اسکرپٹ یا کہانی لکھی ہے، ان سے ڈسکس کر کے ہی لکھی ہے۔ ان سے ڈسکس کیے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتی، وہ میرا سب سے بڑا سپورٹ سسٹم ہیں۔

س: حمنہ شعیب راولپنڈی سے پوچھتی ہیں۔ ''اپنی ہم عمروں میں کس مصنفہ کو پڑھنا اچھا لگتا ہے؟''

ج: یہ بہت ڈپلومیٹک جواب لگے گا کہ میں بہت ساروں کے نام لے دوں یا یہ کہوں کہ سب کو پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ بہت ساری رائٹرز ہیں جنہیں پڑھنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ عمیرہ احمد ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ نمرہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ بہت ساری نئی رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں بلکہ مجھے لگتا ہے۔ نئی رائٹرز بہت میچور ہیں ان کے پاس مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ان کا ایکسپوژر پرانی رائٹرز کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ ان کے لیے آسانیاں زیادہ ہیں۔ ہاشم ندیم بہت اچھا لکھتے ہیں ان کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں۔

ثوبیہ قطب کراچی سے پوچھ رہی ہیں۔

س: کوئی ایسا کردار جسے لکھتے ہوئے آپ کبھی

تذبذب کا شکار ہوئی ہیں؟

ج: ایسا تو کوئی کردار نہیں ہے لیکن بعض کردار ہوتے ہیں جو لکھنے مشکل ہوتے ہیں۔ جب آپ کردار کی سائیکی میں جاتے ہیں تو انہیں سوچنا پڑتا ہے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے دماغ میں کوئی کہانی سوچی ہو اور اسے لکھنا میرے لیے مشکل ہوا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دماغ میں پہلے کہانی کا پورا خاکہ بنا لیتی ہوں۔ اس کے بعد ہی لکھنا شروع کرتی ہوں۔

ہوتا یہ ہے کہ جب ہم کردار بناتے ہیں تو اس پر محنت ہوتی ہے۔ اس کی سائیکی کے مطابق اس کی پرسنالٹی ڈویلپ کرنی ہوتی ہے۔ اس کردار کے رویے بھی اس کی پرسنالٹی کے مطابق بناتے ہیں کبھی کبھی اس طرح کی چیزیں کنفیوژ کر دیتی ہیں۔

جیسے "بن روئے آنسو" میں صبا کا کردار تھا حالانکہ کہانی سادہ تھی۔ لیکن اس کا کردار مختلف اس کی نفسیات اور سوچ الگ تھی۔

اس طرح "جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو" میں سکندر شہریار کا کردار تھا جب اسے لکھتی تھی تو مجھے اس کے ذہن کے مطابق سوچنا پڑتا تھا کہ سکندر شہریار کیسے سوچتا ہے۔

ام مریم کا کردار تھا۔ اسے لکھنے کے لیے ام مریم کے ذہن میں جا کر اس کے مطابق سوچتی ہوں کہ وہ کیا سوچتی ہے تو یہ تو ہوتا ہے کہ کسی بھی کردار کو لکھنے کے لیے اس کی نفسیات کے مطابق اسے بنانا پڑتا ہے۔

افشاں ریحان پوچھتی ہیں۔

س: "کسی دوسری مصنفہ کے لکھے کسی کردار کو پڑھ کر ایسا لگا کہ آپ اس سے بہتر لکھ سکتی ہیں؟

ج: ایسا تو خیر کبھی نہیں ہوا کیونکہ وہ کہانی یا کردار اسی مصنفہ کا بنایا ہوا ہے۔ وہ اپنے انداز سے اس کردار اور کہانی کو لے کر چل کر رہی ہوتی ہیں۔ ایسے بہت سارے ناول ہیں، سچویشنز ہیں جس میں ہم چاہتے ہیں کہ یہ کردار اس طرح نہیں کرے یا اس کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تو یہ اس رائٹر کا کمال ہے کہ اس نے اس کہانی یا کردار کو اس طرح لکھا ہے کہ وہ ہمیں اتنا پیارا ہو گیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں اس طرح سے سوچ رہے ہیں۔

جب میں اس طرح کسی کہانی میں انوالو ہو جاتی ہوں تو سوچتی ہوں میں ایسا نہیں کرتی اس کردار کے ساتھ یہ اس مصنفہ کی کامیابی ہے کہ اس نے اس کردار کو ایسا لکھا کہ اس پر کوئی دکھ یا تکلیف آئی تو پڑھنے والے سے برداشت نہیں ہوتی۔ ورنہ اس کے علاوہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

نسیم افضل نے ڈسکہ سے پوچھا ہے۔

س: فرحت! آپ کو کھانے پکانے کا شوق ہے؟ کیا چیز اچھی بناتی ہیں۔ کھانے میں آپ کو کیا پسند ہے؟

ج: کھانے کا مجھے بہت شوق ہے۔ بہت بڑی فوڈی ہوں میں۔ بے تحاشا نہیں کھاتی میں لیکن کھانے کو انجوائے کرتی ہوں۔ دیسی کھانوں میں مجھے دال چاول بہت پسند ہیں۔ اس کے ساتھ سلاد، اچار اور چٹنی ہو میز پر تو کیا ہی بات ہے، میری تو بھوک کھل جاتی ہے۔ یہ سب دیکھ کر۔

اس کے علاوہ یخنی پلاؤ، بریانی خاص طور پر دہلی والی بریانی جو میری امی بناتی ہیں، اس میں زعفران کی مہک بہت اچھی لگتی ہے۔ شاہی کھانے جو ہوتے ہیں وہ بھی بہت پسند ہیں۔ فاسٹ فوڈ بھی کھاتی ہوں سبزیاں دالیں بھی کھاتی ہوں۔ پیزہ پاستا تو بہت زیادہ پسند ہے۔ چیز کی بہت شوقین ہوں۔ برگر، سینڈوچ یا پاستا کوئی بھی چیز پنیر کے بغیر حلق سے نہیں اترتی۔ بہت پسند ہے مجھے پنیر.....

کھانا پکانا بھی آتا ہے۔ اب مصروفیت زیادہ ہو گئی ہے موقع کم کم ملتا ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے بہت خوشی اور شوق سے بناتی ہوں۔ عید وغیرہ پر بہت انجوائے بھی کرتی ہوں۔

☆

pklibrary.com

معروف اداکارہ

باتیں طوبیٰ صدیقی سے

شاہین رشید

1۔ ”اصلی نام؟“

”طوبیٰ صدیقی“

2۔ ”پیار کا نام؟“

”طوبیٰ ہی ہے ویسے جس کا جو دل چاہتا ہے پکار لیتا ہے۔“

3۔ ”سن پیدائش؟ سال؟“

”سال تو نہیں بتاؤں گی البتہ 7 اگست میری سالگرہ کا دن ہے۔ 7 اگست کو اپنی سالگرہ مناتی ہوں اور راولپنڈی میں پیدا ہوئی۔“

4۔ ”ستارہ؟ قد؟“

”ستارہ اسد اور قد ناپا نہیں۔“

5۔ ”سالگرہ دھوم دھام سے مناتی ہیں؟“

”مجھے تو یاد بھی نہیں رہتی۔ البتہ میرے دوست احباب میری سالگرہ شوق اور اہتمام سے مناتے ہیں۔“

6۔ ”تعلیمی قابلیت؟“

”گریجویٹ“

7۔ ”بہن بھائی؟ آپ کا نمبر؟“

”ہم دو ہی بہن بھائی ہیں میں گھر میں بڑی ہوں۔“

8۔ ”شادی؟ بچے؟“

”میری شادی ستمبر 2011 میں ہوئی اور ماشاءاللہ دو بچے ہیں۔ بڑا بیٹا چھ سال کا ہے جبکہ بیٹی پانچ سال کی ہے۔ بیٹے کا نام اذان اور بیٹی کا نام پریزے ہے۔“

9۔ ”شرارتی بچی تھیں؟“

”جی بہت زیادہ ..... سارا بچپن شرارتیں کرتے گزرا۔“

10۔ ”آج اور گزرے کل کے ماحول میں کیا فرق ہے؟“

”گزرا وقت بہت پرسکون تھا۔ گلی محلے میں ہی کھیل کے بڑے ہوئے اور اب گیٹ پر کھڑے ہونے سے بھی ڈر لگتا ہے۔“

11۔ ”پڑھاکو تھیں؟“

”کافی اور ذہین بھی بہت تھی۔ ہر سرگرمی میں حصہ لیتی تھی۔“

12۔ ”شادی پسند سے ہوئی؟“

”جی بالکل..... میرے شوہر کا نام سہیل ہے اور ان سے میری ملاقات دبئی میں ہوئی تھی۔ اور دونوں فیملیز کی رضامندی سے شادی ہوئی۔“

13۔ ”سہیل صاحب کی فیلڈ؟“

pklibrary.com

"جی یہ بزنس مین ہیں اور یو کے سے ان کا تعلق ہے۔"

14۔ "فیلڈ میں آمد؟"

"میں نے اپنے فنی کیریئر کی ابتدا ایک چیریٹی شو میں ماڈلنگ کے ذریعے کی۔ اس کے بعد یاسر اختر نے اپنی ویڈیو (میوزک) میں کام کرنے کی آفر دی۔ ساتھ ہی ساتھ میں فیشن انڈسٹری سے بھی منسلک رہی۔ اور یہ بات ہے 2000 کی۔"

15۔ "بیس سالوں میں جدوجہد کا پیریڈ؟"

"اللہ کا شکر ہے کہ زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ سب کچھ آسانی سے ہوتا گیا۔"

16۔ "گھر والوں کا ردعمل؟"

"آج اگر میں فیلڈ میں کامیاب ہوں تو صرف اور صرف اپنے گھر والوں کی سپورٹ کی وجہ سے۔"

17۔ "پسندیدہ کردار؟ اب تک کے ڈراموں کا؟"

"..... کافی کردار کیے ہیں مگر ایسا کوئی کردار نہیں ہے جو پسندیدہ ہو۔"

18۔ "کردار جو کرنا چاہتی ہیں؟"

"بہت سے ہیں۔

19۔ "ڈرامے کم کرنے کی وجہ؟"

"اچھے کردار کے انتظار میں رہتی ہوں۔ پھر گھر کی اور بچوں کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔"

20۔ "پہلی ترجیح ڈرامہ یا ماڈلنگ؟"

"دونوں ہی پہلی ترجیح ہیں۔ بس معیار آڑے آجاتا ہے۔"

22۔ "پہلی کمائی کس کے ہاتھ میں رکھی تھی؟"

"امی کے ہاتھ میں۔ اپنے لیے صرف ایک ہزار روپے لیے تھے۔"

25۔ "فلم کی تعداد؟"

"دو ہی کی ہیں اور فی الحال کوئی فلم سائن نہیں کی، ڈراموں کی مصروفیات کی وجہ سے۔"

26۔ "گھریلو امور سے لگاؤ؟"

"بہت ہے۔ اور اچھی خاصی کوکنگ کرلیتی ہوں۔"

27۔ "میاں صاحب کو آپ کے ہاتھ کا پکا کیا پسند ہے؟"

"میرے میاں صاحب خود اتنا اچھا پکا لیتے ہیں۔ وہ نہ صرف پاکستانی بلکہ کانٹی نینٹل کھانے پکانے میں بھی ماہر ہیں۔ انہیں میرے ہاتھ کا پکا ہر کھانا پسند آتا ہے۔"

28۔ "آپ سب سے اچھا کیا بناتی ہیں؟"

"بریانی اور پلاؤ..... بہترین پکاتی ہوں۔"

29۔ "زندگی سے کیا سیکھا؟"

"زندگی تو انسان کو مرتے دم تک کچھ نہ کچھ سکھاتی رہتی ہے۔ تو میں بھی سیکھ رہی ہوں۔"

30۔ "شوبز کے علاوہ آپ کی پسندیدہ فیلڈ؟"

"ٹیچنگ۔"

31۔ "دل کے سکون کے لیے کیا کرتی ہیں؟"

"نماز پڑھتی ہوں۔"

32۔ "پرسکون زندگی کا راز؟"

ذکر اللہ، میرا گھر میرے بچے میرا شوہر۔"

33۔ "فخر کا کوئی لمحہ؟"

"جب بیٹا اس دنیا میں آیا اور میں نے اسے گود میں لیا تھا۔"

34۔ "مارننگ شو کی آفر آئے تو؟"

"تو نہیں کروں گی۔ ایک تو یہ میری فیلڈ نہیں ہے۔ پھر مجھ سے بہتر اور بہت اچھے لوگ بڑے اچھے طریقے سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

35۔ "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر بہت سکون ملتا ہے۔"

36۔ "زندگی مکمل ہوئی؟"

"جب ماں بنی۔ ہر عورت کی زندگی اسی وقت مکمل ہوتی ہے۔ جب وہ ماں بنتی ہے۔"

بقیہ صفحہ نمبر 246

pklibrary.com

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ بہت سے علاقے لاک ڈاؤن کی زد میں ہیں جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔ ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/80 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 0317-2266944 میں رقم بھیج کر سکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/960 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 00100000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030" کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/18,000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/20,500 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 0317-2266944 پر رابطہ کریں

pklibrary.com

زمین اسکول میں پڑھنے والی ایک غریب لڑکی ہے۔ اس کا باپ شکر قندی اور مونگ پھلی کی ریڑھی لگاتا ہے۔ بیوی کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی دکان منشی اکرم کے پاس گروی رکھتا ہے اور سود بھرتا ہے۔

زمین اور افشاں اسکول سے واپسی پر باتیں کرتی آتی ہیں، راستے میں مراد کا رکشہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس میں بیٹھ کہتی ہے، میں تو رکشہ چلاؤں گی۔ اسی وقت سامنے والے گھر کا دروازہ کھلتا ہے، مراد کے باہر نکلنے پر دونوں بھاگ جاتی ہیں۔ زمین اپنا بیگ بھول جاتی ہے۔

گھر پہنچ کر بیگ کا خیال آتا ہے۔ وہ ماں سے کہتی ہے کہ کتا پیچھے لگ گیا تھا، بیگ گر گیا راستے میں۔ فرخ کے ہمراہ ثمینہ اسے بیگ لینے بھیجتی ہے لیکن وہاں رکشہ نہیں ہوتا۔ فرخ کہتا ہے کہ وہ لادے گا، رکشہ والا اس کا استاد ہے۔

مراد اس کا بیگ گھر دے جاتا ہے لیکن بیگ کھولنے پر اسے زمین کا نام پتا چل جاتا ہے۔ وہ زمین کے بہن بھائی کو پیسے دیتا ہے مونگ پھلی کھانے کے لیے۔

وہ فرخ کے گھر جاتی ہے۔ فرخ کے کمرے کے دروازے میں آٹومیٹک لاک لگا ہوا ہے، وہ بند ہو جاتا ہے۔ زمین ایک دم چیختی ہے۔ ثمرین جو بہن کو بلانے آتی ہے اس کی چیخ سن کر گھر سے باہر نکلتی ہے، جہاں خالی آ رہی تھیں، وہ ان کو بتاتی ہے۔

راحت جبیں

زندگی ہم تجھے گزاریں گے

pklibrary.com

منشی اکرم، انور حسین کے گھر آتا ہے جہاں نرمین کو دیکھ کر اس کی نیت پھسل جاتی ہے۔ وہ اس کو پانچ سو روپے دے کر جاتا ہے اور انور حسین سے اس کا رشتہ مانگتا ہے۔ انور حسین انکار کر دیتا ہے۔
ہوٹل میں مراد کو انور حسین ملتا ہے، وہ اسے اپنے رکشہ پر گھر چھوڑ دیتا ہے۔

pklibrary.com

نرمین افشاں اور ان کی امی کے ساتھ بازار جاتی ہے جو تا خریدنے، وہاں مراد اسے دیکھتا ہے وہ جس چیز کو دیکھتی ہے، ہاتھ میں لے کر وہ سب خرید کر اس کے گھر دے جاتا ہے۔

افشاں رکھ لیتی ہے لیکن نرمین ڈر کے مارے ثمینہ کو سب بتا دیتی ہے۔

مراد کاکے سے کہتا ہے کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ کاکا کہتا ہے کہ وہ اور منشی رشتہ لے جائیں گے۔

ملک صاحب کے بیٹی کی شادی میں پھاتا اور رشیداں کام کر رہی ہیں۔

ثریا کو تھرکتا دیکھ کر رشیداں کو غصہ آتا ہے۔

نرمین پانچ سو کی ٹیوشن پڑھانے لگتی ہے۔ انور حسین ثمینہ کے منع کرنے کے باوجود اجازت دے دیتا ہے۔ وہ نمبردار کے گھر بھی ہو آتا ہے۔

ثریا ملک صاحب کے گھر سے کھانا چوری کر کے لے کر آتی ہے۔ وہاں اس کی ملاقات بشیر سے ہوتی ہے۔

رشیداں کو ملک صاحب کے گھر سے چاول ملتے ہیں۔ رفیق اسے گالیاں بکتا ہے۔

مراد کو بخار ہو جاتا ہے۔ کاکا اسے دیکھنے آتا ہے اور مشورہ دیتا ہے کہ اسے اب شادی کر لینی چاہیے۔ وہ انور حسین کی بیٹی نرمین کا کہتا ہے۔ کاکا رشتے کے لیے منشی کو لے جانے کا بھی کہتا ہے۔ منشی ہامی بھر لیتا ہے۔

مراد اور کاکا، انور حسین کے گھر منشی کا انتظار کر کے چلے جاتے ہیں۔ منشی بھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسے پتا چلتا ہے کہ مراد کو بھی یہیں آنا تھا تو وہ انور حسین سے کہتا کہ تو نے یا تیری بیٹی نے مراد کو پھنسایا ہے۔

مراد منشی کو گھونسا مارتا ہے۔ اس کی ناک سے خون نکلتا ہے۔ کاکا زبردستی مراد کو لے جاتا ہے منشی بھی دھمکیاں دیتا چلا جاتا ہے۔

مراد فرخ کو بتاتا ہے کہ وہ نرمین کے لیے رشتہ لے گیا تھا۔ اور منشی کا بھی بتایا ہے۔ فرخ صدمے سے وہاں سے آجاتا ہے۔

ثریا بشیر سے ملنے باغ میں جاتی ہے وہ دوبارہ رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔

رشیداں ثریا کے لیے رشتہ دیکھتی ہے وہ لوگ آئے بیٹھے تھے کہ ثریا بشیر سے مل کر آتی ہے وہ انکار کر کے چلے جاتے ہیں۔ افشاں نرمین کو زبردستی مراد کی گلی سے لے کر آتی ہے مراد کے ملنے پر اسے خوش خبری سناتی ہے کہ نرمین کے ابا مراد کو ہاں کہنے والے ہیں۔

فرخ اپنی ماں سے نرمین کی بات کرتا ہے وہ اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیتی ہیں۔ وہ غصے میں نرمین کے گھر جاتا ہے جہاں افشاں اسے نرمین کی شادی کی خبر سناتی ہے۔

منشی انور حسین سے پورے پیسے دینے کا کہتا ہے۔ وہ پریشان گھر آتا ہے ثمینہ اسے کہتی ہے کہ فوراً مراد سے نرمین کا نکاح کر دو، انور حسین منشی سے کچھ وقت مانگ لیتا ہے۔

رفیق رشیداں سے کہتا ہے کہ اسے اسپتال لے جائے۔ کیوں کہ اس کے زخم پک رہے تھے۔ نرمین ٹیوشن پڑھانا چھوڑ دیتی ہے۔ مراد گھر پہنچتا ہے تو اس کا سامان باہر پڑا ہوتا ہے۔

کاکا اس کے گھر میں رنگ و روغن کروا دیتا ہے۔ فرخ نرمین کو مراد سے شادی نہ کرنے کا کہتا ہے۔ نرمین اسے گھر سے بھگا دیتی ہے۔ دروازے پر مراد آتا ہے۔ اس وقت ثمینہ اور افشاں کی امی بھی آجاتی ہیں۔ مراد بچوں کے لیے پزا لے کر آتا ہے۔ ثمینہ کہتی ہے کہ نرمین وہ تیرا بہت خیال رکھے گا، بڑے دل والا ہے۔ وہ ثمینہ سے نرمین کو بازار لے جانے کا کہتا ہے۔ افشاں اور اس کی امی کے ساتھ ثمینہ، نرمین کو بھیج دیتی ہے۔ اسی دوران منشی آجاتا ہے، ثمینہ اسے دروازے سے ہی ٹرخا دیتی ہے۔ منشی کو گلی سے نکلتے ہوئے مراد کا رکشہ نظر آتا ہی، وہ انتقامی کارروائی کا سوچتا ہے۔

رشیداں کے ٹوکنے پر ثریا اس پر گرم چائے پھینک دیتی ہے۔ رفیق کے زخم سڑ جاتے ہیں۔ رشیداں اس کے بھائی کو

بلاتی ہے، وہ اسے لاہور لے جاتا ہے لیکن رفیق مر جاتا ہے۔

نرمین کے گھر میں بارات کے استقبال کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ نرمین دلہن بن چکی تھی۔ انور حسین بارات کا انتظار کر رہا تھا کہ کاکا آ کے بتاتا ہے کہ مراد کو پولیس پکڑ لے گئی۔

شادی کے گھر میں یہ خبر بجلی بن کر گرتی ہے کہ مراد کو پولس پکڑ کر لے گئی ہے۔

رفیق کے مرنے کے بعد اس کا بھائی شفیق اپنے بیٹے سے ثریا کا نکاح کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ثریا کو عین وقت پر پتا چلتا ہے کہ اس کی شادی بشیر سے نہیں کسی اور سے ہو رہی ہے تو وہ غصہ کرتی ہے۔ رشیداں کے دیے سوٹ کو آگ میں جھونک دیتی ہے اور بشیر سے رابطہ کر کے عین شادی کے وقت گھر سے بھاگ جاتی ہے، انسی کو دھمکا کر جاتی ہے۔ نکاح کے لیے آنے والوں کو پتا لگتا ہے تو سب باتیں بناتے ہیں۔

منشی، انور حسین کو دھمکیاں دیتا ہے کہ وہ اس کے سارے بچوں کو اور اسے جیل بھیج دے گا، وغیرہ وغیرہ۔ انور حسین مان جاتا ہے۔ ثمینہ اور خدیجہ نرمین سے کہتی ہیں کہ وہ بھاگ جائے لیکن نرمین باپ کی حالت دیکھ کر منشی سے شادی پر رضا مند ہو جاتی ہے۔

ثریا کے بشیر کے ساتھ بھاگ جانے پر بارات واپس چلی جاتی ہے۔ کاکے کو یہ سن کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ انور حسین، نرمین کا نکاح منشی سے کرنے پر راضی ہے۔ خدیجہ گھر آتی ہیں تو فرخ بہن کے گھر سے واپس آ چکا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ منشی کو مراد کے نکاح کی خبر اسی نے دی تھی۔ خدیجہ اسے مارتی ہیں۔

کاکا مراد کو جا کر بتاتا ہے کہ منشی کے دھمکانے پر انور حسین، نرمین کا نکاح منشی سے کرنے پر راضی ہے۔ مراد کو غصہ آتا ہے۔

صبح ہو جاتی ہے منشی نہیں آتا۔ خبر آتی ہے کہ منشی کو کسی نے قتل کر دیا۔ منشی کی بیوی اسپتال میں بیان دیتی ہے کہ وہ نہیں جانتی کہ حملہ آور کون تھے۔ منشی بچ جاتا ہے۔ نسیمہ کے بھائی اس کا علاج کرواتے ہیں۔ بشیر نسیمہ کو بچانے کے لیے منشی کو مارتا ہے۔ بشیر کے گھر پہنچ کر پتا چلتا ہے کہ بشیر پہلے سے شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی ثریا کو مارتی ہے۔

آٹھویں قسط

''امی! اب شادی نہیں کرنی۔'' نرمین نے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

''کیوں؟''

''ابو کا بیٹا بننا ہے۔ کچھ کرنا ہے گھر کے لیے، اپنے بہن بھائیوں کے لیے۔ پڑھنا ہے ابھی۔''

''اس منشی نے.....'' ثمینہ نے نرمین کی طرف رخ موڑا۔ ثمینہ کی آنکھیں سوجی اور گلا بیٹھا تھا۔ ''ایک پل میں بتا دیا کہ تو بیٹا نہیں، بیٹی ہے۔ کمزور ہے۔'' نرمین چپ کی چپ رہ گئی۔

''بات کرتی ہے۔'' ثمینہ نے طنزیہ انداز میں سر جھٹکا اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ نرمین بجھ کر رہ گئی۔ وہ لڑکی تھی، کمزور تھی، اس کا باپ مرد تھا۔ اس کا ہونے والا شوہر بھی مرد تھا۔

وہ دونوں کیا کر سکتے تھے؟ بڑا سا سوالیہ نشان اس کے ذہن کی اسکرین پر روشن تھا۔ جواب ندارد۔

☆☆☆

انور حسین جب گھر سے نکلا تھا تو اپنے مرنے کی خبر اخبار میں پڑھ کر نکلا تھا۔

''چار بچوں کے باپ نے بھوک سے تنگ آ کر نہر میں کود کر خودکشی کر لی۔''

مگر کئی گھنٹے نہر کے کنارے بیٹھنے اور کھڑے رہنے کے باوجود وہ اس میں کودنے کی ہمت نہیں پاتا ہے۔

کبھی نرمین ہاتھ جوڑ دیتی کبھی ثمینہ، تو کبھی چھوٹے بچے پیروں سے لپٹ جاتے۔

''جب اتنی جانوں کا کفیل بنایا ہے تو وسیلہ بھی تو بنا......'' بہت دیر تک نہر کے پانیوں پر اپنی پھولی ہوئی لاش دیکھنے کے بعد اسے رب یاد آیا تھا۔

''بھائی مزدوری کرے گا۔'' کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو انور حسین کی گردن خود بخود اثبات میں ہل گئی۔

''سامنے میرا ہوٹل ہے۔ آج لڑکا نہیں آیا۔ صفائی کرنی ہے، برتن دھونے ہیں اور......'' اسے تفصیل بتاتا بتاتا ساتھ لے گیا۔

pklibrary.com

اشتہا انگیز خوشبوؤں کے درمیان بھوکے پیٹ کو سنبھالے وہ صفائی کرتا رہا۔ گاہک کھانا کھا کر گئے تو انور حسین نے پلیٹ میں بچی روٹی کے ٹکڑے کو اٹھا کر سونگھا۔ پیٹ میں بل پڑ گئے۔

مالک نے دیکھ لیا۔

''انور! بھوک لگی ہے تو پہلے روٹی کھا لے۔''

''نہیں......'' اس نے ٹکڑا پلیٹ میں رکھ دیا۔ ''میرے بچے گھر میں بھوکے ہیں۔''

مالک کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے سالن روٹی پیک کی۔

''جا انور! پہلے اپنے بچوں کو کھلا، پھر واپس آ۔''

انور نے بے یقینی سے اس شاپر کو دیکھا۔ پھر اس کے پیروں میں پہیے لگ گئے۔

''اب نہیں آئے گا۔'' تندور پر روٹی لگاتے لڑکے نے کہا تو مالک ہنس دیا۔

''بھوک ایک دن کا قصہ نہیں ہوتی۔ آ گیا تو ٹھیک ہے، نہ آیا تو سمجھنا میرے رزق میں سے اپنا حصہ لینے آیا تھا۔''

لڑکے کو مالک کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اس لیے سر جھٹک کر روٹی پکانے لگا۔

☆☆☆

صبح سے گڑ کی ڈلی چوس کر خود کو بہلانے والے بچے روٹی پر ٹوٹ پڑے۔ گرم گرم ماش کی دال، تندور کی روٹیاں، کٹی ہوئی پیاز اور نمبو۔ انور حسین جب بھی نوالہ منہ میں رکھتا آنکھوں سے سیل رواں بہ نکلتا۔

ابھی کچھ لمحے پہلے وہ مرنے کا سوچ رہا تھا

سچ میں انسان خسارے میں ہے ناشکرا

''مجھے چلنا ہے، میرا کام ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔'' اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''مجھے معاف کر دیں۔ صبح میں نجانے کیا کیا بول گئی۔'' ثمینہ شوہر کو دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔

''پتا نہیں میں بھی رب سے کیا گیا بول گیا تھا۔''

بھیگی آنکھیں صاف کرتا دروازہ پار کر گیا۔

واپسی پر وہ اس سڑک سے گزرا جہاں اس کی دکان تھی۔

وہ اکثر اس دکان کے سامنے لمحہ دو لمحہ رک کر گزرتا تھا۔

مگر آج قدم جکڑے گئے۔

کچھ لوگ دکان پر ایک بورڈ لگا رہے تھے۔

''دکان برائے نیلام۔''

بورڈ سیدھا ہوا تو انور کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کی دکان نیلام ہونے والی تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ میری دکان ہے۔ ایسے کیسے نیلام ہو سکتی ہے۔''

وہ بورڈ لگاتے لوگوں کے ساتھ بھڑ گیا۔

''چل ہٹ، تو کون ہوتا ہے۔'' انہوں نے انور کو دھکا دیا تو وہ بپھر کر بورڈ کی طرف لپکا۔ بورڈ ابھی فٹ نہیں ہوا تھا۔ اس کے ایک ہی جھٹکے سے زمین بوس ہو گیا۔

''تیری تو.....'' انہوں نے انور کو پکڑ لیا۔ وہ بورڈ لگاتے تھے۔ انور اکھاڑتا تھا۔

وہ انور کو پیٹتے تھے، وہ دکان کے سامنے لیٹ جاتا تھا۔

پھر پولیس آئی اور انور کو پکڑ کر لے گئی۔

وہ خوف جو اسے نرمین کا رشتہ دینے پر مجبور کر گیا تھا۔ حقیقت کا روپ دھار گیا تھا۔

اور خوف تب تک ہی خوف ہوتا ہے جب تک اس کا سامنا نہ ہو جائے۔

فون پر منشی کی مکروہ ہنسی گونجی۔

''لے فیر، تیرا ہونے والا سسر بھی تھانے گیا۔''

مراد نے موبائل کو جھٹکے سے کان سے الگ کیا۔ اور متوحش نگاہوں سے اس سپاہی کو دیکھا جس نے کہا تھا۔

''لے بھئی تیرے کسی چاہنے والے کی کال ہے۔''

''اور کتنا گرو گے منشی؟'' یہ صدمہ تھا یا بے بسی کا احساس..... یا وہ غصہ کر کر کے تھک گیا تھا..... کہ منہ سے گالیاں تک نہ نکلیں۔ مگر نفرت کا خنجر اس کے دل میں یوں گڑا کہ مراد کو لگا۔ اس لمحے وہ یہاں سے باہر نکلا تو واپسی منشی کے قتل کے الزام میں ہی ہو گی۔

''جب گرنا ہی ہے تو بندہ پورا گرے۔''

''نرمین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟'' منشی نے چسکا لیا۔ اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ بس دکان کی نیلامی رکھی تھی۔ انور حسین نجانے کہاں سے درمیان میں آ گیا۔ لڑائی ہوئی، لوگوں نے پولیس بلالی۔ منشی نے تو بس اتنا کیا کہ تھانے والوں کی جیب گرم کر دی۔ اب انور حسین کو کچھ دن تھانے والوں کا مہمان بننا ہی تھا۔ تب تک دکان کی نیلامی بھی ہو جاتی۔

''اور فکر نہ کر میں نے اب کسی کی طرف نہیں دیکھنا۔ وہ خود سارے کے سارے آئیں گے ناک رگڑتے۔ جب بھوک گھر میں ڈیرے ڈالے گی۔ بچوں کے اسکول چھوٹیں گے۔ بیماری میں دوا لانے والا کوئی نہ ہو گا تو سارا کا سارا گھر منتیں کرنے میرے پاس آئے گا۔ پھر سوچوں گا ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔''

منشی کے مکروہ قہقہے سے مراد کے کان بہت دیر تک جھنجھناتے رہے۔

کال کٹ گئی تھی اور مراد پر کٹے پرندے کی طرح پنجرے سے سر ٹکراتا رہا۔

☆☆☆

پیٹ بھر روٹی کھاتے ہی گویا سب کے حواس بحال ہو گئے۔ بچے باہر کھیلنے کو نکل گئے۔ ثمینہ نے گھر کی صفائی ستھرائی شروع کر دی۔ تو نرمین نے مطمئن ہو کر کتابوں سے گرد جھاڑی۔

''ان کا کیا کرنے لگی ہو؟'' ثمینہ نے چونک کر پوچھا۔

''فکر نہ کریں۔ ردی میں نہیں دے رہی۔ پرچوں کی تیاری شروع کروں گی۔''

''تم پرچے دو گی؟'' جھاڑو پھیرتی ثمینہ نے ہاتھ روکا۔

''جی..... کاش میرے دو سال ضائع نہ ہوتے تو میں ایف اے کے پیپر دے رہی ہوتی۔ امی! میں افشاں کی طرف جا رہی ہوں۔ نجانے کتنا کام جمع ہو گیا ہو گا۔''

اس نے بیگ جھاڑ کر کتابیں ڈالیں۔ دل مطمئن تھا، ابو جی نے پھر سے کام شروع کر دیا تھا تو گھر کی دال روٹی کا انتظام تو ہو ہی جانا تھا۔ ثمینہ بھی خاموش ہو گئی۔ نرمین کو روکتی بھی تو کس لیے۔

افشاں آرام سے لیٹی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''شکر ہے، تمہاری شکل تو نظر آئی۔''
''ہاں، تم نے تو آکر میرا دروازہ توڑ دیا تھا۔ غائب کہاں تھی۔ کبھی چھت پر بھی نظر نہ آئیں۔'' زمین نے کندھے سے بیگ اتارا اور خود بھی بیٹھ گئی۔
''بس تمہیں پتا تو ہے امتحان سر پر ہیں۔'' افشاں نے نظریں چرائیں۔

pklibrary.com

''ہاں اور یہ تیاری ہی تو ہو رہی ہے۔'' زمین نے اسکرین پر نظر دوڑائی۔
''یہ تو بس......'' افشاں کھسیانی ہو گئی۔
''ایک بات تو بتاؤ، تم گھر کیوں نہیں آتی ہو؟'' جو چیز زمین کو اتنے دنوں سے کھٹک رہی تھی زبان پر آ گئی۔ بات ہی عجیب تھی۔ ہر وقت دیوار سے لٹکنے والی افشاں اب دکھائی نہ دیتی تھی۔
''عید کا چاند ہی ہو گئی ہو۔''
ایک لمحے کو افشاں کی رنگت اڑ گئی۔
''اتنی گرمی ہے۔ گھر سے نکلنے کو دل ہی نہیں کرتا۔'' افشاں نے نظریں چرائیں۔
''لگتا ہے گرمی بھی اسی سال پڑی ہے۔'' زمین کے چہرے پر اداسی اور لہجے میں طنز تھا۔ ''سچ سچ کہو، خالہ نے منع کیا ہے؟''
''بھائی نے۔'' افشاں سے چھپایا نہ گیا۔
''کیوں؟ کون سا قصور سرزد ہو گیا ہم سے۔''
''زمین! تم برا مت ماننا۔ پتا نہیں کسی نے بھائی کے کان بھر دیے ہیں کہ......'' افشاں کو جملہ مکمل کرنے کے لیے مناسب لفظ نہ ملے۔
''کہ......؟'' زمین کی سوالیہ نظریں افشاں کے چہرے پر جم گئیں۔
''پہلے مراد پیچھے پڑ گیا۔ پھر وہ منشی، وہ کہتا ہے تم دور ہی رہو۔ پتا نہیں کیا سلسلے چل رہے ہیں۔''
''افشاں! تمہیں تو ہر بات کا پتا ہے۔'' زمین کا دل لیرولیر ہو گیا۔
''بھائی کو تو نہیں پتا۔ اس کو کیسے سمجھاؤں، وہ کہتا ہے دوبارہ زمین کے ساتھ نظر آئی تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' افشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بچپن کی سہیلی تھی۔ یہ سب بتاتے ہوئے خود اسے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ زمین کے نین کٹورے لبالب بھر آئے۔
''میرا کیا قصور ہے افشاں؟'' زمین کے کہنے کی دیر تھی۔ افشاں اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ پھر زمین نے ایک دم اسے پیچھے دھکیل دیا۔
''تمہارے بھائی کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔ ورنہ...... مجھے لنگڑی افشاں اچھی نہیں لگے گی۔ چلتی ہوں۔'' زمین بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔
''ایک منٹ رک۔'' افشاں نے جلدی سے دوپٹہ چہرے پر پھیر کر آنسو خشک کیے۔ الماری کھول کر اندر سے کاپیاں نکالیں۔
''جب سارا کام اتار لو تو دیوار پر رکھ دینا، میں اٹھا لوں گی۔''
زمین نے کاپیاں لیں۔ آئی تو اسی لیے تھی کہ افشاں کے ساتھ مل کر پیچھے رہ جانے والا کام اتار لے گی۔
''زمین! تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟'' زمین کی خاموشی نے افشاں کو بے چین کر دیا۔
''نہیں۔'' وہ بہ دقت کہہ کر تیزی سے واپس پلٹ گئی۔ ثمینہ دروازے کے پاس کوڑا جمع کر کے ایک شاپر میں ڈال رہی

تھی۔ بس دھول مٹی، سوکھے پتے..... نہ سبزیوں کے چھلکے، نہ کسی فروٹ کی گٹھلیاں۔ کوڑا بھی ان کی کسمپرسی کو ظاہر کر رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ اتنی جلدی آ گئیں۔'' ثمینہ نے حیرت سے پوچھا۔

''افشاں گھر پر نہیں تھی۔'' نرمین تیزی سے کمرے میں گھس گئی۔ بیگ، کاپیاں پلنگ پر پھینک کر وہ خود بھی بیٹھ گئی۔ منتشر خیالی اور بے چین سوچ نے اس کے ہاتھ پیر میں سنسناہٹ سی دوڑا دی۔

''وہ غریب تھے مگر عزت دار تھے۔ لوگ ان کی قدر کرتے تھے، تو کیا؟ تو کیا اب وہ لوگ عزت دار بھی نہ رہے تھے۔ مگر کیوں۔ آخر انہوں نے کیا کیا تھا۔'' اسے ڈھونڈے سے بھی اپنا قصور نظر نہ آتا۔

''تو کیا خدیجہ خالہ اور فرخ بھی اسی وجہ سے ان کے گھر نہیں آ رہے تھے۔''

''کس وجہ سے؟'' اندر آتی ثمینہ نے اس کا وہ سوال سن لیا جو اس نے کیا بھی نہ تھا۔ شاید بے خیالی میں سوچوں کو زبان مل گئی تھی۔

''امی! آپ کو پتا ہے، لوگ ہم سے ملنا پسند نہیں کرتے۔'' نرمین کے سیدھے سادے لفظوں نے ثمینہ کا کلیجہ چھلنی کر دیا۔ تو اس نے بے اختیار نرمین کو گلے سے لگا لیا۔

''لیکن امی! ہم نے کیا کیا ہے، ہمارا قصور کیا ہے؟''

''ایسا نہیں ہے کہ وہ ہم سے ملنا نہیں چاہتے۔'' ثمینہ نے اسے خود سے الگ کیا اور پیار سے نرمین کے بال سمیٹے۔ افشاں کے بھائی نے اسے ہمارے گھر آنے سے روکا ہے، اس نے بچوں کی طرح شکایت لگائی۔

''لوگ ڈرتے ہیں، ہر کسی کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ تم دل پر نہ لو۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

باہر سے بچے بھاگتے ہوئے آئے اور کھانے کا شور مچا دیا۔

''بس ابھی تمہارے ابو لے کر آتے ہوں گے۔'' ثمینہ نے مطمئن لہجے میں بچوں کو تسلی دی۔

''جاؤ، تم لوگ نہاؤ۔ کیسے مٹی مٹی ہو رہے ہو۔ امی! ان کو اب اسکول بھیجا کریں۔'' نرمین نے انہیں ڈانٹ کر بھگایا۔

''ہاں صبح سے شروع کرتی ہوں۔ اتنے دن تو ہوش ہی نہیں رہا۔''

''میں بھی پرچوں کی تیاری شروع کرتی ہوں۔'' نرمین نے افشاں کی دی کاپیاں اٹھائیں۔

ثمینہ نے کچھ کہنا چاہا پھر خاموش ہو گئی۔ نجانے مراد کب واپس آتا۔ چلو تب تک پیپر ہی دے دے۔ وہ خود کو تسلی دیتی باہر نکلی اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ بچوں کے یونیفارم دھو کے ڈالے۔ چھوٹے چھوٹے کام ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیے۔ یہاں تک کہ پرندوں کی واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ شام اپنا رنگ بدلنے لگی۔ گلابی سے سرمئی..... سرمئی سے گہری ہونے لگی۔ گلی کی چہل پہل میں اضافہ ہوا۔ لوگوں کے بے تاب تھکے ہوئے قدم اپنے گھروں کی دہلیز پر رکنے لگے۔ گھر جو مہربان ماں کی طرح انہیں اپنی آغوش میں لینے کو تیار تھے، ساتھ والے گھر سے افشاں کے بھائی اور باپ کی آوازیں آنے لگیں۔

انہیں عادت تھی، گھر آتے ہی سارا گھر سر پر اٹھا لیتے۔

''امی! ابو اب تک نہیں آئے۔'' مغرب کی نماز پڑھ کر نرمین صحن میں آئی تو ثمینہ جائے نماز اٹھا رہی تھی۔

''اللہ خیر کرے، دیر ہی لگا دی۔''

''کیا پتا مزدوری نہ ملی ہو۔'' نرمین نے بچوں کو دیکھا، جو آس کے ساتھ بے تکے کھیلوں میں مصروف تھے کہ ابو کھانا لے کر آتے ہوں گے۔

''جاؤ، ثمرین اور فضہ کو آواز دو۔ صفورا کے گھر کھیل رہی تھیں۔ گھر سے جاتی ہیں تو واپس آنا ہی بھول جاتی ہیں۔'' ثمینہ کے پاس نرمین کے سوال کا جواب نہ تھا۔ اس لیے بات ہی بدل دی۔ تب ہی دونوں چاولوں کی بڑی سی پلیٹ اٹھائے خوشی خوشی بھاگتی ہوئی آئیں۔

pklibrary.com

"خالہ نے دی ہے۔"

"مغرب کے بعد کا وقت ہے۔ دروازے کو کنڈی لگالو۔" اللہ کا شکر ادا کر کے پلیٹ پکڑتے ثمینہ دل ہی دل میں شوہر سے ناراض ہوئی۔

رزق دینے والے نے ان کی بھوک کا بندوبست کر دیا تھا۔ مزدوری نہیں بھی ملی تھی، تب بھی انور حسین کو گھر تو آنا ہی چاہیے تھا۔ وہ پلیٹ لے کر بیٹھ گئی۔ بچے اس کے گرد جمع تھے، چڑی کے بوٹوں کے طرح چونچیں کھولے...... وہ بوڑھی چڑیا بن گئی۔

"تم لوگوں کے کپڑے کیوں گیلے ہیں، پانی میں کھیل کے آئی ہو۔" زرمین نے دھیان دیا۔

"ہم نے برتن دھوئے تھے۔" فضہ نے فخر سے بتایا۔

"کیوں؟" زرمین نے ثمینہ کو دیکھا وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ چاولوں میں موجود آلو کے ٹکڑے کرتی رہی۔

"خالہ نے کہا تھا، چاول لے کر جانا۔ تب تک برتن دھودو، ہم دونوں نے مل کر دھودیے۔" ثمرین نے بتایا۔

"شرم نہیں آئی، اتنی چھوٹی بچیوں سے کام کرواتے ہوئے۔" زرمین کو غصہ آ گیا۔

"کوئی بات نہیں......" ثمینہ کی آواز مدھم تھی۔

"اس لیے ان کو صفورا خالہ کے گھر بھیجتی ہیں۔" زرمین کے لہجے میں طنز در آیا۔

"پیٹ تو بھر کے آتی ہیں۔" اس نے پلیٹ میں بچے چاول جمع کرتے رسانیت سے کہا اور زرمین کو چپ لگ گئی۔

بچوں کو آسرا ہو گیا تھا، اس لیے شرارتیں سوجھنے لگیں۔ زرمین نے بجھے دل کے ساتھ صحن میں چارپائیاں بچھائیں۔ ثمینہ کی تمام حسیات دروازے پر لگی تھیں۔

زرد بلب کی ملگجی سی روشنی کے گرد چھپکلیوں اور پتنگوں کا کھیل شروع ہو گیا۔ ثمینہ کو تشویش ہونے لگی، اب وہ کس کو بھیج کر انور حسین کا پتا کرواتی۔ یہ بھی تو نہیں پتا تھا کہ انہیں کام کہاں ملا تھا۔ بچوں نے چھپکلیوں کا نشانہ اپنی چپلوں کے ساتھ لینا شروع کر دیا۔ زرمین انہیں ڈانتی ہوئیں لینے کمرے کی طرف بڑھی۔

"تنگ کر نہ لیٹے، تو یہ چھپکلیاں تمہیں کھا جائیں گی۔"

"اس سے پہلے ہم ان کا کچومر بنادیں گے۔ بدقسمتی سے چپل کا نشانہ عین نشانے پر اس وقت لگا جب زرمین وہاں سے گزر رہی تھی، چپل چھپکلی کو لگی۔ چھپکلی پٹاخ سے زرمین کے پیروں...... دم کا ڈانس الگ تھا اور چھپکلی کا الگ...... اور درمیان میں زرمین نے بریک ڈانس کے سارے اسٹیپ کر ڈالے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، دائیں جائے یا بائیں...... بچے پیٹ پکڑ کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ زرمین نے عقب میں چارپائی پر چھلانگ لگا کر مری ہوئی چھپکلی جیسی ہولناک بلا سے خود کو بچایا۔

اس چیخ و پکار سے بوکھلائی ثمینہ نے ایک ایک دھمو کا حذیفہ اور طلحہ کو...... اور پھر زرمین کی کمر پر رسید کیا۔ فضہ اور ثمرین نے ویسے ہی ڈر کے مارے چیخیں ڈال کر ایک دوسرے میں منہ چھپا لیا تھا۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"شکر ہے، آ گئے تمہارے ابو۔ اب آوازیں بند کرو۔" ثمینہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھیں اور دروازہ کھول دیا۔ فرخ جلدی سے اندر آیا۔

"چاچی!"

"کیا ہوا؟ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

زرمین نے کودتے پھاندتے دل کو سنبھالتے، چھپکلی کی دم سے نظریں چراتے فرخ کو دیکھا۔

"چاچا کہاں ہیں؟"

''وہ تو ابھی تک گھر نہیں آئے۔''

''میں ٹیوشن سے واپس آرہا تھا تو آپ کی دکان پر نیلامی کا بورڈ دیکھا۔ لوگ بتا رہے تھے وہاں جھگڑا بھی ہوا ہے۔'' اس نے نظریں چرا کر نرمین کو دیکھا جو تیزی سے اٹھ کر قریب آئی تھی۔

''کس کا جھگڑا ہوا ہے فرخ!'' نرمین نے تیزی سے پوچھا۔

''چاچا کا..... پھر پولیس بھی آئی تھی۔ میں نے سوچا، چاچا گھر آگئے ہوں گے۔''

ثمینہ نے لڑکھڑا کر دروازہ پکڑا۔ متوحش سی نرمین نے ماں کو دیکھا۔

''ابو تو گھر نہیں آئے۔ فرخ انہیں پولیس پکڑ کر تو نہیں لے گئی۔''

''پتا نہیں..... پتا نہیں.....''

''فرخ! پتا تو کرو۔ ابو کہاں ہیں؟ رات ہوگئی ہے، ہم کہاں جائیں گے؟''

نرمین نے جس انداز میں کہا تھا، فرخ کے پر ہوتے تو اڑ کر جاتا مگر تھانے..... اس نے تو زندگی میں کبھی تھانے کی شکل اندر سے نہیں دیکھی تھی۔

''میں..... میں ابو سے کہتا ہوں، یقیناً ان کا کوئی جاننے والا ہوگا۔ وہ پتا کر دیں گے۔''

''میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں، خود خدیجہ خالہ سے کہوں گی۔''

''امی تو ساہیوال گئی ہیں، آپا کے پاس۔ ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے۔''

اتنے دنوں تک خدیجہ خالہ کے نہ آنے کی یہ وجہ تھی۔ وہ خواہ مخواہ بدگمان ہوتی رہی مگر یہ وقت ان باتوں پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ اس وقت تو صرف باپ کی خیریت مطلوب تھی۔ جو نجانے کس مصیبت میں گرفتار تھا۔ اگر تھانے میں تھا تو تھانے والے کہیں ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی..... اس سے آگے نرمین سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''تم بالکل فکر نہ کرو، میں پتا کر کے بتاتا ہوں۔'' انہیں ڈھیروں تسلیاں دے کر وہ پلٹا مگر گلی کے موڑ پر بے بسی سے رک گیا۔ نرمین نے سہارا دے کر ماں کو چارپائی پر بٹھایا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''امی! حوصلہ کریں، کچھ نہیں ہوگا۔'' خود نرمین کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

''امی! ابو کو پولیس نے پکڑ لیا ہے؟'' فضہ کے سوال پر ثمینہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

''میرے ابو چور ہیں؟'' فضہ کے ننھے سے ذہن میں سوال اٹھا۔

ثمینہ اور نرمین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ثمرین نے گھبرا کر فضہ کو شش شش کہہ کر چپ کروانا چاہا۔

''ابو نے روٹی چوری کی تھی؟'' فضہ تو چپ کر گئی مگر طلحہ کا ذہن گزری دوپہر میں اٹک گیا۔ ''جب ابو بھاگے بھاگے آئے تھے۔ اتنی ساری روٹیاں اور سالن لے کر۔''

ثمینہ کی ہچکیاں رکیں۔ رنگ فق ہوا۔ دوسرے لمحے اس نے طلحہ کو دھنک کر رکھ دیا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔ نرمین کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ آوازیں دیوار پھلانگ کر دوسرے صحن میں گریں تو افشاں بے چین ہو کر دیوار پر چڑھ آئی۔

''نمو! کیا ہوا؟''

ثمینہ روتے روتے چارپائی پر گر گئی تھی۔ ثمرین بنا کہے بھاگ کر پانی لے آئی۔

''ابو کو پولیس لے گئی ہے۔'' پانی کے قطرے تھے یا نرمین کے آنسو..... جو ثمینہ کے چہرے پر گرے۔ اس نے مزید سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''ہائے اللہ، کیوں؟''

''پتا نہیں۔'' نرمین کے لہجے میں دل کو کاٹ دینے والی بے بسی تھی۔

pklibrary.com

''میں بھائی سے کہتی ہوں کہ.....'' افشاں نے بات کرتے کرتے پلٹ کر دیکھا تو ماں دونوں ہاتھ اور گردن نفی میں ہلا رہی تھی۔ افشاں پہلے جملہ بھولی، پھر جھنجلا کر مڑی۔ ہکلائی..... جلدی سے جملہ پورا کر کے اتر گئی۔

''وہ بھائی ابھی آیا نہیں..... جیسے ہی آیا..... میں کہتی ہوں۔''

''کاش، اللہ تعالیٰ تو نے مجھے بیٹا بنایا ہوتا..... تو آج میرا باپ..... اس طرح بے یار و مددگار تھانے میں نہ پڑا ہوتا۔''

وہ خاموشی سے پائنتی پر بیٹھ گئی۔

''ان کے اندر تو اتنی ہمت نہیں تھی۔ نمو! کس کے ساتھ جھگڑا کیا ہوگا؟ ہائے اللہ نیلامی کا سن کر ان سے سہا کہاں گیا ہوگا۔'' ثمینہ نے کلیجے پر ہاتھ مارا۔

''مراد بھائی! ابو کو سنبھال لیں گے۔'' ثمرین نے اپنی دانست میں سب کو تسلی دی تھی۔ نرمین نے چونک کر دیکھا۔

''وہ بھی وہیں ہیں نا۔'' ثمرین نے ڈرتے ڈرتے پوچھنا چاہا۔ اس کے لیے اتنی تسلی ہی بہت تھی کہ اس کے ابو تھانے میں اکیلے نہیں تھے۔ اس کے مراد بھائی جان ان کے ساتھ تھے۔

☆☆☆

گرمیوں کا عروج تھا۔ اس لیے کاکے کے ہوٹل پر بہت زیادہ رش نہیں تھا۔ اکا دکا لوگ چائے سڑکتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ہوٹل کے سامنے کچھ چارپائیاں، میز اور پانی کے کولر رکھے تھے۔ فرخ نے دور سے ہی دیکھ لیا، کاکا ایک چارپائی پر تکیہ بغل میں دبائے کسی اندرونی الجھن کا شکار سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا۔

''بھیا.....'' فرخ کی آواز پر کاکا چونکا۔

''آ، باؤ..... خیر ہے۔'' اس نے سگریٹ بجھائے بغیر دور پھینک دیا۔

''خیر نہیں ہے۔ اس منحوس منشی نے انور چاچا کو بھی اندر کر دیا۔''

وہ بہت آس کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ابو کا اچھی طرح پتا تھا، عشاء کے بعد انہوں نے گھر سے باہر قدم نہ رکھنا تھا اور وہ بھی تھانے؟ وہ گھر چلا جاتا تو انہوں نے فرخ کو بھی وہیں روک لینا تھا۔ شرمندگی اور ندامت کے احساس میں فرخ مزید جکڑ گیا کہ نرمین کی زندگی میں جو بھی طوفان آ رہے ہیں، اسی کی وجہ سے تو آ رہے ہیں۔ نرمین کو ان حالات میں اکیلے کیسے چھوڑ دیتا۔

''ہوں.....'' کاکے کا رویہ عجیب تھا۔

''آپ کو پتا ہے۔'' فرخ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہاں، آ گیا تھا پیغام۔'' کاکے نے سیدھے ہو کر تکیہ گود میں رکھتے فرخ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے بیٹھتے فرخ نے سوال داغ دیا۔

''کون سا پیغام؟''

''مراد کے پیچھے جانا بند نہ کیا تو میرے ہوٹل سے چرس برآمد ہو جائے گی۔'' کاکے نے جتنے آرام سے بتایا تھا، فرخ بھونچکا رہ گیا۔ مجال ہے جو کوشش کے باوجود ایک لفظ منہ سے نکلا ہو۔

''پھ..... پھر.....''

''گیدڑ کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے..... اور غرور سر میں سما جائے تو لوگوں سے پنگا لینا شروع کر دیتا ہے۔ منشی کی شامت آ گئی ہے۔''

''منشی اتنا بڑا غنڈہ ہے۔'' فرخ نے تھوک نگلا۔

''اوں ہونہہ..... اسے بندے ہولے ملے ہیں۔ چار پیسے پولیس والوں کی جیب میں ڈال کر سمجھتا ہے، اس نے سارا شہر خرید لیا ہے۔ کوئی ٹکر کا بندہ متھے لگ گیا تو اسی منشی کے تراہ نکل جانے ہیں۔''

"اب کیا کریں گے؟"
"فکر کا بندہ ڈھونڈیں گے۔"
"فکر کا بندہ....." فرخ کا دماغ گھوڑے دوڑانے لگا۔ ایسا کون سا نجات دہندہ ہو جو ان غریب پسے ہوئے لوگوں کی شنوائی کرے۔ وہ بے شک رب سب کا حاجت روا ہے مگر وسیلہ؟
اور پوری رات آنکھوں میں کاٹتے کروٹیں بدلتے نرمین نے وہ وسیلہ ڈھونڈ لیا تھا۔

☆☆☆

ثریا مار کھانے والوں میں سے نہیں تھی۔ مگر تھوڑی مار اس نے عالم حیرت اور صدمے میں کھائی۔ وہ جو سمجھتی رہی تھی کہ بشیر نے اس کی خاطر دنیا تیاگ دی ہے۔ ثریا کے بعد اس نے کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا وہ ثریا کی خاطر بھاگ بھاگ چک 59 میں آتا تھا۔ نہ صرف شادی کر چکا تھا بلکہ بچے کا باپ بھی تھا۔
"نکل ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل کم بخت! میری سوکن بننے آئی ہے، تجھے زہر پلا کر راوی میں نہ بہا دیں۔ مچھل پیری۔" وہ ثریا کو بالوں سے گھسیٹ کر ردی سامان کی طرح گھر سے باہر پھینک دینا چاہتی تھی۔
"نہ کرو سکینہ! اس بے چاری کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو اسے سہارا دیا ہے۔" بشیر نے آگے بڑھ کر ثریا کو سکینہ سے چھڑا کر پیچھے کیا۔ وہ ستون سے جا لگی۔
"اور بھی بے سہاروں کے پتے دوں۔ سب کو سہارا دے دو۔"
"اکیلی عورت ہے میں تو اس لیے لے آیا کہ تمہاری خدمت کرے گی۔ سارا دن گھر کے کاموں میں تھک جاتی ہوں۔"
"تو نوکرانی لے کر آتے، یہ نکاحی کیوں لے آئے ہو۔" سکینہ حلق کے بل چلائی۔
"میری بات تو سنو۔ میری رانی، میرے گھر کی، میرے دل کی مالکن ہو..... یہ تو بس....." بشیر اسے بہلاتا پھسلاتا کلائیاں پکڑ کر اندر کھینچ کر لے گیا۔ اس نے ایک بار بھی بکھرے بالوں، پھٹے کپڑوں والی ثریا کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر سکینہ کے ناخنوں نے کھروچیں ڈال دی تھیں۔ ثریا ستون کے ساتھ گھسٹتی نیچے بیٹھ گئی۔
اسے پتا ہی اب چلا کہ بشیر اسے اپنے گھر کی رانی نہیں نوکرانی بنا کر لایا تھا۔ محبت کی جس اوڑھنی کو وہ اوڑھ کر نکلی تھی۔ اسے لا کر اپنی پہلی بیوی کے قدموں میں بچھا دیا تھا۔ ثریا کو یاد آیا بشیر نے کیوں کہا تھا کہ یاد رکھنا تم اپنی ساری کشتیاں جلا کر آئی ہو۔
اسے بے یار و مددگار بیٹھے بیٹھے اپنے باپ کا گھر یاد آیا۔
رشیداں اور اقصیٰ..... وہ واپس چلی جائے تو کیا رشیداں اسے گلے لگا لے گی۔ اندر سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔
منتیں ترلے کرتا بشیر غصے میں آ گیا تھا۔
"اسے ابھی گھر سے نکالو۔" سکینہ کا مطالبہ تھا۔
"نہیں نکالوں گا یہیں رہے گی تمہارے ساتھ....." یہ گھر، اس گھر کی آسائشیں سب کی سب بشیر کی دی ہوئی تھیں۔ وہ محبت کرنے والے شوہر سے حاکم بن گیا۔
"تو ٹھیک ہے۔ میں دفع ہو جاتی ہوں۔"
"تمہاری مرضی، جب دماغ درست ہو جائے تو آ جانا۔"
"میں سچ میں چلی جاؤں گی بشیر۔" سکینہ نے دھمکی دی۔

بشیر نے الماری کے اوپر سے بیگ کھینچ کر سکینہ کے قدموں میں دے مارا۔
''ابھی جا.....'' بشیر کی محبت چڑھتے دریا جیسی تھی جتنی تیزی سے چڑھتا اس سے کہیں تیزی سے اترتا تھا۔
سکینہ نے بھی بغیر رکے، بغیر سوچے سامان بھرنا شروع کر دیا۔ کوئی پہلی بار تو ایسی لڑائی ہوئی نہیں تھی کہ اسے گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ بشیر غصے میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سکینہ ادھ موئی ثریا کے پاس رکی۔ نفرت سے دیکھا، تھوکا اور چلی گئی۔
ثریا ٹس سے مس نہ ہوئی، جیسے بیٹھی تھی بیٹھی رہی۔ تصور میں اس کی جلتی کشتیاں تھیں جن کے دھوئیں سے اس کا دم گھٹ رہا تھا پھر بشیر باہر آیا۔ سامنے دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور پلٹا..... چہرے پر ہلکی شرمندگی کے تاثرات ابھرے۔ کچھ وقت پہلے صوفے پر بیٹھی وہ خود کو مہارانی تصور کر رہی تھی، اب فقیروں سے برتر حال میں تھی۔
''چلو اٹھو۔'' بشیر نے ہاتھ پھیلایا۔ ثریا نے بے حد حیرت سے اس کی چوڑی ہتھیلی کو دیکھا۔ یہ اس مرد کا ہاتھ تھا جب چھوتا تو لگتا وہ دنیا کی خوش نصیب عورت ہے۔
''اندر چل کے بات کرتے ہیں۔'' یہ آواز وہ آواز تھی جس کے تعاقب میں وہ بادلوں کے سنگ اڑتی پھرتی۔ ثریا نے سر اٹھا کر دیکھا۔
یہ چہرہ اس کی محبت کا تھا جسے دیکھنے کے لیے وہ دیوانوں کی طرح باغوں میں کھیت کھلیانوں میں ہرنی کی طرح بھاگتی پھرتی تھی۔ اسی کی خاطر اس نے خوشی خوشی گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کا لیبل لگا کر بدنامی میں کوئی کسر تھی تو وہ بھی پوری کر لی تھی۔
''ثریا.....'' بشیر کی آواز پر اس نے اپنا ہاتھ بشیر کے ہاتھ میں دیا پھر پوری قوت سے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیے۔ بشیر نے بلبلا کر ہاتھ چھڑایا۔
''اس لیے لائے تھے۔ اپنی سوکن کی خدمت کروں، اس کی نوکرانی بنوں۔''
جتنی مار اس نے سکینہ سے کھائی تھی۔ سود سمیت بشیر کو لٹانا چاہتی تھی۔ وہ بھی بس اپنا دفاع کرتا، چہرہ اس کے تیز ناخنوں سے بچاتا قدم قدم پیچھے ہٹتا رہا۔ چیختی چلاتی ثریا۔
''بتا بشیر میں نے تیری خاطر ہر رشتہ ٹھکرایا، گھر چھوڑا۔ اس لیے کہ یہاں بیٹھ کر تیری بیوی کی جوتیاں سیدھی کروں۔'' ان کے جھگڑے کی آوازیں دیواریں ٹاپ کر لوگوں کے گھروں میں گھسی جا رہی تھیں۔ چھوٹا سا تو محلہ تھا۔ بشیر کسی نہ کسی طرح اسے کمرے تک لانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔
مرد کے پاس منانے کے سو بہانے ہوتے ہیں اور عورت کے پاس ہارنے کی ہزار تاویلیں۔ ثریا کو بھی ہارنا ہی تھا، وہ تو واپس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ وقت کے سمندر میں جلی ہوئی کشتیوں کے تختے بھی ڈوب چکے تھے۔
''اب کیا کرو گے؟'' بہت وقت کے بعد جب طوفان تھما سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس آئی گلے میں مزید چیخنے کی ہمت بھی نہ رہی۔ تب سوال آیا تھا۔ بشیر نے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگا لی۔
''پہلے جاؤ نہا کر کپڑے بدلو، چڑیل لگ رہی ہو.....'' وہ ہنسا۔ یونہی خوامخواہ شاید ماحول کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے۔
ثریا کو بھی اپنے آپ سے الجھن محسوس ہوئی تو چپ چاپ اٹھ کر غسل خانے چلی گئی۔ ٹھنڈے پانی نے اس کے سلگتے اعصاب کو سکون بخشا۔
بشیر اس کے لیے آم اور آڑو کاٹ کر بیٹھا تھا خود اپنے ہاتھ سے کھلانے لگا۔ ثریا بھی خاموشی سے کھاتی گئی۔

"جب تمہارے باپ نے انکار کیا تو میں بہت اکیلا تھا تب مجھے سکینہ ملی۔" بشیر نے اس کے کچھ بھی پوچھے بغیر دھیرے دھیرے بتانا شروع کر دیا۔ مرد کے لیے عورت ہمیشہ آپشن ہوتی ہے۔ ایک سے زیادہ آپشن یہ نہیں تو وہ سہی اور عورت اسی مرد کے لیے اپنا سب کچھ وار نے کو تیار رہتی ہے۔ جو اسے آپشن سمجھتا ہے۔

"لیکن میں تمہیں نہیں بھول پایا تھا۔ جو محبت مجھے تم سے ہوئی وہ کسی اور سے نہ ہو سکی۔"

"میں پاگل تھی جو تیرے انتظار میں بیٹھی رہی۔" ثریا تڑخ کر بولی۔

"تو اب کیا ہو گیا ہے، وہ چلی تو گئی ہے۔"

"کون سا طلاق لے کر گئی ہے، واپس تو آئے گی۔"

"آ گئی تو کیا۔ تمہاری جگہ تو نہیں لے سکے گی۔" پھر وہی بہلاوا۔

"ہاں نوکرانی کی جگہ، کیا کہہ رہا تھا۔ تمہاری خدمت کے لیے لایا ہوں۔" ثریا پھر سے رونے لگی۔

"وہ تو بس اس کو منانے کے لیے کہہ دیا تھا ورنہ تو تو میرے دل کی رانی ہے۔" بشیر نے اسے بچوں کی طرح پچکارا۔

"تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گی۔ بس مجھے واپس چھوڑ آؤ۔ سوکن کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

"واپس کس کے پاس جاؤ گی؟ رشیداں گھر میں گھسنے نہیں دے گی۔ سارا گاؤں تھوتھو کرے گا اور تمہارا چاچا اس کا بیٹا، پاگل نہ بن۔"

"کچھ بھی کر لوں گی یہاں بیٹھ کر تمہاری بیوی کی مار نہیں کھا سکتی۔ میرا نام ثریا ہے۔ سکینہ اب سامنے بھی آئی تو گلا دبا دوں گی۔"

"بے شک دبا دینا، میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ اس عورت سے تنگ آ گیا ہوں۔ ویسے بھی اب تو تم آ گئی ہو۔ مجھے کسی اور کی کیا ضرورت؟ دیکھا نہیں کیسے رعب سے گئی ہے، جیسے میں اس کے پیچھے دم ہلاتا آؤں گا۔ ہونہہ جہاں پھرتی ہے پھرتی رہے۔ زیادہ تنگ کیا تو طلاق بھجوا دوں گا۔"

"تم اسے طلاق دے سکتے ہو؟" ثریا نے تعجب سے پوچھا۔

"کیوں نہیں دے سکتا؟ مرد ہوں میرے لیے کیا مشکل ہے۔" وہ فخر سے گویا ہوا۔

ثریا تھوڑی ڈھیلی پڑ گئی۔ ہاں وہ مرد تھا جس کو چاہتا طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا۔ وہ سکینہ ہوتی یا ثریا۔ محبت پر سے اعتبار تو اٹھ ہی گیا تھا۔ اب تو بس گھر بسانا تھا کہیں سر چھپانے کا آسرا بھی نہ چھن جائے۔ ثریا نے غیر جذباتی ہو کر تجزیہ کیا۔ سکینہ تو میدان چھوڑ گئی تھی۔ ثریا کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔ اس گھر سے سکینہ نکلے گی ثریا نہیں۔" اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

خود نرمین کو بھی پتا نہیں تھا کہ جس امید کے سہارے وہ صبح سویرے اس گھر میں آئی ہے وہ بار آور ہو گی یا نہیں۔ جہاں ہر کوئی ڈر کے مارے ان سے منہ موڑ رہا تھا۔ یہاں اس کی شنوائی ہو گی یا نہیں بس ڈوبتے کو تنکے کے سہارے وہ آ گئی۔

134 ای بلاک میں..... نمبردار صاحب نائی کو بلوائے اپنی شیو بنوا رہے تھے۔ جتنی شیو بنی، اس سے زیادہ نائی کی درگت بنتی جا رہی تھی۔ ان کی بہو بچوں کو اسکول، میاں کو دفتر بھیج کر سکون سے مارننگ شو دیکھ رہی تھی۔

"ارے نرمین! تم تو شادی کے بعد غائب ہی ہو گئیں۔" وہ شو میں ہوتی کپڑوں کی نمائش سے نظریں چراتی اس کی طرف متوجہ ہوئیں، پھر بری طرح چونک گئیں۔ اتنی کمزور، بیمار اور روکھی پھیکی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے، بیمار رہی ہو؟"

نرمین کی آنکھیں بھر آئیں۔
''دادا جی کے پاس ایک کام سے آئی ہوں۔''
''ہاں، ہاں۔ تم بیٹھو تو سہی۔'' باجی نے ٹی وی بند کر دیا۔ پانی کے ساتھ چائے کا وہ کپ جو وہ اپنے لیے بنا کر لائی تھیں، پیش کر دیا۔ چائے کے پہلے گھونٹ نے خالی معدے میں آگ لگا دی۔ پاس ہی پلیٹ میں بچے ہوئے میٹھے ٹوسٹ کے کنارے پڑے تھے۔
نرمین کی ساری حسیات ان ٹوٹے بچے کناروں کے گرد تیرنے لگیں۔ بھوک دنیا کی سب سے بڑی اور ظالم حقیقت ہے۔ نرمین نے بہت پہلے یہ جملہ پڑھا تھا، پھر تجربہ بھی کر لیا۔
''میں دیکھتی ہوں ابا جی فارغ ہوئے یا نہیں۔'' اسے کچھ بھی بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر باجی اٹھ گئیں۔ نرمین نے پلیٹ اپنے سامنے کھینچی۔ واپس دھکیلی، پھر کھینچی اور بچے کھچے ٹکڑے چائے میں ڈبو کر کھانے لگی۔ اسے بات کرنے کے لیے ہمت درکار تھی، نقاہت اور کمزوری ہمت کو کھا جاتی ہے۔
''آجاؤ نرمین! ابا جی بلا رہے ہیں۔'' نرمین نے آخری گھونٹ بھر کر کپ رکھا تھا جب باجی نے بلایا۔
نرمین نے تیر کی طرح اٹھ کر بیٹھک کا رخ کیا۔
باجی خالی برتن اٹھاتے ٹھٹکی، چونکی اور بری طرح شرمندہ ہو گئی۔ اس گھر کی روایت ہی کہاں تھی کہ کوئی ناشتے کے وقت آئے اور اسے خالی چائے دی جائے۔ ابا جی کو پتا چل جائے تو ان کی شامت آ جانی تھی۔
نمبردار صاحب کی گہری گندمی رنگت سرخ ہونے لگی۔ اتنی چھوٹی سی لڑکی اور سر پر ٹوٹتے مصیبتوں کے پہاڑ..... تھانہ کچہری ان کے لیے نئی بات نہیں تھی۔ ساری زندگی گاؤں کے مسئلے مسائل، تھانہ کچہری بہت بھگتے تھے۔ تحمل اور خاموشی سے نرمین کی بات سنی۔
''فکر نہ کرو گڈی! اگر تمہارے باپ نے کچھ نہیں کیا تو دو گھنٹے میں گھر ہوگا۔'' انہوں نے تکیے کے نیچے ہاتھ مار کر اپنا موبائل برآمد کیا۔
''انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا دادا جی! بس وہ منشی پیچھے پڑ گیا ہے۔''
''وہ منشی.....'' ان کی سفید مونچھوں تلے مسکراہٹ گہری ہوئی۔ منشی نے جب شروع شروع میں یہ قرضہ دینے کا کام شروع کیا، تو نمبردار صاحب کی کاٹن کی فیکٹری دیوالیہ ہوئی تھی۔ انہوں نے کچھ رقم منشی سے ادھار لے لی۔ بدقسمتی سے ایک دن جب فوارہ چوک میں وہ املی آلو بخارے کا شربت پی رہے تھے کہ منشی نے موٹر سائیکل کو بریک ماری اور ان سے قرضے کا مطالبہ کر دیا۔ سارے چیچہ وطنی میں نمبردار صاحب کا غصہ مشہور تھا۔ چوک میں قرضے کا مطالبہ، اتنے لوگوں کے سامنے..... پھر لوگوں نے دیکھا منشی کی گردن موٹر سائیکل کے پہیے میں تھی اور نمبردار صاحب دے مکے پر مکا.....
''لے قرضہ..... یہ لے قرضہ..... اور چاہیے۔''
کن دقتوں سے لوگوں نے منشی کی جان بخشی کروائی۔ وہ دن اور آج کا دن..... منشی انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتا تھا۔
''ہاں، تھانے دار صاحب کیا حال ہیں؟''
''اللہ کا کرم ہے تایا جی، آپ کیسے ہیں؟'' صاحب کا لہجہ مودب تھا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی انہوں نے ایم این اے سے کہہ کر اس کا تبادلہ یہاں کروایا تھا۔ اس کے والد نمبردار صاحب کے گہرے اور دیرینہ دوست تھے۔
''تبادلہ کروالیا اور تائے کے لیے ایک نوکری مٹھائی کی نہ آئی۔ عجیب بندے ہو۔'' وہ اپنی مصروفیت کا رونا رو کر معذرت کرنے لگا۔

''بس آج کل میں حاضر ہونے ہی والا تھا۔''

''ہوگیا حاضر، کنجوس باپ کا کنجوس بیٹا ہے۔ ویسے بھی جنہیں جیبیں بھرنے کی عادت پڑ جائے، پھر ہلکی کرنے کی عادت نہیں رہتی۔''

دوسری طرف کا قہقہہ اتنا بلند تھا کہ نرمین نے سن کر بے چینی سے پہلو بدلا۔

''اچھا برخوردار! ایک بندہ پکڑا ہے تم لوگوں نے انور حسین۔ یہ تین مرلہ اسکیم میں سے..... کس جرم میں پکڑا ہے؟''

نرمین آگے کو ہو کر بیٹھ گئی اور اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑنے لگی۔ نظریں ان کے بارعب چہرے پر جم گئیں۔ ہلکی سی کتر بیونت کے بعد ان کی سفید داڑھی کتنی پیاری اور مقدس لگ رہی تھی۔

''ہاں، وہ لڑائی مار کٹائی۔''

''اچھا، کتنے بندے مارے تھے؟''

''ہاہا..... غریب مسکین، بزدل سا بندہ ہے، اس نے کیا کسی کو مارنا ہے۔'' وہ ہنسا۔

''مطلب کوئی پرچا نہیں؟''

''نہیں..... بس دو چار دن رکھ کر چھوڑ دوں گا۔''

''دو چار دن نہیں برخوردار! اپنے گھر کا اکلوتا کمانے والا ہے۔ چار، پانچ بچوں کا باپ ہے۔ کیوں ظلم کما رہے ہو، ایسا کرو اس کو ناشتہ کرواؤ اور گھر بھیجو۔ اس کے بچے بھوکے بیٹھے ہیں۔''

''سمجھو تایا جی گھر پہنچ گیا۔''

''جیتے رہو، میں سمجھوں گا میری مٹھائی کی ٹوکری گھر پہنچ گئی۔''

''وہ تو میں خود لے کر حاضر ہوں گا۔''

''ہاں بھئی تھانے والوں نے تو مارنا ہی ہے، بھلے شوگر والوں کو مٹھائی کھلا کر مارو۔ یہ گھر پہنچ جائے' اتنا ہی کافی ہے۔'' الوداعی کلمات کے بعد انہوں نے فون کاٹ کر نرمین کو دیکھا۔

''لو گڈی! تمہارا کام تو ہوگیا۔''

''مطلب، ابو جی گھر آ جائیں گے؟'' نرمین کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ اتنا آسان تھا، کوئی یہاں سے کال کرے اور پولیس والے بندہ چھوڑ دیں۔ اسے کہاں معلوم تھا۔

''ہاتھی کا دوست بھی ہاتھی ہی ہوتا ہے۔''

نرمین نے بے اختیار اٹھ کر ان کا ہاتھ چوم لیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور روتے روتے ہچکیاں لے رہی تھی۔

''بس بیٹی! خود کو سنبھالو، جاؤ گھر جاؤ۔ تمہارا ابا گھر آ جائے تو میں تھانے دار سے مراد علی کی بات کرتا ہوں۔ وہ تھوڑا مشکل ہے کیونکہ پرچا کٹ گیا ہے۔ پر پرچے میں جان نہ ہوئی تو وہ بھی باہر آ جائے گا۔ باقی رہا وہ گیدڑ منشی اکرم..... تو فکر نہ کرو، اسے پتا چل گیا کہ تمہارے سر پر میرا ہاتھ ہے تو نظر اٹھا کر تمہارے گھر کی طرف بھی نہیں دیکھے گا۔''

نرمین کسی پرندے کی طرح اڑتی ہوئی اٹھی، پھر دروازے میں رکی۔

''دادا جی!''

دادا جی نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''وہ جس سبزی والے کی آپ نے پٹائی کی تھی، وہ میرے ابو جی تھے۔''

ان کا منہ کھلا۔ وہ پھر بے ساختہ ہنسنے لگے اور بہت دیر تک ہنستے رہے۔ انہیں انور حسین کا جملہ یاد آ گیا تھا کہ ''میں نے تو کبھی زندگی میں سبزی نہیں بیچی۔''

☆☆☆

نرمین پھر سے زندہ ہو کر گھر کی طرف بھاگی اور اتنی عجلت میں بھاگی کہ باجی سے ملنا بھی بھول گئی۔ ثمینہ کو یقین ہی نہیں تھا کہ محض ایک کال پر انور گھر آ سکتا ہے۔ اسے لگا نمبردار نے نرمین کو ٹرخا دیا ہے مگر انور حسین دوپہر تک آ گیا تھا۔ شکر دوپہر میں جب پرندے چونچیں کھولے پانی کی تلاش میں حال و بے حال تھے، وہ پیدل گھر پہنچا تھا۔

پسینے میں شرابور..... حواس باختہ..... شل جسم و اعصاب۔

بچے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ ثمینہ اور نرمین رونے لگیں۔ وہ انہیں جھٹک کر کمرے میں گھس گیا۔

''وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں رات بھر سوئے بھی تھے یا نہیں۔'' ثمینہ نے بچوں کو تسلی دی۔ نرمین جلدی سے پانی کا گلاس لے کر کمرے کی طرف بھاگی اور بھونچکی رہ گئی۔

انور حسین چارپائی پر نہیں بیٹھا تھا۔ وہ کونے میں فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے تھانے میں رات گزاری تھی۔ وہ حوالات سے نکل کر بھی نہیں نکلا تھا۔

☆☆☆

اس وقت تو یوں لگتا ہے، اب کچھ بھی نہیں ہے
مہتاب نہ سورج، نہ اندھیرا نہ سویرا
شاخوں میں خیالوں کے گھنے پیڑ کی شاید
اب آ کے کرے گا نہ کوئی خواب بسیرا

وہ چھت پر کھڑی چارپائی پر چت لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ ذرا سا دائیں طرف پورا چاند اور اس کی چاندنی..... نجانے کیسی چاندنی تھی جو وجود کو، رگ و پے کو جلا رہی تھی۔ ہوا پاس ہی کھیتوں میں دم سادھے تھی اور حبس چھٹے بدمعاش کی طرح گلیوں میں دندناتا پھر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کھیتوں کے اس پار تاج محل ریستوران کی روشنیاں ستاروں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ جہاں موجود بے فکرے لوگ میوزک انجوائے کرتے لذت کام و دہن میں مصروف تھے۔ اس نے پلٹ کر اپنے صحن میں جھانکا، گرمی اور حبس کے باوجود بچے سو رہے تھے۔ ماں بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ چت لیٹا انور حسین اٹھا اور دیوار کے ساتھ جا کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

نرمین آنسو ضبط کرتی واپس اپنی چارپائی پر بیٹھ گئی..... ورنہ دل تو چاہتا تھا، آسمان سے روشن چاند کو نوچ کر تاج محل کی محرابوں پر دے مارے۔

انہوں نے اپنی زندگی کے بدترین دن دیکھے تھے جہاں بھوک، بے بسی، کسمپرسی تھی۔ انور حسین کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا اور اسے علاج کی ضرورت تھی۔ ثمینہ بے بسی سے خالی برتن دھوتی اور رکھتی جاتی۔ اسے گھر سے نکلنے سے خوف آتا۔ ہاتھ میں کوئی ہنر نہیں تھا۔ آج سلائی کڑھائی سیکھی ہوتی تو مشین ہی تھام لیتی۔ بچے اسکول نہیں جاتے تھے، گلیوں میں کھیلتے پھرتے۔ کہیں سے کچھ کھانے کو ملتا تو عید ہو جاتی۔ فضہ اور ثمرین لوگوں کے گھروں میں گھسی رہتیں۔ کوئی برتن دھلواتا، کوئی ہاتھ پیروں کی مالش کرواتا تو کوئی صحن میں جھاڑو لگوا لیتا۔ بدلے میں کچھ کھانے کو مل جاتا، جس سے جسم و جاں کا رشتہ برقرار تھا۔ نرمین بھوکے پیٹ میٹرک کی کتابیں رٹتی جاتی۔ اس نے پوری زندگی اتنی پڑھائی نہیں کی، مگر اب اسے نمبر لینے تھے اور بہت سے لینے تھے۔

''نرمین!'' اس نے افشاں کی آواز پر گہری سانس لے کے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف رخ موڑ لیا۔ وہ مشترکہ دیوار کے پاس کھڑی تھی۔ باوجود گھر والوں کے روکنے کے افشاں نے اس سے رابطہ ختم نہیں کیا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی تھی تو اوپر آ گئی۔''

''نیند کیوں نہیں آ رہی افشاں! تمہارے گھر میں تو پنکھے بھی چلتے ہیں۔'' نرمین نے افسردگی سے پوچھا۔

''تم مراد کو یاد کر رہی تھیں؟'' افشاں نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ نرمین نے حیرت سے چاندنی میں نہائی افشاں کو دیکھا اور ہنس پڑی۔ اتنا ہنسی کہ افشاں کو شرمندگی نے گھیر لیا۔ نرمین کے حالات ایسے تھے کہ وہ فرصت سے بیٹھ کر مراد کو یاد کرتی؟

''ہاں کرتی ہوں اسے یاد۔ بے چارہ میرے پیچھے خواہ مخواہ پھنس گیا۔''

''وہ بھی واپس آ جائے گا، جس طرح چاچا واپس آ گئے۔'' افشاں نے اپنے تئیں تسلی دی، مگر نرمین تڑپ گئی۔

''اللہ نہ کرے، وہ اس طرح واپس آئے جیسے ابو جی واپس آئے ہیں۔''

''اچھا، ٹھیک ہے۔ تمہاری تیاری کیسی جا رہی ہے؟'' افشاں نے بات ہی بدل دی۔

''ہاں، اچھی ہو رہی ہے۔''

''چلو سو جاؤ۔ میں بھی جاتی ہوں۔ اماں کی آنکھ کھل گئی تو آوازیں دینے لگیں گی اور یہ رکھ لو۔'' افشاں نے جھک کر ایک شاپر دیوار پر رکھا جس میں آٹا تھا۔ ''صبح ناشتے میں کام آ جائے گا۔''

نرمین کی آنکھیں بھر آئیں۔ افشاں کی یہ عنایتیں جاری و ساری تھیں اور نرمین مروت میں بھی اسے منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ماں کی طرح نجانے کب تک وہ بھی معجزے اور من و سلویٰ اترنے کا انتظار کرتی رہتی، اگر وہ واقعہ نہ ہوا ہوتا جس نے نرمین کی سوچ کے زاویے اور زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔

☆☆☆

وہ پوسٹ آفس کی عمارت تھی۔ درختوں میں گھری..... اس کے چہار اطراف اینٹوں کا فرش خشک پتوں سے بھرا رہتا۔ جمعہ کا دن تھا۔ عمارت کے اکلوتے دروازے پر تالا پڑا تھا۔ سامنے فلٹر پلانٹ تھا جہاں صبح شام کے اوقات میں لوگ پانی بھرا کرتے۔ نیلے سفید پانی کے کین اور بوتلوں کے ساتھ طویل قطاریں ہوتیں۔ اس وقت وہ بھی سنسان تھا۔ میدان کے اس طرف چھوٹی ٹوٹی دیوار تھی جہاں لوگ کوڑا پھینکا کرتے تھے۔ ریڑھیوں والے گلے سڑے پھل چھوڑ جاتے۔ پکھی واسیوں کے بچے یہاں کوڑا چنا کرتے، پلاسٹک الگ..... شیشہ الگ..... گتے اور دیگر اشیاء الگ۔ بھوک لگتی تو گلے سڑے پھل پھرولنے لگتے۔ نرمین ہمیشہ سوچتی۔ اللہ نے ان کا رزق کوڑے میں کیوں لکھا ہے۔ کوئی ایک بار نہیں۔ اسکول آتے جاتے اس نے یہ منظر سینکڑوں بار دیکھا تھا مگر آج منظر نامہ مختلف تھا۔ آج جب وہ اپنی میٹرک کی رول نمبر سلپ لے کر گھر آ رہی تھی۔

وہ دو بچے تھے۔ گلے سڑے پھلوں کو ٹٹول کر اپنی بھوک مٹاتے۔

وہ پکھی واسیوں کے بچے نہیں تھے۔

وہ فقیروں کے بچے بھی نہیں تھے۔

ان کی ماں نے ان کے روشن مستقبل کے خواب دیکھے تھے۔

انہیں ایک اچھا مستقبل دینے، ایک پاک صاف زندگی گزارنے کے خواب دیکھے تھے۔

نہ آسمان رویا تھا، نہ زمین لرزی تھی۔

مگر نرمین پوری کی پوری ہل گئی تھی۔

آنکھوں میں ساون کے بادل گرجے اور بھادوں برسنے لگا۔

طلحہ اور حذیفہ کے ہاتھوں سے گلے سڑے پھل گر گئے۔ انہوں نے ڈر کر آپی کو دیکھا جو ان کے ہاتھ چومتی، کپڑے جھاڑتی بس روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''تیری نرمین نے تو کمال کر دیا ہے۔ بڑی جی دار لڑکی ہے۔ ہم تو سوچ ہی رہے تھے اور وہ پہنچ بھی گئی۔''

مراد نے کتنے دنوں کے بعد نرمین کا نام سنا تھا۔ دل ہی دل میں اس نام کی مالا جپتا تھا، آج کانوں کو بھی بھلا لگا۔
''اس منشی کی آدھی ہوا تو تب ہی نکل گئی، جب اس نے سنا کہ انور حسین گھر آ گیا ہے اور باقی نمبردار غلام رسول کا نام سن کر۔ تم نے دیکھا نہیں تھانے دار کا رویہ کیسا بدلا ہے۔''
کاکا کچھ دنوں کے بعد مراد سے ملنے آیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ڈر گیا تھا۔ بس وہ مراد اور نرمین کے گھر والوں کے لیے کوئی اور مشکل کھڑی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مراد کی تفتیش ساہیوال ایس پی کے پاس رکھ دی گئی تھی۔ اس درخواست کے ساتھ کہ یہاں تفتیش تسلی بخش نہیں ہے اور وہاں منشی کی دال گلنا مشکل تھی۔ وہ کھس ساہو کر دن رات ان سب کو گالیاں دیتا۔
''مگر انور بھائی کی دکان نہیں بچی۔'' کاکے نے افسردگی سے بتایا۔ ''قرضہ دیتے ہوئے منشی نے نجانے کس کس کاغذ پر دستخط اور انگوٹھے لگوائے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں۔''
''کوئی بات نہیں، اللہ کی رسی دراز ہے۔ اس بات کا بھی حساب ہوگا۔''
مراد کی صحت کمزور ہو گئی تھی مگر لہجہ تر و تازہ تھا کیونکہ امید جاگ گئی تھی۔
''کاکا! ایک کام کریں۔ میں جب تک یہاں ہوں، رکشہ کسی کو کرائے پر دے دیں۔ شام تک جو بھی آمدن ہو، انور بھائی کو دے دیا کریں۔ اب وہی تو میرے رشتے دار ہیں اور تو کوئی نہیں۔''
''یہ بھی ٹھیک ہے۔ انور کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ عجیب باؤلا سا ہو گیا ہے۔''
''وہ بھی کیا کریں، ایک کے بعد ایک پریشانی۔ ان کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔'' مراد نے افسردگی سے کہا۔ پھر جھجکتے ہوئے پوچھا۔
''نرمین تو ٹھیک ہے۔''
''سچ کہوں تو میں ان کے گھر نہیں گیا۔ میں منشی کو غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا اس لیے۔'' کاکے نے صاف گوئی سے بتایا۔ ''اب رکشے کے پیسے دینے جاؤں گا یا پھر فرخ کے ہاتھ بھجوا دوں گا اس کا تو آنا جانا ہے۔''
''ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے، اچھا لڑکا ہے۔''
''چلتا ہوں، کوئی پیغام ہو تو دے دو۔'' کاکا مسکرایا۔
''اب کیا پیغام، کچھ دنوں کی دوری ہے۔'' مراد کا دل اس کی مسکراہٹ میں دھڑکا۔
☆☆☆
ثمینہ نے دو تین بار گزرتے دیکھا۔ وہ جب سے اسکول سے آئی تھی، وہیں بیٹھی تھی۔
کمرے کے کونے میں فرش پر بیٹھے انور حسین کے پاس..... چپ اور گم صم۔ انور حسین نے ایک دو بار الجھ کر نرمین کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔ آخر ثمینہ سے رہا نہیں گیا۔
''نمو! کیا بات ہے، اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟''
''امی! آپ بھی آ کر بیٹھ جائیں۔'' نرمین نے کہا ہی نہیں، ہاتھ پکڑ کر ماں کو بٹھا بھی لیا تھا۔
''کیوں؟''
نرمین نے جواب نہیں دیا، سارے بچوں کو آوازیں دینے لگی۔
انور حسین کے چہرے کی بے نیازی پر بے چینی کی شکنیں پڑیں۔ سارے بچے اس کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے تھے۔
''نمو! کیا کرنا چاہ رہی ہو۔'' ثمینہ کو اس کی حرکت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
''دیکھنا چاہتی ہوں، اس طرح کونے میں سر جھکا کر بیٹھے رہنے سے ہماری زندگی کی گاڑی چلتی ہے۔''
''نمو! پتا تو ہے تمہارے ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''طبیعت ٹھیک ہے، بس بزدلوں کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ ابو جی! ادھر دیکھیں۔'' اس نے باپ کا جھکا سر اٹھایا۔

''یہ کوئی اور نہیں، آپ کے بچے ہیں، طلحہ، حذیفہ..... جن کے لیے اتنے بڑے بڑے خواب دیکھے تھے۔ یہ پڑھ لکھ کر افسر بننے والے بچے کوڑے کے ڈھیر سے آوارہ کتوں کے ساتھ اپنے لیے خوراک ڈھونڈ رہے تھے۔''

ثمینہ نے دل تھام لیا۔

''یہ فضہ اور ثمرین اسکول جانے کے بجائے لوگوں کے گھروں میں نوکرانیاں بن چکی ہیں اور میں.....''

نرمین نے باپ کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''میرا کیا قصور ہے، ہم سب کیا کریں ابو جی! زہر کھا کر مر جائیں۔''

''زہر.....'' انور حسین کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ ''یہ ٹھیک ہے، ہم سارے زہر کھا کر مر جاتے ہیں، یہ ٹھیک ہے۔''

ثمینہ نے لبوں پر پلو رکھا اور زور زور سے رونے لگی۔

نرمین ٹھس ہو کر بیٹھ گئی۔

''ابو جی! باپ زہر نہیں کھلاتے۔ اپنے بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔'' ثمرین نے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے باپ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بچوں کی طرح سمجھایا۔

انور حسین نے پیار سے ثمرین کی ناک کو چھوا اور کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے، میری لاڈو۔ میں روٹی کما کر لاتا ہوں۔'' انور حسین اٹھا اور گھر سے نکل گیا۔

''تمہارے ابو پاگل ہو گئے ہیں نرمین!'' ثمینہ بلکی۔

''ہاں، اور ہم سب ہونے والے ہیں۔'' نرمین وہیں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئی جیسے ہار گئی ہو۔ جیسے جیسے شام ڈھلی، رات گہری ہونے لگی ثمینہ کو ہول اٹھنے لگے۔

''کیا تکلیف تھی، بکواس کرتی رہتی ہے۔ پتا بھی ہے ان کا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر کہیں غائب ہو گئے۔ راستہ بھول گئے تو کون انہیں لینے جائے گا۔''

وہ چلتے پھرتے نرمین کو لتاڑنے لگی۔ زچ ہو کر اور کچھ فکر کے ساتھ نرمین بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکلی پھر جہاں تھی، وہیں ساکت ہو گئی۔

دیوار کے ساتھ انور حسین اکڑوں بیٹھا خالی سڑک کو گھور رہا تھا۔

☆☆☆

اماوس کی رات میں امید کا ہلکا سا جگنو

جیسے زندگی کی علامت.....

پھر سے قدموں پر کھڑے ہونے کی ہمت.....

بالکل اسی طرح ٹھیک تین دن بعد فرخ نے نرمین کی ہتھیلی پر کچھ نوٹ رکھے تھے۔

''بھیک دینے آئے ہو؟''

''اللہ نہ کرے۔'' فرخ نے بے حد غصے سے نرمین کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟ ہم پر جائز ہے۔''

''فضول مت بولو۔ مراد بھائی نے بھجوائے ہیں۔''

نرمین نے بے حد حیرت سے ہاتھ میں پکڑی اس تھوڑی سی رقم کو دیکھا جو اس کے لیے کسی خزانے سے کم نہ تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

pklibrary.com

قرۃ العین خرم ہاشمی

کورونا والی گلی میں عید

pklibrary.com

اختر سبزی فروش نے سنسان گلی کا ایک چکر بمشکل لگایا اور پھر اپنی ریڑھی کو گھسیٹتا ہوا گلی کے گیٹ سے باہر نکلا۔

"آج تو سناٹے چھائے ہوئے ہیں۔ ورنہ ہرے گیٹ والی باجی تو سبزی ضرور لیتی ہیں اور وہ سامنے والے گھر کی باجی دھنیا تو مفت مانگتی ہیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا گلی سے باہر نکلا۔

آج کئی دن کے بعد، اس کا یہاں آنا ہوا تھا۔ جزوی لاک ڈاؤن کی وجہ سے آمد و رفت بہت محدود ہو چکی تھی۔ کچھ دور بڑی سڑک کے کنارے، کچھ پھل فروش اور سبزی والے درخت کے سائے میں بیٹھے اپنا اپنا سامان فروخت کر رہے تھے۔ کچھ گاہک بھی ان کی ریڑھیوں کے سامنے کھڑے بھاؤ تاؤ کرنے میں مصروف تھے۔ اختر ماتھے پہ آئے پسینے کو، کندھے پر رکھے رومال سے صاف کرتا، فٹ پاتھ کی طرف بڑھا۔ کیونکہ وہ اکثر کچھ وقت ان سب کے ساتھ گزارتا اور پھر آگے بڑھ جاتا تھا۔ اختر نے دور سے ہاتھ ہلا کر انہیں متوجہ کیا۔

"سلام عبداللہ بھائی، سلام ظفر بھیا۔"

اختر نے اونچی آواز میں کہا تو وہ سب آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے حیران ہونے پر گاہکوں نے بھی حیرانی سے پیچھے سے آتے اس شخص کی طرف دیکھا تھا۔

"اور سناؤ! کام کیسا چل رہا؟" اختر نے ریڑھی ایک طرف کھڑی کی اور مسکراتا ہوا بت بنے لوگوں کی طرف بڑھا۔

"اوئے خبردار! جو ہمارے قریب آیا۔" ایک سبزی فروش نے خوف سے چیختے ہوئے کہا تو اختر ٹھٹھک کر رک گیا۔

"کیا ہوا؟" اختر نے حیرانی سے سوال کیا۔

"اوئے بھاگو یہاں سے! یہ کورونا والی گلی میں پھیرا لگا کر آیا ہے۔"

ایک پھل فروش نے سب کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی گاہک خریدا ہوا سامان ریڑھی پہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ایک امرود فروش کی سائیکل اس افراتفری میں گر گئی تو سارا پھل سڑک پر بکھر گیا۔ امرود فروش بدحواسی میں جلدی سے بکھرا ہوا پھل سمیٹنے لگا۔ اختر مدد کرنے کے خیال سے آگے بڑھا تو امرود فروش نے جھولی میں بھرا ہوا سارا پھل وہاں ہی پھینکا اور دوڑ لگا دی۔

"جان ہے تو جہاں ہے۔ امرود دوبارہ لے لوں گا مگر کورونا....." امرود فروش نے حواس باختہ ہو کر کہا اور اپنی سائیکل کے زور سے پیڈل مارتا وہاں سے چلا گیا۔

اختر حیرانی سے بت بنا کھڑا اس تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ باقی لوگ اپنی اپنی ریڑھیوں سے دور جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"اختر بھائی کیا کر آئے ہو؟ کس نے کہا تھا کورونا والی گلی میں جاؤ۔" ظفر پھل فروش نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔ جیسے وہ اختر کو نہیں، اپنے سامنے کورونا وائرس کو مجسم کھڑا دیکھ رہا تھا۔

pklibrary.com

''مم..... مجھے کیا پتا تھا کہ.....'' اختر نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''او بھائی! کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ ہرے رنگ کے گیٹ کے باہر رکاوٹ لگا کر راستہ بند کیا ہوا ہے۔ ارے وہ ہی تو کورونا وائرس کا گھر ہے۔ سنا ہے بوڑھے میاں بیوی کو خطرناک بیماری لگ گئی ہے۔ مشکل سے ہی بچیں گے۔''

ظفر نے ہمدردی سے کہا۔ اختر نے گھبرا کر گلی کے گیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کپڑوں کو جھاڑتا تیزی سے پانی کی بوتل کی طرف بڑھا۔

''اللہ میاں! مجھے بچالیں۔'' اختر خود پر پانی پھینکتا اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی بھائی! اب کیا ہوگا؟ کیا میں بھی ہسپتال میں داخل ہو جاؤں گا۔ وہاں تو سنا ہے کہ بہت برا سلوک کرتے ہیں۔ نہ کھانے کو دیتے ہیں اور نہ پینے کو۔'' اختر نے سنی سنائی باتوں کی روشنی میں کہا۔

''جلدی سے گھر جاؤ اور اچھی طرح نہاؤ۔ کپڑے بدلو اور دوبارہ اس گلی میں مت آنا۔ سنا ہے ایک فرد سے دوسرے کو فوراً لگتا ہے۔''

ظفر نے دور سے ہی ہدایت نامہ پاس کیا تو اختر بوکھلا کر تیزی سے اپنی ریڑھی کو لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ سب بھی اپنا اپنا سامان سنبھالتے دوسری سمت میں نکل گئے۔ آفس سے واپس آتے ذوالفقار عرف زلفی نے اس تماشے کو دیکھا تھا اور پھر اپنی چھوٹی گاڑی کا پرانا ہارن زور سے بجاتا ہوا، کورونا والی گلی میں مڑ گیا۔

یہ کورونا وائرس سے آگہی اور واقفیت کا دوسرا دور تھا۔ جس کی وجہ سے ہر عام اور خاص کو اس کی خبر ہو چکی تھی۔ خاص کر ہمسایہ ملک کے برے حالات دیکھ کر سب ہی خوف زدہ رہنے لگے تھے۔ ان اندھیروں میں امید کی کرن کورونا ویکسین تھی جو سرکاری طور پر سب کو لگائی جا رہی تھی۔

☆☆☆

گلی میں حسب معمول سناٹا چھایا ہوا تھا۔ زلفی نے گاڑی اپنے گھر کے گیٹ پر روکی۔ نیچے اترا اور پہلے اس نے جراثیم کش اسپرے سارے گیٹ پر کیا۔ پھر گیٹ کا تالا کھولا۔ اپنے ہاتھوں کو سینیٹائز کیا اور گاڑی اندر لے گیا۔ گاڑی کی آواز سن کر اس کے تینوں بچے باہر آ گئے۔ ان کی عمریں بالترتیب چھ سے دس سال کے درمیان تھی۔

''خبردار! کوئی آگے نہ بڑھے۔'' زلفی نے اپنی باریک آواز کو بھاری بنانے کی ناکام کوشش کی۔ اس وقت بچوں کے پیچھے پیچھے فریدہ عرف مُنی بیگم چلی آئیں جس نے شوخ رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا منہ پر میچنگ ماسک اور آنکھوں پہ میچنگ آئی شیڈ۔

''یہ تم کورونا سے بچنا چاہ رہی ہو یا اسے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے؟''

زلفی نے مُنی بیگم کو گھورتے ہوئے سوال کیا تو مُنی کا منہ بن گیا۔

''ایک تو آپ کے ہر وقت کے اعتراض۔۔! بھئی میں کسی کورونا، وارونا سے ڈر کر بجنا سنورنا نہیں چھوڑ سکتی۔''

مُنی بیگم نے صاف لفظوں میں کہا۔

''اچھا اچھا! گھر آتے ہی بحث شروع کر دیتی ہو۔ بچو! یہ جوتے دروازے کے باہر اتارو۔ اندر نہیں لے کر جانے۔'' زلفی نے اپنے تینوں بچے پر پہلے جراثیم کش اسپرے کیا۔ پھر ان سب کے ننھے ننھے ہاتھوں پر سینیٹائزر کے چند قطرے ڈالے اور ہدایت دیتا ہوا اندر کی طرف چل پڑا۔

''پتا ہے مُنی بیگم! ہمارا محلہ، کورونا کی وجہ سے بدنام ہو کر رہ گیا ہے۔'' گرم گرم چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھاتے، زلفی نے ناگواری سے کہا۔

''یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ ہائے پہلے محلے کی کیا رونقیں تھیں۔ کبھی میں باجی مسرت کے گھر چائے پینے جا رہی تھی، کبھی ہاجرہ کے گھر چنا چاٹ کھانے، رضیہ کا سوجی کا حلوہ تو کمال کا ہوتا ہے اور حلیمہ بیگم کے ہاتھ کا حلیم۔''

pklibrary.com

مُنی بیگم نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا تو زلفی نے اسے گھورا۔

"نام مت لو ان میاں بیوی کا۔ تمہاری حلیمہ بیگم کی، حلیم کی وجہ سے ہی یہ دن چڑھا ہے۔ نہ کوئی سبزی والا آرہا ہے، نہ کوئی پھلوں والا، نہ ردی، نہ سستے برتنوں والا۔ ! کتنی بے رونقی ہوگئی ہے۔" زلفی نے ناگواری سے کہا۔

"ویسے عبدالجبار بھائی اور حلیمہ کو کتنے دن گھر میں بند رہنا ہوگا۔" مُنی بیگم نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"پندرہ دن تو کہیں نہیں گئے۔ مگر یہ سوچو کہ اگر ان کی وجہ سے محلے میں یہ وائرس پھیل گیا تو؟" زلفی نے فکرمندی سے کہا۔

"ہائے! بڑی عید بھی سر پر آرہی ہے۔" مُنی بیگم کو اصل فکر بڑی عید کی تیاریوں کی تھی۔

"بڑی عید پہ کیا رونق ہوگی۔ جانور لے بھی آئیں تو اس گلی میں کوئی قصائی نہیں آئے گا۔ اگر آیا بھی تو ہزار نخروں کے بعد اور مہنگے داموں ملے گا۔ عجیب مصیبت بن گئی ہے۔" زلفی نے چائے ختم کر کے خالی کپ میز پر رکھا۔

"آپ سب محلے والوں سے بات کریں۔" مُنی بیگم نے سمجھ داری سے کہا تو زلفی کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ہاں یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔ اس محلے کی بہتری کے لیے مشورہ کرنا ضروری ہے۔" زلفی نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ دراصل وہ خود کو بہت معتبر اور سمجھ دار مانتا تھا۔ محلے کے ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہمی اور ہر ایک سے لڑنے والا۔

کچھ دیر کے بعد زلفی نے فون کر کے محلے کے معتبرین کو اپنے اپنے ٹیرس پر مقررہ وقت پر میٹنگ کے لیے آنے کی دعوت دے دی تھی۔

☆☆☆

"رضا بھائی! میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ کرنے کا وقت ہے۔" زلفی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو گول کر کے لاؤڈ اسپیکر بنانے کی کوشش کی اور سامنے کے گھر کے چھوٹے سے ٹیرس پر کھڑے بڑی توند والے رضا کو مخاطب کیا جو کورونا کی وجہ سے بڑھتی مہنگائی سے ویسے ہی سخت چڑا ہوا تھا۔

"ابے زلفی یار! اور کیا کروں؟ ہر روز تو کام پر جا رہا ہوں۔" رضا نے منہ بنا کر کہا۔

"یار رضا! تیری عقل تو گھاس چرنے گئی ہوئی ہے۔ بات کیا ہو رہی ہے، تم کیا جواب دے رہے ہو۔ کیا آج بھابھی نے کھانا نہیں دیا۔"

ساتھ والے ٹیرس پر کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے عرفان نے اپنی بھاری آواز میں بھونڈا مذاق کرتے ہوئے کہا۔ رضا کا منہ بن گیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ بڑی عید آنے والی ہے۔ ہماری گلی تو ویسے ہی بدنام ہو چکی ہے۔ یہاں نہ اچھے جانور آئیں گے اور نہ قصائی۔"

زلفی نے جلدی سے کام کی بات کی۔

"اچھے جانور ہم سب خود پسند کر کے منڈی سے لائیں گے۔" سہیل نے فوراً کہا۔

"جی اور یہاں آتے ہی وہ اچھے جانور کورونا کا شکار ہو کر مریل بن جائیں گے۔" زلفی نے خوفناک نقشہ کھینچا۔ سب ڈر گئے۔

"کورونا کا اثر کچھ دنوں کے بعد ختم ہو جاتا ہے نا! اب ساری زندگی تو عبدالجبار بھائی بیمار نہیں رہیں گے۔" جاوید نے جلدی سے کہا۔

"ارے چھوڑو! یہ وائرس نہیں جان چھوڑنے والا۔" زلفی نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"زلفی بھائی ایسے تو مت کہو۔ بہتری کی امید تو ہے۔" سہیل نے جلدی سے کہا۔

"بھائی کیسی امید؟ ساری دنیا کا حال تو دیکھو۔ بڑے سے بڑا، ترقی یافتہ ملک، ایٹمی ہتھیاروں سے لیس، جدید ٹیکنالوجی کے مالک، ایک چھوٹے سے وائرس کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ نہ کسی کی ذہانت کام آئی اور نہ کسی کی پاور۔" زلفی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مگر امید ہر جگہ، ہر مقام پر کام آتی ہے۔

pklibrary.com

ساتھ دیتی ہے۔ جدید دنیا کی ترقی ہو یا قدیم زمانے کے وبائی امراض، انسان کی ہمت، کوشش، امید اور دعا نے ہمیشہ انسانیت کو فلاح کا راستہ دکھایا ہے۔"

ایک بھاری اور گونج دار آواز پر وہ سب ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئے اور پھر گردن موڑ کر، کچھ فاصلے پر موجود، اس کورونا والے گھر کو دیکھنے لگے جس کی وجہ سے یہ مشہور گلی، بدنام ہو چکی تھی۔ گھر کے ادھ کھلے دروازے پر ماسک لگائے، اطمینان سے عبدالجبار صاحب کھڑے، ان سب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زلفی اور جاوید کے سامنے والا گھر عبدالجبار کا تھا۔ اس لیے وہ اسے آرام سے دیکھ رہے تھے مگر باقی لوگ اپنے اپنے ٹیرس پر آدھے لٹکے، عبدالجبار کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"سلام عبدالجبار بھائی! کیسے ہیں؟" سہیل نے بے ساختہ پوچھا تو عبدالجبار مسکرا دیے۔

"وعلیکم السلام بھائی! شکر ہے کسی کو حال پوچھنے کا خیال تو آیا۔" عبدالجبار نے نرم لہجے میں طنز کیا تو سہیل شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

"دیکھیں عبدالجبار بھائی! آپ کو اپنے گھر کے اندر رہنا چاہیے۔ کسی کو جراثیم بھی لگ سکتے ہیں اور....." زلفی نے بارعب انداز میں کہا تو عبدالجبار نے گہری سانس لی۔

"زلفی بھائی! ہم بیماری سے لڑ رہے ہیں۔ جس کے لیے ہمیں اچھی خوراک کے ساتھ تازہ ہوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اندر دل گھبرا رہا تھا۔ اس لیے دروازے تک آیا۔ ویسے ایک بات کہوں؟" انہوں نے سنجیدگی سے سوال کیا تو زلفی نے فوراً سر ہلایا۔

"سنا ہے کہ کورونا کے جراثیم ہوا میں دور تک سفر کرتے ہیں۔ جیسے میرے گھر سے آپ کے ٹیرس تک وہاں سے سامنے والے اور پھر ساتھ والے اور پھر....." عبدالجبار کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ سب بدحواس ہو کر اندر کی طرف بھاگے تھے۔

عبدالجبار نے گہری سانس لی اور مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دراصل پچھلے آدھے گھنٹے سے ان کی لامعنی بحث اور باتیں سن سن کر تنگ آ گئے تھے۔ اس لیے انھیں وہاں سے ہٹانے کے لیے یہ حرکت کی تھی۔ اندر آ کر انہوں نے دوبارہ بھاپ لی اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ان دونوں میاں، بیوی میں، اس بیماری کی علامات بظاہر معمولی تھیں مگر ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی نے اندر کی ساری توانائی نچوڑ لی ہو۔ عبدالجبار نقاہت سے بستر پر لیٹ گئے۔

"شکر ہے میرے مولا! جس نے اس مہلک وائرس کا شکار ہونے کے باوجود، اس سے لڑنے کا حوصلہ اور ہمت دی ہے۔" عبدالجبار صاحب نے سوچا۔ وہ جانتے تھے کہ بہت سے کیسوں میں تو لوگ موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔ اس بیماری سے لڑنے کی لیے دل پاور کا مضبوط ہونا، اچھی خوراک اور کچھ احتیاطی تدابیر بہت ضروری ہوتے ہیں۔ خوف اور ڈر مل کر اس بیماری کو جان لیوا بنا دیتے ہیں۔

☆☆☆

پندرہ دن کے بعد، ایک بار پھر محلے میں ڈاکٹروں کی ٹیم آئی۔ عبدالجبار اور حلیمہ کا کورونا ٹیسٹ نیگیٹو آیا تھا۔ اب انہیں آئسولیٹ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ڈاکٹرز نے انہیں مختلف ہدایات دیں اور خوراک اچھی رکھنے کا کہا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم ان کے گھر سے باہر نکلی تو محلے کے سب گھروں سے نکلے سر واپس اندر چلے گئے۔ ڈاکٹرز کی ٹیم نے باقی گھروں کے دروازے کھٹکھٹائے کہ وہ فری میں کورونا ٹیسٹ کرنے آئے ہیں مگر زیادہ تر لوگوں نے ٹیسٹ کروانے سے صاف انکار کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد ٹیم واپس چلی گئی۔ ایک مشکل وقت کے بعد عبدالجبار صاحب اور حلیمہ نے سکھ کا سانس لیا اور نارمل زندگی کی طرف لوٹنے کی کوشش کرنے لگے۔

☆☆☆

pklibrary.com

کچھ دن کے بعد عبدالجبار صاحب نے آفس جانا شروع کر دیا۔ عبدالجبار کی عمر پچاس سال کے قریب تھی جبکہ حلیمہ چند سال چھوٹی تھیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا علی امریکا میں رہائش پذیر تھا۔ شادی شدہ اور دو نٹ کھٹ بچوں کا باپ۔ عبدالجبار صاحب اور حلیمہ کا علی سے مکمل رابطہ رہتا تھا۔ والدین کی بیماری کا سن کر وہ بہت فکرمند رہا۔ مگر وہ خود امریکا میں ایسے ہی حالات اور مشکلات سے گزر رہا تھا۔

عبدالجبار ایک سرکاری دفتر میں اچھی پوسٹ پر تھے۔ دس مرلے کا بنا خوبصورت گھر ان کی ساری زندگی کی کمائی تھا۔ بیٹے کو پڑھا لکھا کر فرض ادا کر دیا۔ اب دونوں میاں بیوی آرام اور سکون سے وقت گزار رہے تھے۔ ان کے آفس میں اسٹاف کی تعداد کافی کم ہو گئی تھی۔ عبدالجبار کو پہلے دن لوگوں کے عجیب رویوں کا سامنا کرنا پڑا مگر کچھ دن کے بعد سب نارمل ہو گئے۔ عبدالجبار صاحب کے کولیگ اور پرانے ساتھی اقبال صاحب عمر میں کچھ سال بڑے تھے۔ بہت صاف گو اور بڑ بولے قسم کے تھے۔ عبدالجبار صاحب کی ان سے اچھی دوستی تھی۔ اقبال صاحب نے ان کو خوش دلی سے گلے سے لگایا اور خوش آمدید کہا تھا۔ عبدالجبار صاحب کا دن بہت اچھا گزرا مگر جب وہ گھر واپس آئے تو ان کا موڈ سخت خراب تھا۔ وہ حلیمہ کو دیکھتے ہی پھٹ پڑے۔

"عجیب لوگ ہیں۔ جیسے ہمیں کورونا نہیں ہوا تھا بلکہ ہم بذات خود کورونا ہیں۔" انہوں نے جوتے اتارتے ہوئے کہا تو حلیمہ نے ٹھنڈا پانی انہیں پیش کیا اور سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ میں آج کچھ چیزیں لینے قریبی اسٹور تک گئی تھی جب گلی میں کھیلتے بچوں نے مجھے دیکھتے ہی "کورونا آنٹی" کا شور مچا دیا اور اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے۔"

حلیمہ نے سادگی سے بتایا۔ پانی پیتے عبدالجبار صاحب کو اچھو لگ گیا۔ وہ بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"کورونا آنٹی۔" عبدالجبار نے دہرایا تو حلیمہ بھی مسکرا دیں۔

"بچے ہیں ناں۔ معصوم اور نادان۔" حلیمہ نے نرمی سے کہا اور کھانا گرم کرنے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ عبدالجبار صاحب مسکراتے ہوئے کپڑے تبدیل کرنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن عبدالجبار مغرب صاحب کی نماز پڑھنے مسجد چلے گئے۔ مسجد میں کافی رش تھا اور حسب معمول لوگ لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، بغیر ماسک کے وہاں موجود تھے اور اس پہ ایمان کی مضبوطی کا یہ عالم کہ فاصلے کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ عبدالجبار صاحب نے افسوس بھری نگاہ ان سب پر ڈالی۔ ان کو دیکھتے ہی، کچھ دور بیٹھے زلفی نے اپنے ساتھ والے شخص کے کان میں سرگوشی کی۔ پھر یہ سرگوشی اتنی تیزی سے پھیلی کہ عبدالجبار صاحب جس طرف تھے، سب لوگ وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر میں ہی عبدالجبار صاحب کو اندازہ ہو گیا کہ سب لوگ ان سے ڈر رہے ہیں۔ عبدالجبار اپنی جگہ کھڑے ہوئے اور پھر مجمع سے مخاطب ہوئے۔

"مسلمان بھائیو! اگر ہمت اور توفیق کر کے مسجد میں نماز ادا کرنے آ ہی گئے ہو تو برائے مہربانی، ماسک اور فاصلے کی احتیاط ضرور کریں۔ اس لیے کہ کورونا وائرس، عبدالجبار کا دوسرا نام ہرگز نہیں ہے۔ یہ مہلک وائرس، آپ میں سے کسی کے اندر بھی موجود ہو سکتا ہے اور ایک سے دوسرے کو بہت آسانی سے لگ سکتا ہے۔ احتیاط اور پرہیز کا حکم قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔"

انہوں نے کہا تو مولوی صاحب نے بھی تائید کی۔ کچھ دیر کے بعد نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز کے وقت سب لوگ صفوں میں فاصلے سے کھڑے، اپنے رب کو سجدہ کر رہے تھے۔

"اونہہ! بڑا آئے احتیاطیں بتانے والے۔"

pklibrary.com

نماز کے بعد مسجد سے نکلتے زلفی نے ناگواری سے خودکلامی کی تھی کیونکہ اس سے کچھ آگے عبدالجبار چل رہے تھے۔

☆☆☆

"بھائی! تم بکرا بیچ رہے ہو یا اپنا گھر؟ اتنی زیادہ قیمت؟" اقبال نے تپ کر سامنے کھڑے بکرے کے مالک سے کہا۔

"جاؤ بھائی کام کرو۔ اتنے سے پیسوں میں کون سا گھر آتا ہے۔"

بکرے کے مالک نے جواباً کہا تو عبدالجبار نے اقبال کا ہاتھ پکڑا اور دوسری طرف چل پڑے۔

"غضب خدا کا! قربانی کے جانوروں کی قیمتیں تو آسمان کو چھو رہی ہیں۔ میرے جیسے سفید پوش تو اب خواب میں ہی قربانی کر سکتے ہیں۔"

اقبال نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں کافی دیر سے چل رہے تھے۔ شہر کی مشہور اور سب سے بڑی جانوروں کی منڈی میں آئے کافی دیر گزر چکی تھی۔ دراصل عبدالجبار نے بکرا خریدنا تھا۔ ہر سال کی طرح اس بار وہ محلے کے لوگوں کے ساتھ جانور خریدنے نہیں آئے کیونکہ وہ ان کا رویہ دیکھ چکے تھے اور آزمائے کو آزمانا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہیں ہوتا۔ عبدالجبار صاحب نے اقبال سے بات کی تو وہ ان کے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئے۔ عبدالجبار نے رش کی وجہ سے اپنی گاڑی آفس میں ہی رہنے دی اور وہ دونوں اقبال کی پرانی موٹر سائیکل پر بکرا لینے پہنچ گئے۔ مگر کافی دیر کی خواری کے بعد بھی ناکام رہے تھے۔ ایک بکروں کی جوڑی عبدالجبار صاحب کو بہت پسند آئی تو وہ ان کے مالک سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے مگر وہ قیمت کم کرنے پر ہرگز تیار نہیں تھا۔ اقبال کچھ دیر تک دیکھتے رہے پھر ان کا ضبط جواب دے گیا۔

"یہ کورونا جیسی بلا، تم جیسے منافع خوروں اور بے ایمان لوگوں کی وجہ سے ہی آئی ہے۔ ذرا شرم نہیں آتی۔ قربانی کے جانور کی اتنی قیمتیں رکھی ہوئی ہیں کیا انھیں سونے کا نوالہ کھلا کر جوان کیا ہے۔"

اقبال تو آستین چڑھا کر میدان میں اترا۔

"بھائی بکرا لینا ہے لو، ورنہ جاؤ یہاں سے۔ اس منحوس بیماری کا ذکر کر کے ہمارے بکرے بیمار کرنے ہیں۔" بکرے کے مالک نے ناگواری سے کہا۔

"تمہارے بکرے اگر بیمار ہوئے تو ہم سے مشورہ کر لینا۔ اچھی راہنمائی کریں گے۔" اقبال نے طنزیہ کہا۔

"کیوں کیا تم ڈاکٹر ہو؟" بکرے کے مالک نے طنزیہ کہا۔

"اپنے عبدالجبار بھائی کو کچھ دن پہلے ہی تو کورونا ہوا تھا۔ اب دیکھ لو کیسے بھاگے پھر رہے ہیں۔ کیوں عبدالجبار بھائی۔" اقبال نے پاس کھڑے عبدالجبار کو پکارا جو بہت غور سے دونوں بکروں کا معائنہ کرتے ہوئے ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

"انہیں کورونا ہے؟" آس پاس کھڑے لوگوں نے سوچے سمجھے بغیر بس اتنا ہی سنا اور اچھل کر پیچھے ہو گئے۔

"بھائی ریاض! تیرے بکرے تو گئے۔ کورونا ہو گیا ان کو بھی۔" ایک دوسرے بیوپاری نے دور سے آواز لگائی اور اپنی گائے کی رسی تھام کر دوسری طرف بھاگ گیا۔ بکروں کا مالک ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔

"چلیں اقبال بھائی! آج بات نہیں بننے والی۔" عبدالجبار نے تھک کر کہا تو وہ دونوں جانے کے لیے مڑ گئے۔

"اوئے منحوسا! کیا کھڑا سوچ رہا ہے۔ یہ کورونا والے بکرے کس نے لینے ہیں۔ باقی جانور بھی بیمار کرنے ہیں۔ بیچ کر جان چھڑا۔"

بکروں کے مالک کے ایک ساتھی نے اسے جھاڑا تو وہ ہوش میں آ کر بکروں کی رسی تھام کر ان دونوں کے پیچھے بھاگا۔

"بھائی یہ بکرے تو لے جاؤ۔" مالک نے پاس آ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ ان دونوں نے چونک کر

pklibrary.com

دیکھا۔
"مگر بھائی ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں۔"
عبدالجبار نے کہا۔
"بھائی جتنے بھی ہیں۔ وہ دو اور انھیں لے جاؤ۔ خدا کا واسطہ ہے۔ اب ان بکروں کو کوئی اور نہیں خریدے گا۔"
مالک منتوں پر اتر آیا تو اقبال اور عبدالجبار نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں نے مل کر پیسے ادا کیا۔ ایک ایک بکرا ان دونوں نے لے لیا تھا۔ دونوں واپسی کے سفر میں بہت خوش تھے۔ مگر اب بکروں کو کیسے لے کر جائیں؟ ان دونوں نے پک اپ والوں سے بات کی مگر کورونا والی گلی کا سنتے ہی اگلے صاف منع کر دیتے تھے۔ مشکل سے ایک رکشے والا راضی ہوا اور وہ بکرے لے کر وہاں سے نکلے۔
"اللہ کا شکر ہے۔ اس بار میں بھی قربانی کر سکوں گا۔" واپسی کے راستے میں اقبال نے سوچا کہ یہ سب عبدالجبار صاحب کی وجہ سے ہوا ہے بلکہ اس کورونا کی وجہ سے، جس نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سب درہم برہم۔ سب الٹ پلٹ۔ مگر کبھی بہت اچھا اور کبھی برا۔

☆☆☆

عبدالجبار صاحب کو صحت مند اور خوب صورت بکرے کے ساتھ گلی میں داخل ہوتا دیکھ کر بہت سے گھروں سے لوگ باہر نکل آئے تھے۔
"یہ جبار بھائی تو بہت تیز نکلے ہیں۔ قربانی کا جانور لے بھی آئے۔" مُنی بیگم نے شوہر سے کہا جو کھڑکی کھول کر گلی کا منظر دیکھ رہا تھا۔
"باہر کی اندھی کمائی ہے۔ ان کے لیے کیا مشکل ہے بکرے لینا۔" زلفی نے ہمیشہ کی طرح طنز کیا۔
"بکرا تو لے آئے ہیں عبدالجبار بھائی! مگر قصائی کہاں سے لائیں گے؟ ہمارے محلے میں تو کوئی آتا ہی نہیں۔" زلفی نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔
"تو کیا ہم لوگ قربانی نہیں کریں گے؟" مُنی نے منہ بنا کر کہا۔
"کیوں نہیں کریں گے! دیکھنا زبردست بکرا لاؤں گا۔ قصائی کے لیے، اپنی اماں جیراں کے بیٹے کو کہہ دوں گا۔ پرانی واقفیت ہے۔ وہ ہمیں منع نہیں کریں گے۔" زلفی نے مطمئن انداز میں کہا تو مُنی بیگم خوش ہو گئیں۔
"میں اس بار عید پر آپ کے رشتے داروں کو گوشت ہرگز نہیں بھیجوں گی۔ اتنا کورونا پھیلا ہوا ہے۔ کون کس کے گھر جائے گا دینے۔ فاصلہ بہت بہتر ہے۔" مُنی بیگم نے چالاکی سے کہا۔
"چلو جیسے، تمہاری مرضی۔۔۔!" زلفی نے کندھے جھاڑے۔
"سوچ رہی ہوں کہ میکے والوں کو تیسرے دن دوپہر کے کھانے پہ بلا لوں۔ دیکھیں نا! پہلے دن ہم ان کے گھر جائیں گے۔ دوسرا دن میں دعوت کی تیاری میں گزاروں گی۔ تیسرا دن ٹھیک رہے گا۔" مُنی نے جلدی سے کہا۔
"ہیں......" زلفی نے چونک کر بیوی کے پرجوش چہرے کی طرف دیکھا تھا۔
"مُنی بیگم! ایک سوال ہے۔" زلفی نے گلا کھنکھار کر کہا۔
"جی بولیے!" مُنی بیگم نے اٹھلا کر کہا۔
"کورونا وائرس کیا صرف میرے رشتے داروں سے ملنے پر ہی لگ سکتا ہے۔ تمہارے میکے والے کورونا پروف ہیں یا سب کورونا کی ویکسین لگوا کر ہی پیدا ہوئے تھے۔" زلفی نے منہ بنا کر کہا تو مُنی بیگم کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورنے لگیں۔
"آپ بھول گئے، جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی اور آپ کی چالاک بہن نے مجھے گوشت کے نام پر ہڈیاں بھیج دی تھیں، اور اس میں چھیچھڑے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، پھر اگلی عید پر آپ کی بھابھی صاحبہ نے بکرے کی ران کے بجائے سادہ گوشت بھیج دیا تھا۔ جبکہ میں نے ران کو روسٹ کرنے کے کئی طریقے اور تراکیب ڈھونڈ کر رکھی ہوئی تھیں۔ سب

pklibrary.com

مسالے بھی لے آئی تھی۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ عید کی دعوت پر میری پلیٹ میں گوشت کی بوٹی....."

منی بیگم نجانے کون کون سے قصے، شکوے، کہانیاں لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ زلفی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

عبدالجبار کی دیکھا، دیکھی کچھ دنوں میں محلے کے مختلف گھروں میں قربانی کے جانور آ گئے تھے حالانکہ ابھی عید میں کافی دن باقی تھے۔ مگر جانوروں کی وجہ سے محلے میں کافی رونق اور چہل پہل ہو گئی تھی۔ پہلے کی طرح عبدالجبار کا بکرا لے جانے کے لیے زلفی کے بچے نہیں آتے تھے۔ عبدالجبار خود ہی آفس سے واپس آ کر کچھ دیر بکرے کو باہر ٹہلانے لے جاتے۔ کچھ دنوں کے بعد، زلفی بھی قربانی کے لیے بکرا لے آیا تھا۔ جس کی حفاظت وہ ایسے کرتا جیسے وہ انسان ہو۔ زلفی اپنے بکرے پر جراثیم کش اسپرے کرتا ہے۔ کبھی اسے سینیٹائزر لگا دیتا۔ زلفی اپنے بچوں کے ساتھ بکرے کو گھمانے کے لیے گلی میں لے کر جاتا تو بکرے کو ماسک ضرور پہناتا۔ عبدالجبار صاحب کے گھر کے پاس بکرے کو تو کیا، اپنے بچوں کو بھی گزرنے نہیں دیتا تھا۔ کہ کہیں کسی کو جراثیم نہ لگ جائیں۔

ایک دن کوڑے والے نے زلفی کے گھر کی گھنٹی بجائی تو وہ غصے میں باہر نکلا۔

"خبردار جو آئندہ میرے گھر کی گھنٹی کو ہاتھ لگایا۔ پتا بھی ہے کورونا وائرس کے جراثیم کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ پیچھے ہٹو۔"

زلفی نے کوڑا اٹھانے والے بچوں کو ڈانٹا تو وہ منہ بناتا ہوا، وہاں سے بھاگ گیا۔ زلفی بڑبڑاتا ہوا اندر سے جراثیم کش اسپرے لایا اور جذبات میں آ کر بٹن کو زیادہ ہی بھگو دیا۔ بے خیالی میں زلفی نے بٹن پر ہاتھ رکھا تو ایک زور کا جھٹکا اسے لگا اور وہ اچھل کر پیچھے کی طرف گر گیا

"زلفی بھائی! کسی کو ناحق ڈانٹنے پر اکثر سزا بھی فوراً مل جایا کرتی ہے۔" اپنے بکرے کو ٹہلاتے، عبدالجبار صاحب نے سرسری سے انداز میں کہا تو زلفی منہ بناتا ہوا اٹھا اور پھر کپڑے جھاڑتا اندر چلا گیا۔ عبدالجبار سر جھٹک کر رہ گئے۔

☆☆☆

حکومت نے ابھی مکمل لاک ڈاؤن نہیں لگایا تھا۔ اس لیے ان دنوں مارکیٹس میں بہت رش تھا۔ منی بیگم ہر روز ضد کر کے زلفی کو اپنے ساتھ مشہور بازار میں لے شاپنگ کے لیے لے جاتی تھیں۔ بچے گھر پہ ہوتے۔ دونوں میاں بیوی کئی گھنٹے باہر گزار کر آتے۔ عید آنے میں دس دن باقی تھے، جب زلفی اور منی دونوں بیمار ہو گئے۔ دونوں چیک کروانے قریبی سرکاری ہسپتال گئے۔ جہاں ان کا کورونا ٹیسٹ لیا گیا۔

وہ دونوں پریشان اور گھبرائے ہوئے سے واپس گھر آ گئے۔ انھیں خود سے زیادہ فکر اپنے تینوں بچوں کی ہو رہی تھی۔ زلفی نے تینوں بچوں کو نانا نانی کے پاس بھیجنے کی بات کی مگر بچے نہیں مانے۔ دونوں نے ساری رات خوف سے کانپتے اور دعائیں کرتے ہوئے گزاری تھی۔ مگر جب ان کی رپورٹ آئی تو وہ کورونا پازیٹو تھے۔ وہ ہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ رپورٹ آتے ہی ڈاکٹرز کی ٹیم ان کے گھر پہنچ گئی۔ چونکہ دونوں کی حالت کافی سنبھلی ہوئی تھی اور وہ گھر میں آئسولیٹ ہو سکتے تھے۔ لیکن اصل مسئلہ بچوں کا تھا۔ اس موقع پر حلیمہ اور عبدالجبار آگے بڑھے اور انہوں نے ڈاکٹرز کی ٹیم سے بات کی کہ "بچے ان سے واقف ہیں۔ پہلے بھی ان کے گھر وقت گزارتے رہے ہیں تو ہم بچوں کی ذمہ داری اٹھالیں گے۔ تب تک زلفی بھائی اور بھابھی اس مشکل وقت سے نکل آئیں گے۔"

زلفی اور منی یہ دیکھ کر شرمندہ ہو گئے۔ بچے ان کے ساتھ خوشی سے جاتے ہوئے اپنا بکرا بھی ساتھ لے گئے۔ زلفی اور منی بیگم مطمئن تھے کہ بچے ان کی نظروں کے سامنے رہیں گے۔ ان دونوں کی بیماری

pklibrary.com

کے بارے میں سن کر خاندان میں سے کسی نے فون کر کے بھی حال احوال نہیں پوچھا تھا کہ جیسے کورونا فون میں سے نکل کر انھیں لگ جائے گا۔ زلفی کو پہلی بار سمجھ میں آیا کہ بیماری تو حکم ربی ہے مگر لوگوں کے رویے، مشکل وقت میں ذہنی اور جسمانی طور پر توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

☆☆☆

عبدالجبار اور حلیمہ ان کے بچوں کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ڈسپوزایبل برتن میں کھانا بنا کر، کبھی سوپ، کبھی یخنی وغیرہ، اس کے علاوہ پھل بھی زلفی کے گھر کے بیرونی دروازے کے پاس رکھ کر گھنٹی بجا دیتے۔ زلفی دروازہ کھول کر شکریہ بھری نگاہ عبدالجبار پر ڈالتا اور اندر چلا جاتا۔ زلفی کو یہ وائرس لگا تو اسے اندازہ ہوا کہ بیماری سے لڑنے کے لیے کتنی ہمت اور توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے اب رہ رہ کر خیال آتا کہ عبدالجبار اور حلیمہ نے اپنا وقت کیسے گزارا ہوگا؟ ان دونوں میاں بیوی کو کوئی بھی پوچھنے والا نہیں تھا۔

"اللہ..... جس کے ساتھ اللہ ہے، اسے کسی اور کی کیا ضرورت۔۔۔!"

زلفی نے بے ساختہ سوچا۔ اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا کہ بعض لوگوں کو اللہ نے کتنا نوازا ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ عبدالجبار کے خلاف محاذ بناتا رہا۔ انہیں محلے میں بدنام کرنے کی کوشش میں لگا رہا مگر عبدالجبار نے اسے کچھ بھی جتائے بغیر کتنا بڑا احسان کیا تھا۔

☆☆☆

بڑی عید آئی، لوگوں نے قربانی بھی کی، گوشت بھی بانٹا، ایک دوسرے سے عید ملے بھی، دعوتیں بھی ہوئی، باربی کیو کی محفلیں بھی جمی۔ سب کچھ زندگی کے ساتھ تھا، سب کچھ زندگی میں ہوتا رہا۔ زلفی اور منی نے عید بند کمروں میں قید اور اداسی میں گزاری۔

بچوں کے ویڈیو پیغام اور میسج دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ دونوں اپنے بچوں کو محفوظ اور خوش دیکھ کر مطمئن تھے۔ بچوں نے عید منائی۔ قربانی بھی کی۔

عید کے ایک ہفتے کے بعد، زلفی اور منی بیگم کی کورونا رپورٹس منفی آئیں تو ان کی جان آئسولیشن سے چھوٹ گئی۔ دونوں کافی کمزور ہو چکے تھے مگر یہ شکر تھا کہ ان کی تکلیف زیادہ بڑھی نہیں تھی۔ کہ سانس کا مسئلہ پیدا ہوتا یا انہیں ہسپتال داخل ہونا پڑتا۔

"زلفی بھائی یہ آپ کی امانت ہے۔" عبدالجبار نے اس کے کہنے کے مطابق قربانی کر کے اس کے تین حصے کیے۔ دو حصے بانٹ کر ایک حصہ رکھ لیا تھا۔

"آپ کے سب رشتے داروں کے گھر گوشت پہنچا دیا تھا۔" عبدالجبار نے کہا تو زلفی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ ان کے گلے لگ گیا۔

"عبدالجبار بھائی! آپ نے جو احسان مجھ پر کیا ہے۔ میں ساری زندگی اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔" زلفی نے کہا۔ منی نے بھی حلیمہ کا خاص شکریہ ادا کیا۔

"زلفی بھائی! یہ وبائی مرض آتے اور جاتے رہیں گے، اصل چیز انسان اور انسانیت ہوتی ہے۔ اپنی اپنی جگہ پہ، ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس مشکل وقت میں جس کی جتنی ممکن ہو مدد ضرور کریں۔" عبدالجبار نے کہا تو زلفی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کم از کم اس کورونا والی گلی کی عید نے مجھے یہ تو سکھا دیا کہ ہم نے کورونا سے لڑنا ہے، کورونا میں مبتلا لوگوں سے نہیں۔"

زلفی نے شرمندگی سے اعتراف کیا تو عبدالجبار نے سر ہلاتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ عبدالجبار نے اپنے آس پاس کے لوگوں کے لیے ایک عمدہ مثال پیش کی تھی۔ جس پر وہ اپنے رب کا شکر گزار تھا کہ توفیق بھی اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔

☆

pklibrary.com

راشدہ رفعت

سکندرِ اعظم کی آمد

pklibrary.com

سفر کی تھکان اپنی جگہ، یہ شدید بیزاری تھی جس نے عزم کے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ ایڈریس آسان تھا مکان ڈھونڈنے میں اسے ذرا سی بھی دقت نہ ہوئی تھی لیکن دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھانے سے پہلے تک اس کا جی یہی کر رہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے۔ کون سا اعظم بھائی کو اس کے آنے کی خبر تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اماں ان کے موبائل نمبر پر کال کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن رابطہ ممکن نہ ہو پایا۔ شاید انہوں نے سم بدل ڈالی تھی اور گھر والوں کو نیا نمبر دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

وہ ایسے ہی تھے کبھی صبح شام فون کر کے اماں کے سامنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے تھے۔ نازش بھابھی کی ڈھیروں برائیاں کر کے جب ان کے جی کا بوجھ خاصا ہلکا ہو جاتا، پھر کئی دن تک فون کرنا بھی بھول جاتے اور یہ ایسے ہی دن تھے جب عزم کو آفس کی طرف سے ایک ماہ کے لیے ٹریننگ پر ملتان برانچ سے لاہور ہیڈ آفس میں بھیجا جا رہا تھا۔ آفس کی طرف سے قیام وطعام کی مد میں معقول معاوضہ دیا جا رہا تھا۔

عزم کے دو کولیگ جو اس کے ساتھ جا رہے تھے انہوں نے ہوٹل میں قیام کرنا تھا۔ ارادہ تو عزم کا بھی یہ تھا لیکن اماں اس ارادے کے آڑے آ گئیں۔

"بھائی کا گھر ہوتے ہوئے تو کسی ہوٹل میں ٹھہرے گا عزم؟"

"بھائی کا گھر اماں؟" اس نے استعجابیہ انداز میں اماں کو دیکھا۔

مکمل ناول

pklibrary.com

"ہاں تو گھر کی ساری ذمہ داری میرے اعظم نے ہی تو اٹھا رکھی ہے سارے خرچے اسی کے سر ہیں۔ جب پرائے میرے بچے کی کمائی پر عیش کریں تو سگا بھائی چار دن کے لیے کیوں اس کے گھر نہیں ٹھہر سکتا۔" اماں رسان سے بولی تھیں۔

"چار دن نہیں اماں! پورے مہینے کی بات ہے اور میں اعظم بھائی کے سسرال میں بالکل کمفرٹیبل نہیں رہوں گا۔"

"جانتی ہوں میرے چندا۔ وہاں رہنا تیرے لیے آسان نہیں ہوگا۔ وہ تو میرے اعظم کی ہمت ہے جو ایسی بدمزاج اور پھوہڑ عورت کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے لیکن میں تو بس اس خیال سے کہہ رہی تھی کہ ہوٹل کے بجائے اعظم کے گھر ٹھہرے گا تو کچھ پیسے بچ جائیں گے۔ روشنی کے جہیز کے لیے کچھ برتن وغیرہ خرید لوں گی۔ کراکری کی قیمت بھی تو آسمان پر جا پہنچی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا خریدوں اور کیا نہ خریدوں۔" اماں ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولی تھیں۔ عزم اس بار ماں کے سامنے مزید انکار نہ کر پایا۔

بات اماں کی بھی ٹھیک تھی۔ روشنی کی شادی میں چند ماہ ہی رہتے تھے۔ اماں کا زیور اس کے کام آجاتا لیکن جہیز صرف زیور پر ہی تو مشتمل نہیں ہوتا۔ کپڑے، کراکری، الیکٹرانکس کا سامان، فرنیچر اور بھی جانے کیا کچھ۔

اماں کفایت شعار تھیں اگر بیتے برسوں میں مستقل آمدن کا کوئی ذریعہ ہوتا تو وہ یقیناً بہت کچھ جوڑ لیتیں لیکن مرحوم شوہر نے کبھی ایک دھیلا بھی ان کے ہاتھ پر نہ رکھا، وہ خود گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ بے شک انہوں نے بیوی بچوں کو اچھا کھلایا۔ پہنایا لیکن بیوی کے تقاضوں کے باوجود گھر کا خرچ انہیں نہ سونپا۔ وہ فراخ دلی کی حد تک مہمان نواز شخص تھے دوستوں کا وسیع حلقہ تھا۔ ان دوستوں کی خاطر مدارت پر وہ بے دریغ لٹاتے تھے۔ اماں کے کڑھنے پر ہنس کر سمجھاتے۔

"نیک بخت! مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اپنا رزق ساتھ لاتے ہیں ہم تو صرف وسیلہ بنتے ہیں۔ کیوں میرے دوستوں کے نوالے گن کر جی جلاتی ہو۔"

"بات جی جلانے کی نہیں ہے اعظم کے ابا! بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ آج کچھ بچت کریں گے تو کل ان کے کام آئے گی۔ اعظم، عزم کی پڑھائیاں اجالا اور روشنی کی شادیاں، ہمارے پاس کچھ جمع جتھا ہوگا تو یہ خرچے نمٹیں گے نا۔ اچھا کھا پہن کر اور یار دوستوں کو کھلا پلا کر ساری تنخواہ برابر کر دیتے ہیں آپ۔ سرکاری نوکر تو ہیں نہیں کہ ریٹائرمنٹ پر پنشن اور گریجویٹی ملے گی۔ بچوں کے کل کے لیے ہمیں آج بچت کی عادت ڈالنی ہوگی۔" اماں، ابا کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔

"ہو جائے گا سب ہو جائے گا اللہ پر بھروسا رکھو۔ ابا کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہ پڑتا۔ اماں مزید کتنی بحث کرتیں۔ ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو جاتیں۔

بیوی کے خدشات و تفکرات اتنے بھی بے جا نہیں تھے، اس بات کا احساس ابا کو تب ہوا جب اس ادراک کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ ابا پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ کئی ماہ کے مسلسل علاج اور فزیوتھراپی کے بعد چلنے پھرنے کے تو قابل ہو گئے لیکن جسمانی صحت ایسی نہ تھی کہ نوکری پر جا سکتے۔ وہ ایک ٹیکسٹائل مل میں سپروائزر تھے۔ برسوں پرانے، وفادار اور قابل ملازم تھے۔ ادارے کی طرف سے علاج معالجے کے لیے ہر ممکن مالی مدد فراہم کی گئی۔ لیکن مسئلہ صرف علاج، معالجے کا نہ تھا۔ ابا کی طبیعت میں بہتری آنے کے باوجود جب وہ کام پر جانے کے قابل نہ رہے تو ادارے نے واجبات کی ادائیگی کے بعد انہیں باعزت طریقے سے ریٹائر کر دیا۔ کھینچ تان کر چند ماہ کا خرچا تو اماں نے ان پیسوں سے چلا لیا۔ جب وہ رقم ختم ہوئی تو اماں ابا سے اور ابا اماں سے نگاہیں چرانے لگے۔

pklibrary.com

''صحیح کہتی تھی نیک بخت آڑے وقتوں کے لیے کچھ بچا کر رکھنا چاہیے تھا۔'' آخر ابا ٹھنڈا سانس بھر کر اعتراف کرتے۔

''آپ کیوں فکر کرتے ہیں اعظم کے ابا، اللہ پر بھروسا رکھیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اماں بیمار شوہر کو حوصلہ دیتیں۔

''کل توفیق آیا تھا کہہ رہا تھا سبحان صاحب سے بات کرکے اعظم کو مل میں ایڈجسٹ کروا دے گا، سمجھ میں نہیں آرہا اسے کیا جواب دوں۔ ابھی تو اعظم کم عمر ہے پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی۔ ایک بار فیکٹری لائن میں چلا گیا۔ تو پھر وہیں کا ہو رہے گا تم نے بچوں کو پڑھا لکھا کر بڑا افسر بنانے کے جو خواب دیکھے تھے سب مٹی میں مل جائیں گے۔''

''خوابوں سے زیادہ عملی زندگی کے تقاضے اہم ہوتے ہیں اعظم کے ابا! آپ توفیق بھائی سے کہہ کر اعظم کی نوکری کا بندوبست کروا لیجیے۔ پھر سچی بات تو یہ ہے کہ اپنے اعظم کا پڑھائی میں ویسے بھی خاص دماغ نہیں چلتا۔ سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کرنے کے بعد گر پڑ کر ایف اے پاس کیا ہے۔ اب آگے ایم اے، بی اے میں کون سا تیر مارے گا اور خالی خولی ایم اے، بی اے والوں کو بھی آج کل کہاں ڈھنگ کی نوکری ملتی ہے۔ اچھا ہے ابھی سے کمانے لگ جائے گا۔ آہستہ آہستہ تنخواہ بھی بڑھتی جائے گی اور ترقی بھی ہوتی جائے گی۔'' اماں تو فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو گئی تھیں لیکن جب اماں کے لاڈلے کو اس فیصلے کا پتا چلا تو وہ خوب چیں بہ چیں ہوا۔ اور کہنے لگا۔

''میں ابھی سے نوکری پر لگ جاؤں۔ مجھے یہ کام ذرا اچھا نہیں لگتا۔ اور میں ابا کی طرح راتوں کو جاگ جاگ کر نوکری نہیں کر سکتا۔ کہیں سے پیسوں کا بندوبست کر دیں۔ میں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر لوں گا۔''اس کے کے لیے بھی لاکھوں روپے چاہئیں اعظم! اور ہمارا کون سا رشتہ دار اتنا صاحب حیثیت ہے جو ہماری مالی مدد کر دے۔ وہ سب تو بے چارے ہم سے بھی زیادہ سفید پوش ہیں۔ تو گھر کا بڑا بیٹا ہے

اعظم! صورت حال کی نزاکت سمجھ۔ تیری نوکری کے بغیر اس گھر کی گاڑی نہیں چلے گی۔ ہمت کر کے تجھے ہی میدان میں اترنا پڑے گا۔''

اماں بیٹے کو چمکار رہی تھیں۔ اعظم کا منہ ہنوز پھولا ہوا تھا۔

''آپ ابا سے کہہ کر مل میں مجھے لگوا دیں اماں! میں وہاں پر نائٹ شفٹ میں کام کر لوں گا دن میں پڑھ لیا کروں گا۔''

ماں مسلسل بھائی کی منت کر رہی تھی، عزم سے یہ برداشت نہ ہوا اس نے ماں اور بھائی کی گفتگو میں مداخلت کی تھی۔

''پہلے اُگ تو جاؤ پھر بڑی بڑی باتیں کرنا ننھے میاں۔ نویں جماعت میں ہو اور ٹیکسٹائل مل میں کام کرنے چلے ہو۔'' اعظم نے چھوٹے بھائی کو طنزیہ انداز میں مخاطب کیا۔

''پھر اس مسئلے کا کوئی حل بھی تو نہیں ہے اعظم بھائی! ابا اب نوکری پر جانے کے قابل نہیں رہے۔ گھر کا خرچا کیسے گا۔''

''اچھا بابا تم تو چپ کرو، مجھے بھی یہ باتیں پتا ہیں۔'' اعظم جھلا گیا تھا پھر اسی جھلائے ہوئے لہجے میں ماں کو مخاطب کیا۔

''توفیق چچا سے کہہ کر لگوا دیں مجھے نوکری پر۔ اس گھر کی خاطر کسی کو تو قربانی دینا پڑے گی نا۔ بن جاتا ہوں میں ہی قربانی کا بکرا۔'' عزم نے تاسف سے بھائی کو دیکھا لیکن اس بار کچھ کہنے سے گریز کیا۔

☆☆☆

اعظم کی نوکری لگ جانے سے گھر کی گاڑی کا پہیہ پھر سے چل پڑا۔ عزم نے بہت اچھے نمبروں میں میٹرک پاس کر کے کالج میں داخلہ لیا تو شام کو چند گھنٹوں کے لیے ابا کے ایک واقف کار کے جنرل اسٹور پر سیلز مینی شروع کر دی۔ انتہائی کفایت شعاری برتتے ہوئے اماں نے اجالا آپی کی شادی کے لیے کمیٹی بھی ڈال لی تھی۔ اجالا آپی کا رشتہ مجھلی پھوپھو نے مانگ لیا تھا۔

pklibrary.com

"جہیز کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں صفیہ بھابھی! آپ کے مالی حالات ہم سے چھپے تو نہیں پھر ساری زندگی آپ نے اور بھیا نے جس طرح ہر موقع پر بہنوں کا مان رکھا۔ ماں باپ کے گزرنے کے بعد ہمیں کبھی میکے کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ عید بقرعید غم خوشی کے ہر تہوار پر اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہمیں تحفے تحائف سے نوازا۔

ہمارے سسرالوں میں ہمیشہ ہماری عزت بنائے رکھی۔ اب ہمارا بھائی مشکل سے دوچار ہے تو کیا ہم بہنوں کا فرض نہیں کہ اس مشکل میں اپنے بھائی کے کام آئیں۔ دوسری بہنوں کا تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں اب اپنی زندگی میں خودمختار ہوں۔ سسرال کے ٹنٹنے سے جان چھوٹ چکی ہے اویس کے ابو نے بچوں کی زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار مجھے دے رکھا ہے اور مجھے اپنے اویس کے لیے اب کی اجالا چاہیے۔ جہیز کی نہ ضرورت ہے نہ خواہش بچوں کے کمانے کے بعد خیر سے گھر میں ہر سہولت موجود ہے اویس خود جہیز کا سختی سے مخالف ہے۔ کہتا ہے ماموں مامی سے کہہ دیجیے رشتے کے لیے ایک ہی شرط ہے کہ جہیز ہرگز نہیں لوں گا۔"

عائشہ پھوپھو نے ایک لمبی تقریر کے بعد اماں کے کہنے کے لیے ایک لفظ نہ چھوڑا تھا۔ اماں کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، انہوں نے نند کو ساتھ لیٹا لیا۔

سچ ہے نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ابا نے ساری زندگی بہنوں کو ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور نہ ہی اماں نے انہیں اپنی بہنوں کو دینے دلانے سے منع کیا اب زندگی کے اس موڑ پر ابا کی بہن کے تعاون سے ایک مشکل مرحلہ یوں سر ہوا کہ پتا بھی نہ چلا۔

خیر سے اجالا اپنے گھر بار کی ہوئی تو ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد اماں کے کندھوں سے منوں وزنی بوجھ اتر گیا۔ زندگی یوں ہی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی عزم نے شام کی نوکری کے ساتھ ساتھ بی کام مکمل کر کے ایم بی اے میں داخلہ لے لیا، تب اعظم بھائی ملتان میں ٹیکسٹائل مل والی ملازمت چھوڑ کر لاہور میں قسمت آزمانے نکل پڑے۔

"لاہور بڑا شہر ہے ترقی کے مواقع زیادہ ہیں۔ ناصر یہاں مجھ سے جونیئر تھا اور وہاں لاہور میں مجھ سے زیادہ تنخواہ پر گیا ہے۔ کہہ رہا ہے اعظم بھائی یہاں آجائیں آپ کا تو تجربہ بھی مجھ سے زیادہ ہے۔ یہاں پر ملتان سے زیادہ عمدہ پیکیج ملے گا۔" وہ ماں سے مخاطب تھے۔

"لیکن اعظم! یہاں گھر کی نوکری ہے وہاں دوسرے شہر میں کیسے رہے گا۔" اماں انہیں لاہور بھیجنے پر متذبذب تھیں۔

"میں کوئی دودھ پیتا بچہ تو ہوں نہیں اماں، جب واقعی بچہ تھا تب تو آپ نے کمانے پر لگا دیا۔ اب میں اپنے کیریئر کے لیے خود اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کر رہا ہوں تو آپ آڑے آرہی ہیں۔"

اعظم بھائی شاکی لہجے میں ماں سے مخاطب تھے۔ اپنے کمانے کا احسان وہ گھر والوں پر جتاتے ہی رہتے تھے۔ عزم کو ان کے لہجے اور انداز سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی تھی۔ خود عزم تو ان سے بھی کم عمری میں گھر کا خرچا چلانے کے لیے پارٹ ٹائم جاب کرنے لگا تھا۔ ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھنے کی وجہ سے اس کا شیڈول خاصا ٹف ہوتا تھا۔

وہ بھی اس بھاگ دوڑ سے بری طرح تھک جاتا تھا لیکن گھر والوں کے سامنے نہ تو کبھی اپنی تھکن کا رونا روتا، نہ اپنے کمانے کا احساس جتاتا۔ یہ اعظم بھائی بھی بس عجیب ہی تھے۔ اسے ان کی باتوں سے کوفت ہوتی لیکن بڑے بھائی سے الجھنے سے گریز کرتا۔

اعظم بھائی نے فیصلہ تو کر ہی لیا تھا۔ اماں جانتی تھیں کہ وہ اب فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یہ ہی بہت تھا کہ وہ ماں باپ سے رسمی اجازت لے رہے تھے سو اماں نے انہیں جانے کی اجازت دے کر ان کا اور اپنا بھرم برقرار رکھا۔ انہیں لاہور گئے ہوئے بمشکل

pklibrary.com

چھ مہینے ہی ہوئے ہوں گے کہ زندگی نے ایک اور کروٹ بدلی۔

☆☆☆

ابا کے بہت عزیز دوست بھی کچھ برس پہلے روزگار کی خاطر لاہور جا بسے تھے۔ خط و کتابت اور ٹیلی فون کے ذریعے ابا کا ان سے رابطہ برقرار تھا۔

ابا نے اعظم بھائی کو بارہا تاکید کی تھی کہ وہ راشد احمد سے جا کر مل لیں۔ اعظم بھائی ہمیشہ کی ان سنی کر دیتے۔ اب ان ہی راشد احمد کی بیٹی کی شادی کا بلاوا آیا تھا۔ اعظم بھائی ہر مہینے کے اختتام پر گھر والوں سے ملنے کی خاطر لاہور سے ملتان آتے۔ تھوڑی بہت تنخواہ ماں کے ہاتھ پر رکھتے اور ماں اس تھوڑے کو ہی بہت جان کر بیٹے کو دعاؤں سے نوازتی اس کے واری صدقے جاتی۔

اس بار اعظم بھائی نے چھٹی گزار کر واپسی کے لیے رخت سفر باندھا تو ابا بھی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔

''صابر کی بیٹی کی شادی ہے۔ بہت اصرار سے بلایا ہے اس نے پھر اپنی اجالا کی شادی پر وہ بھی خاص طور پر لاہور سے آیا تھا اور پورے پانچ ہزار نقد دے کر گیا تھا اب مجھے بھی اس کی بچی کی شادی میں شرکت کر کے حسب توفیق دینا دلانا پڑے گا۔''

''آپ مجھے پیسے دے دیں، میں شادی میں شرکت کر کے انہیں لفافہ دے دوں گا۔ آپ کی واپسی کا مسئلہ ہوگا۔'' اعظم بھائی ابا کو ساتھ لے جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ تم مجھے وہاں سے بس میں سوار کرا دینا۔ یہاں عزم بس اسٹینڈ پر مجھے لینے پہنچ جائے گا۔ کل کی شادی ہے پرسوں ہی میری واپسی ہو جائے گی۔''

ابا کا ارادہ اٹل تھا۔ اعظم بھائی بادل نخواستہ ابا کو ہمراہ لے گئے۔

دو دن بعد واقعی ابا کی واپسی ہو گئی تھی لیکن وہ اکیلے نہیں تھے۔ اس بار بھی نہ صرف اعظم بھائی ان کے ساتھ تھے بلکہ اعظم بھائی کی نئی نویلی دلہن بھی ان کے ہمراہ تھی۔ وہ خود پر بیتی ظلم کی داستان پہلے ہی فون پر ماں کو سنا چکے تھے اماں نے بہت سرد مہری سے نئی بہو کا استقبال کیا تھا۔

ابا اپنے دوست راشد احمد کی جس بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور گئے تھے اسی بیٹی کو ابا بہو بنا کر ساتھ لے آئے۔ کہانی وہ ہی تھی کہ لالچی سسرال والوں کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو بارات واپس لوٹ گئی۔ ابا کے جذبہ ہمدردی نے جوش مارا اور اعظم کو متبادل دولہا کے طور پر پیش کر دیا۔ صورت حال ایسی بنی کہ اعظم بھائی انکار نہ کر پائے لیکن تقریب کے اختتام پر انہوں نے سب سے پہلے ماں کو فون کھڑکا کر خود پر بیتے ظلم کی داستان کہہ سنائی تھی۔ اماں تو خود ابا کے اس اقدام پر ششدر رہ گئی تھیں۔

ابا ساری زندگی دوستیاں نبھاتے رہے اماں معمولی اعتراض کے بعد خاموشی اختیار کر لیتیں۔ لیکن اب تو ابا نے دوستی نبھانے کے چکر میں لاڈلے بیٹے کی خوشیاں ہی قربان کر ڈالی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار اماں کی آواز جھگڑتے ہوئے اتنی بلند ہوئی تھی۔

ابا جو نئی نویلی بہو اور روٹھے بیٹے کو لے کر گھر پہنچے تھے۔ بیوی کے تیور دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں اماں کی ناراضی کا خدشہ تو تھا مگر ساتھ ہی یہ خوش گمانی بھی تھی کہ وہ ساری صورت حال بتا کر بیوی کو منا لیں گے۔ اماں، ابا کی اپنی بھی تو دو بیٹیاں تھیں ابا کا خیال تھا کہ بیوی بھی جب بیٹی کی ماں بن کر سوچے گی تو اسے شوہر کا فیصلہ درست لگے گا لیکن اماں کے غضب کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔

''میں پوچھتی ہوں اعظم کے ابا! اس قربانی کے لیے آپ کو میرا بیٹا ہی نظر آیا تھا۔ آپ کے دوست کا کوئی بھانجا بھتیجا، دور نزدیک کا کوئی رشتہ دار ایسا نہ تھا جو اس کڑے وقت میں مدد کو آگے آتا۔ میرے اعظم نے تو پہلے ہی اپنی زندگی کی خوشیاں گھر والوں کی خاطر قربان کر دی ہیں۔ کتنی چھوٹی عمر سے کمانے پر

pklibrary.com

لگا دیا تھا آپ نے اسے۔ چلو جب تو مجبوری تھی لیکن اب آپ نے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی ملیا میٹ کر دی۔ یوں ہوتی ہیں شادیاں۔ اپنے یار دوستوں کو کیا منہ دکھائے گا۔ ایسی افراتفری کی شادی کا کیا جواز پیش کرے گا۔ یہ کہے گا کہ اپنے ابا کے ساتھ ایک شادی بھگتانے گیا تھا اور عین میں دلہن گلے پڑ گئی۔"

اماں بول بول کر ہانپ چکی تھیں پھر بھی بولے ہی جا رہی تھیں۔

"بس اعظم کی ماں اب ایک لفظ اور نہیں۔" ابا کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

"بجائے اس کے کہ بچی کے سر پر ہاتھ رکھو۔ تم انٹ شنٹ بولنا شروع ہو گئی ہو۔ یہ حقیقت جتنی جلدی تسلیم کر لو اچھا ہے نازش! اب تمہاری بہو اور اعظم کی بیوی ہے، اسے اس گھر میں اس کا جائز مقام ملنا چاہیے۔"

ابا نے دو ٹوک انداز میں اماں کو باور کروایا۔ اماں دکھ کے مارے خاموش ہو گئیں۔ ابا کے کہنے پر روشنی، نازش کو کمرے میں لے گئی۔ سرد و سپاٹ سے تاثرات والی بھابھی روشنی کے دل کو بھی نہ بھائی تھی۔ اماں کے سب بچوں میں اعظم بھائی ہی سب سے خوب صورت تھے اور نازش کا تو اعظم سے کوئی جوڑ ہی نہ لگ رہا تھا۔

پھر ابا نے اعظم بھائی کا ولیمہ بھی منعقد کیا۔ نزدیکی رشتے داروں کو ہی مدعو کیا تھا لیکن سب لوگوں نے دولہا کے بگڑے تاثرات بھی ملاحظہ کیے اور دولہا کی ماں کا اکھڑا رویہ بھی۔ اتنی جلدی شادی کی وجوہات بتانے کی ذمہ داری بھی ابا کو اپنے سر لینا پڑی اماں تو گویا ہر چیز سے لاتعلق تھیں۔

"کتنی عجیب بات ہے نیک بخت! ہم کبھی کبھار اسی مغالطے میں ساری زندگی گزار دیتے ہیں کہ اپنے شریک سفر کو ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ عمر کے آخری حصے میں پتا چلتا ہے کہ مزاج آشنائی کا یہ دعویٰ خوش گمانی بلکہ غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مجھے تمہارے ردعمل کا اندازہ ہوتا تو میں اس بچی کے سر پر کبھی دست شفقت نہ رکھتا۔ میں نے تو سوچا تھا تم بھی بیٹیوں کی ماں ہو ساری صورت حال جان کر تمہارا دل پسیج جائے گا۔ تم میرے اس اقدام کی تائید کرو گی۔ اعظم کو رام کرنے کی کوشش بھی کرو گی لیکن تم نے زندگی میں پہلی بار میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔"

ابا رنجیدہ تھے اور اماں کو اس رنجیدگی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنی حق بجانب گردانتی رہیں۔ لیکن دس دن بعد جب ابا نے بالکل ہی اچانک آنکھیں موند لیں تو اماں کے سر پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ زندگی میں پہلی بار وہ شوہر سے اتنے زیادہ وقت کے لیے خفا ہوئی تھیں۔ ابا ان کی خفگی دور کر کے انہیں تو کیا مناتے وہ تو خود خفا ہو کر دنیا چھوڑ بیٹھے۔

ابا کی موت کا صدمہ اپنی جگہ لیکن شدید پشیمانی کا احساس تھا جو اماں کو چین نہ لینے دے رہا تھا۔ نازش سے انہیں پہلے ہی کوئی انسیت نہ تھی بلکہ یہ نازش ہی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے محبوب شوہر سے زندگی میں پہلی بار اس بری طرح خفا ہوئی تھیں لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ اب ابا کی روح کے آگے مزید شرمندہ نہ رہنا چاہتی تھیں۔ ابا کے انتقال کے دس روز بعد جب اعظم نے واپس لاہور جانے کی ٹھانی تو اماں نے نازش کو بھی اس کے ہمراہ کر دیا۔

"مانو یا نہ مانو لیکن یہ لڑکی اب تمہاری زندگی کی انمٹ سچائی ہے۔ زندگی تمہیں اسی کے سنگ گزارنی ہے۔ اسے ساتھ لے جاؤ اور اللہ کا نام لے کر نئی زندگی کی شروعات کرو۔"

"لیکن اماں! لاہور بہت مہنگا شہر ہے۔ میں وہاں کرائے کا گھر لینا افورڈ نہیں کر سکتا۔ ابھی تو میں چھڑا تھا ایک کمرے میں پانچ دوست رہتے تھے۔ اسے لاہور کیسے لے کر جا سکتا ہوں۔" اعظم بھائی جھلا گئے تھے۔

"گھر پیسے مت بھیجنا۔ اب اپنی تنخواہ سے اپنا گھر چلاؤ۔" اماں کا ارادہ اٹل تھا۔ اعظم بھائی بادل نخواستہ بیوی کو ہمراہ لے گئے تھے۔

pklibrary.com

کرائے کے مکان میں رہنے کی نوبت تین چار ماہ ہی آئی تھی۔ ان کے سسر جو پہلے ہی ہارٹ پیشنٹ تھے دل کے دورے میں جان کی بازی ہار بیٹھے۔ راشد صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ دو بیٹیوں میں بڑی نازش تھی۔ اعظم بھائی کو بیوی کے ہمراہ سسرالی گھر میں شفٹ ہونا پڑا تھا۔

اماں نے اس بات پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ انہوں نے ان چاہی بہو کو سچائی سمجھ کر قبول کرلیا تھا لیکن بہو نے خود بھی سسرال والوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں اول روز سے حائل خلیج کو پاٹنے کی رتی برابر کوشش نہ کی۔ اس نے تو کبھی پلٹ کر سسرال کی دہلیز پر قدم تک نہ رکھا تھا۔ چار، چھ ماہ بعد اعظم بھائی گھر والوں کو اپنی صورت دکھا جاتے تھے۔ ورنہ رابطے کا ذریعہ موبائل فون ہی تھا۔ ان کی گفتگو میں بیوی کے دکھڑوں کے علاوہ کوئی تیسری بات نہ ہوتی۔ نازش پھوہڑ تھی۔ بدسلیقہ اور بداخلاق بھی۔ اعظم بھائی جیسے تیسے کرکے اس کے سنگ زندگی گھسیٹ رہے تھے۔

★ ★ ★

گھر کی ذمہ داری اب عزم کے سر تھی۔ ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد اسے اچھی نوکری تو مل گئی تھی لیکن اس تنخواہ کا بڑا حصہ ان کمیٹیوں کی نذر ہوجاتا جو اماں نے روشنی کی شادی کے لیے ڈال رکھی تھیں۔ روشنی کا رشتہ خاصے کھاتے پیتے گھرانے میں طے ہوا تھا۔ کامران، اویس بھائی (اجالا کا شوہر) کے دوست کا چھوٹا بھائی تھا۔ اجالا کے گھر کسی تقریب میں ان لوگوں کو روشنی پسند آگئی تھی۔

اماں اپنے سے اونچے گھرانے میں رشتہ کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں لیکن اویس نے کامران اور اس کے گھر والوں کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے۔

منجھلی پھپھو نے بھی بیٹے کی ہاں میں ہاں ملائی بھاوج کو سمجھایا کہ اتنا اچھا رشتہ ٹھکرانا کفران نعمت ہے۔ اجالا اور عزم کو بھی روشنی کے لیے کامران بے حد مناسب لگا تھا۔ اعظم کو نہ اس معاملے سے دلچسپی تھی نہ ہی اس نے کامران اور اس کے گھر والوں سے ملنے کا تکلف کیا۔ اماں کو بڑے بیٹے کی بے گانگی پر خاصا قلق ہوا تھا لیکن پھر خود ہی بیٹے کو بری الذمہ قرار دے دیا۔

"بے چارہ اعظم بھی کیا کرے۔ ایسے معاملوں میں پڑنے سے اس لیے کتراتا ہے کہ لوگ اس کی بیوی کی غیر موجودگی کے بارے میں استفسار کریں گے۔ اب بے چارہ کس کس کو وضاحت دیتا پھرے کہ اس کی بیوی سسرالیوں کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں مرحوم باپ کی زبان کا مان رکھنے کی خاطر بے چارہ بچہ یہ زبردستی کا بندھن نبھائے جارہا ہے۔" اماں آہ بھر کر کہتیں۔

بہرکیف اعظم بھائی اور نازش بھابھی کی غیر موجودگی میں ہی روشنی کی منگنی انجام پا گئی تھی۔ اماں نے شادی کی تیاری کے لیے کچھ مہلت مانگ لی تھی اگرچہ روشنی کے سسرال والے اماں کو بارہا منع کرچکے تھے کہ انہیں کسی قسم کا کوئی جہیز نہیں چاہیے لیکن یہ منجھلی پھپھو والا معاملہ تھوڑی تھا۔ جو اماں اتنی آسانی سے یہ بات مان لیتیں۔ انہوں نے روشنی کا جہیز جوڑنا شروع کردیا تھا۔

عزم پہلی تاریخ کو ساری تنخواہ اماں کے ہاتھ پر رکھ کر معمولی رقم اپنے خرچے کے لیے مانگتا۔ بیٹے کی تابع داری پر اماں کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ وہ اسے دعاؤں سے نوازے جاتیں اور یہ عزم کی تابع داری ہی تو تھی کہ وہ اس وقت دل پر جبر کرکے اعظم بھائی کے سسرال آن پہنچا تھا۔ اس کے دوسرے دو کولیگز اچھے ہوٹل میں ٹھہرے تھے ان کے اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ نہ ٹھہرا۔ قیام وطعام کی مد میں کمپنی نے ٹھیک ٹھاک ادائیگی کرنا تھی۔ اچھا تھا ناں وہ پیسے بھی روشنی کے کام آجاتے۔

اعظم بھائی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے عزم نے ایک بار پھر خود کو سمجھایا تھا کہ بھائی کے ہاں قیام کرنے میں ایسا کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

تیسری دستک پر دروازہ کھلا تھا۔ وہ کوئی لڑکی تھی

جو ذرا سا دروازہ کھول کر بنا کوئی بات کیے فقط سوالیہ نگاہوں سے عزم کو دیکھ رہی تھی۔

''اعظم بھائی ہیں گھر پر؟'' عزم کو یہ ہی پوچھنا تھا۔

''وہ اس وقت گھر نہیں ہوتے۔'' سوال کی طرح جواب بھی مختصر تھا۔

''میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں۔ ملتان سے آیا ہوں۔'' عزم کو تعارف کروانا پڑا تھا۔ امید تھی اس تعارف کے بعد دروازہ پورا کھل جائے گا لیکن لڑکی کا چہرہ کسی خیر مقدمی مسکراہٹ کے بنا اب بھی پہلے کی طرح سپاٹ ہی تھا۔

''اعظم بھائی شام سات بجے سے پہلے گھر نہیں لوٹتے۔ وہ آئیں گے تو میں انہیں آپ کے آنے کا بتادوں گی۔''

انداز اب آپ جا سکتے ہیں والا تھا۔ ناگواری کی شدید لہر نے عزم کے وجود کا احاطہ کرلیا۔ اس کے ہاتھ میں موجود سفری بیگ یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ مسافر ہے۔ یہ گھر چاہے اس کے بھائی کی ملکیت نہ تھا لیکن اعظم بھائی رہتے تو یہیں تھے اور یقیناً گھر کے مکینوں کے کفیل بھی وہی تھے اور یہ لڑکی جو شاید ان کی بیوی کی بہن ہوگی کس بے مروتی سے اسے دروازے سے ہی لوٹا رہی تھی اب عزم کا خود یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ واپس پلٹنے ہی والا تھا کہ پیچھے کوئی آن رکا تھا۔

''کون ہے اجر؟'' وہ نازش بھابھی تھیں جو بہن سے اس کے بارے میں استفسار کر رہی تھیں۔ عزم نے رخ موڑ کر انہیں سلام کیا تھا۔ چار، پانچ برس پہلے جب نازش اعظم بھائی سے نکاح کے بعد ملتان آئی تھیں تو بے شک ان کا سسرال میں قیام چند روز ہی تھا لیکن اس مختصر قیام میں بھی دیور بھابھی کا سامنا اتنی بار تو ہوا تھا کہ عزم نے انہیں فوراً پہچان لیا۔ اور نازش جو خود بہن سے اس کے بارے میں استفسار کر چکی تھیں لیکن بہن کے جواب کا انتظار کیے بنا ان کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرت در آئی تھی۔

''عزم؟'' انہوں نے بے یقینی بھرے انداز میں کنفرم کرنا چاہا۔ عزم نے بدقت مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''آؤ نا، اندر چلو باہر کیوں کھڑے ہو۔'' اگلے ہی پل وہ اپنائیت بھرے انداز میں مخاطب ہوئیں۔ اجر نے تیکھی نگاہ بہن پر ڈالی پھر اندر پلٹ گئی تھی۔ عزم نے بھی بھاوج کی معیت میں قدم اندر بڑھا دیے۔

نازش بھابھی کے ہاتھ میں کپڑوں کے کئی شاپر تھے۔ غالباً شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔ مدت بیتی اعظم بھائی نے اماں کو ایک دھیلا نہ بھجوایا تھا۔ یہاں بیوی ان کی کمائی دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی تھی۔

شاپنگ بیگز کے اندر سے جھلملاتے کپڑوں کا ڈھیر جھلک رہا تھا۔

''اجر! یہ کپڑے پکڑو بھئی۔'' نازش نے ہانک لگائی۔ اسی بدمزاج سی لڑکی نے آگے بڑھ کر بہن کے ہاتھ سے شاپرز پکڑ لیے تھے۔ نازش عزم کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں۔ کسی زمانے میں اس گھر کا شمار اچھے گھروں میں کیا جا سکتا ہوگا لیکن اب در و دیوار سے خستہ حالی ٹپک رہی تھی۔

''اور سناؤ عزم! کیا حال ہے گھر میں سب کیسے ہیں۔ اماں، روشنی، اجالا باجی۔ سب ٹھیک تو ہیں نا۔'' وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہی تھیں۔

ان کی یہ اپنائیت دکھاوے کے سوا کچھ نہ تھی۔ اتنے برسوں میں سسرال جانا تو درکنار، انہوں نے کبھی فون تک کرنا گوارا نہ کیا۔ اعظم بھائی کو ایسا اسیر کرلیا کہ اماں بیٹے کی شکل دیکھنے کو ترس جاتی تھیں اور اب اس انداز میں عزم سے مخاطب تھیں جیسے انہیں سب سسرالی بہت عزیز ہوں، عزم کی تربیت اور تہذیب کو گوارا نہ تھا کہ وہ کوئی جتلاتا ہوا فقرہ لوٹاتا سو اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا۔

''سب ٹھیک ہیں جی!''

''چائے بنواؤں تمہارے لیے یا کوئی کولڈ ڈرنک۔ گرمی بہت ہے میرا خیال ہے ٹھنڈا

مناسب رہے گا۔" وہ خود کلامی کرتی اٹھی تھیں۔

"چائے بوتل کا تکلف رہنے دیں بس ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دیں۔" عزم نے انہیں شائستگی سے مخاطب کیا۔

"اجر کہاں رہ گئی ہو۔ ٹھنڈا پانی تو لے آؤ۔" نازش نے پھر بہن کو ہانک لگائی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ چھوٹی ٹرے میں فقط ٹھنڈے پانی کا گلاس لیے ہی حاضر ہوئی۔ عزم کو خیر پانی کی ہی طلب تھی سو شکریہ کہہ کر گلاس لبوں سے لگالیا۔

نازش آنکھوں ہی آنکھوں میں بہن کو اشارہ کر رہی تھیں کہ خاطر کا کچھ اور اہتمام بھی کرے لیکن اجر ان نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر بھی انجان بن گئی۔ اس بن بلائے مہمان کی خاطر کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"بہت دن ہو گئے اعظم بھائی سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ اب میں آفس کے کام سے لاہور آیا تو اماں نے کہا بھائی کی خیریت پوچھ آنا۔ بس اسی لیے سیدھا یہیں آ گیا۔ کب تک آئیں گے اعظم بھائی؟ ان سے ملاقات ہو جائے تو پھر چلوں گا بلکہ اعظم بھائی سے ہی پوچھوں گا کہ رہائش کے لیے کون سا ہوٹل مناسب رہے گا۔ کوئی ایسی جگہ مل جائے جو میرے آفس سے زیادہ دور نہ ہو۔" عزم نپے تلے انداز میں مخاطب کیا۔

"لو بھلا بتاؤ۔ اپنا گھر ہوتے ہوئے تم ہوٹل میں رکو گے۔ اعظم تو بھلے سے برا مانیں یا نہیں لیکن میں سخت خفا ہو جاؤں گی تم یہیں رکو گے ہمارے پاس۔" نازش نے اپنائیت بھرے انداز میں دھونس جمائی۔

عزم کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھر گئیں۔ اللہ بچائے ان عورتوں کی منافقت سے یوں ظاہر کر رہی تھیں جیسے وہ ان کا چہیتا دیور ہی تو ہو۔ لیکن اگلے ہی پل اس نے اپنے طنزیہ تاثرات چھپا کر بہت شائستگی سے پھر معذرت کی۔

"یوں مناسب نہیں لگتا۔ میرے دوسرے کولیگز بھی ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ میں ان کے ساتھ ایزی رہوں گا۔ یہاں آپ لوگوں کو میری وجہ سے زحمت ہو یہ مجھے گوارا نہیں۔"

"کوئی زحمت نہیں ہو گی ہمیں۔ بس میں نے کہہ دیا ہے۔ تم یہیں رہو گے اور اب فریش ہو جاؤ۔ میں اجر سے کہہ کر تمہارا کمرہ سیٹ کرواتی ہوں پھر کھانا لگاتی ہوں۔ پہلے سے تمہارے آنے کا پتا ہوتا تو کچھ اہتمام کر لیتی۔ فی الحال تو جو دال دلیہ پکا ہے اسی پر گزارا کرنا پڑے گا۔" وہ قدرے بے تکلفی بھرے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔ عزم بھی مسکرا دیا۔

ظاہر ہے جب یہاں رہنا تھا تو کچھ منافقت اسے بھی تو دکھانی تھی، چاہے مسکراہٹ کی صورت میں ہی سہی۔

اعظم بھائی شام ڈھلے گھر لوٹے تھے۔ عزم کو دیکھ کر عزم کی توقع سے بڑھ کر حیران ہوئے لیکن یہ کوئی خوش گوار حیرانی نہیں کہ کم از کم عزم کو تو ان کے تاثرات دیکھ کر یہ ہی لگا۔

"مہینے بھر کے لیے آئے ہو۔ آنے سے پہلے اطلاع تو کر دیتے یار۔"

حالانکہ عزم بتا چکا تھا کہ ان سے رابطہ ممکن نہ ہو پایا تھا پھر بھی انہوں نے دوسری بار یہ ہی شکوہ دوہرایا۔

"آپ نے شاید سم بدل لی ہے بھائی! اب نیا نمبر دیجیے گا محفوظ کر لوں گا۔ اماں بھی آپ سے بات کرنے کو بے چین تھیں کتنا عرصہ ہو گیا آپ نے چکر ہی نہ لگایا۔"

عزم نے بھی چھوٹا سا شکوہ کر ڈالا۔ نازش نے تو پھر چھوٹتے ہی سب گھر والوں کی خیریت پوچھی تھی۔ اعظم بھائی کو خیال ہی نہ آیا کہ ماں بہنوں کی خیریت جاننی چاہیے۔ عزم نے خود ہی ماں کا تذکرہ کیا لیکن اعظم بھائی اب بھی کچھ غیر حاضر دماغ سے تھے۔

"ہاں بس خیال نہیں رہا کہ تم لوگوں کو نیا نمبر دے دوں پرانا موبائل کھو گیا تھا۔ سم بلاک کروا دی۔"

"وہی نمبر نکلوا لیتے۔ ہم تو آپ سے رابطہ میں رہ سکتے تھے ناں۔ چلیں خیر اب پہلی فرصت میں اماں

pklibrary.com

کوفون کر لیجیے گا۔ بہت یاد کرتی ہیں آپ کو۔"

"کرلوں گا یار، فون بھی کرلوں گا۔" وہ قدرے جھلا کر بولے۔ "مصروفیت ہی اس قدر ہے کہ بندے کو اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ یہ ہی سوچا تھا چار دن کی چھٹی ملے گی تو ملتان کا چکر لگاؤں گا۔ تم بتاؤ وہاں سب خیریت تو ہے نا۔"

اس بار قدرے رسانیت بھرے انداز میں مخاطب ہوئے۔ عزم گھر والوں کے حال احوال سے آگاہ کرنے لگا۔ اماں کا گھٹنا۔ بڑھتا بلڈ پریشر، روشنی کی شادی کی تیاریاں۔ اجالا آپی کے بچوں کا تذکرہ اپنی دانست میں وہ گھر والوں کا مفصل احوال بیان کر رہا تھا لیکن پھر اعظم بھائی کی عدم دلچسپی محسوس کر کے خاموش ہو گیا۔

"چلیں اب باقی باتیں بعد میں کر لیجیے گا۔ اجر نے دستر خوان لگا دیا ہے۔ کھانا کھا لیجیے۔" اسی لمحے نازش بھابی نے پکارا تھا۔

اعظم بھائی ہمیشہ نازش بھابھی کی بد سلیقگی۔ اور بدمزہ کھانوں کے قصے سناتے تھے۔ عزم ان بدمزہ اور بدذائقہ کھانوں کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے آیا تھا لیکن دوپہر کے کھانے کی طرح اب رات کا کھانا بھی خاصا خوش ذائقہ تھا۔ اب اللہ جانے کھانا بھابھی نے بنایا تھا یا ان کی اس بدمزاج سی بہن نے جو گھر میں چلتی پھرتی تو نظر آ رہی تھی لیکن عزم نے دوبارہ اس کی آواز تک نہ سنی تھی۔

اس کے چہرے کے تاثرات بھی اکھڑے سے تھے۔ خیر عزم کو بھائی کی سالی کے چہرے کے تاثرات سے کیا لینا دینا تھا۔ اس گھر میں قیام اس کی مجبوری تھی۔ جیسے تیسے کر کے اس نے یہ ایک مہینہ گزارنا تھا اور پھر اپنے گھر کی راہ لینی تھی۔

نازش بھابھی نے کمال فراخ دلی سے گھر کا ایک کمرہ اس کے لیے سیٹ کر دیا تھا۔ صبح اسے آفس کے لیے جلد نکلنا تھا سو بھائی کو شب بخیر کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد نازش بھابھی معذرت خواہانہ انداز میں دستک دے کر اندر آئی تھیں۔

"اجر اپنی کتابیں اٹھانا بھول گئی تھی، وہ ہی لینے آئی ہوں۔" نازش بھابھی نے ایک کونے میں دھری میز پر سے کتابوں کا ڈھیر اٹھایا تھا۔ عزم کو اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ جو کمرہ اسے "الاٹ" ہوا ہے وہ بھابھی کی اس بدمزاج بہن کا ہے۔

"مجھے تو سونے کے لیے صرف ایک پلنگ چاہیے تھا بھابھی، چاہے برآمدے میں ہی بچھا دیتیں۔ دن میں میں نے کون سا گھر پر رہنا ہے۔ میری وجہ سے کوئی گھر کا فرد بے آرام ہو، یہ مجھے گوارا نہیں۔ آپ نے ناحق اپنی بہن کو کمرہ بدر کیا۔" عزم واقعی خجالت محسوس کر رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں۔ بلاوجہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک کمرہ اوپر بھی ہے اجر وہاں رہ لے گی۔ تم سو جاؤ آرام سے۔" وہ رسانیت سے کہتی پلٹ گئیں۔

"نازش بھابھی اتنی بھی بدمزاج نہیں جتنا بھیا ہمیشہ ڈھونڈورا پیٹتے رہے۔" سونے سے پہلے عزم نے آخری بات یہ ہی سوچی تھی۔

☆☆☆

اگلے دو چار دن بہت مصروف گزرے تھے۔ صبح ناشتہ کر کے گھر سے نکلتا۔ سارا دن آفس کی نذر ہو جاتا تو رات تک دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا شغل ہوتا۔ اس کے دوسرے کولیگز جو ساتھ ٹریننگ پر آئے تھے ان پر مالی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہ تھا۔

وہ بے فکرے یہ شب و روز انجوائے کر رہے تھے۔ دو دن ان کی طرف سے دعوت شیراز اڑائی تو تیسرے دن کھانے کا بل دینے کی باری آئی تو دوستوں کے منع کرنے کے باوجود عزم نے بل پے کیا۔ آج کا بل گزشتہ دونوں کی نسبت خاصا تگڑا تھا۔ عزم ہرگز کنجوس نہ تھا لیکن گھریلو حالات کی وجہ سے بچت پروگرام پر سختی سے کاربند رہتا تھا۔ یہ احساس کہ ماں دانتوں سے پکڑ پکڑ کر پیسہ خرچ کرتی ہے اسے فضول خرچی کرنے ہی نہ دیتا۔

آج کی دعوت کا تگڑا بل ادا کرنے کے بعد

عزم کو اندازہ ہوگیا کہ دوستوں کے ساتھ سیر سپاٹے کے پروگرام مزید جاری نہیں رہ سکتے۔ اگلے دن وہ آفس سے سیدھا گھر گیا تھا۔ دوستوں نے روکنے کی کوشش کی تو اس نے سہولت سے معذرت کرلی۔

''اعظم بھائی ناراض ہوتے ہیں یار! کہتے ہیں لاہور آکر بھی دوستوں کے ساتھ مصروف ہو، اب جتنے بھی سیر سپاٹے ہوں گے فیملی کے ساتھ ہوں گے۔'' اس نے عذر تراشا۔

دل ہی دل میں اس عذر پر ہنسا بھی تھا۔ بھائی کے گھر آنے کے باوجود بھائی سے آمنا سامنا نہ ہونے کے برابر تھا۔ صبح جس وقت عزم آفس کے لیے نکلتا بھائی سو رہے ہوتے رات کو بھی جانے کس پہر ان کی واپسی ہوتی تھی۔ عزم اب تک ان کی ڈیوٹی ٹائمنگ ہی نہ سمجھ پایا تھا۔

نازش بھابھی خاصی سوشل قسم کی خاتون تھیں۔ ان کے پاس ہمہ وقت محلے کی خواتین کا آنا جانا لگا رہتا۔ کبھی وہ خود شاپنگ کے لیے نکلی ہوتیں۔ باقی کا وقت سلائی مشین کے سامنے گزرتا۔ اللہ جانے ڈھیروں ڈھیر کپڑے جو وہ سیتی تھیں۔ انہیں پہننے کی نوبت کب آتی تھی۔

گھر میں تو وہ بہت عام، گھریلو قسم کے حلیے میں ہوتی تھیں۔ اعظم بھائی کے سامنے تو اور بھی معمولی لگتیں۔ دو چار دنوں میں ہی عزم کو اندازہ ہوگیا کہ دونوں میاں بیوی کے تعلقات مثالی تعلقات کے زمرے میں نہیں آتے۔ اعظم بھائی نے تو ہمیشہ ایسا نقشہ کھینچا تھا جیسے نازش بھابھی بہت دبنگ اور جھگڑالو قسم کی بیوی ہیں، وہ شوہر کو گھر والوں سے معمول کے رابطے تک رکھنے کی اجازت نہیں دیتیں لیکن نازش بھابھی کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اعظم بھائی کی باتیں مبالغہ آمیزی کے سوا کچھ نہ تھیں۔

کبھی اتفاق سے اعظم بھائی عزم کی موجودگی میں گھر پر ہوتے تو نازش بھابھی شوہر کے آگے پیچھے پھرتیں۔ اعظم بھائی کے مزاج مشکل ہی ملتے۔

نازش بھابھی کے متعلق دور ہونے والی اگلی غلط فہمی ان کے سوشل ہونے کے بارے میں تھی۔ آس پڑوس کی خواتین کا آنا اس لیے نہ تھا کہ وہ نازش سے گپ شپ لگانے آتی تھیں۔ نہ ہی نازش کا ہمہ وقت سلائی مشین کے سامنے ہونے کا یہ مطلب تھا کہ وہ نت نئے کپڑے سینے کی بہت شوقین تھیں بلکہ وہ اجرت پر کپڑے سلائی کرتی تھیں۔

اس روز گلے کی ایک ادھیڑ عمر خاتون نازش بھابھی کے کمرے سے تیز تیز بولتی باہر نکلیں۔

''علاقے میں درزنیں بہت بی بی! پڑوس میں گھر ہونے کی وجہ سے تمہارا لحاظ خیال کرتے ہوئے تم سے کپڑے سلواتے تھے لیکن اب تمہاری سلائی میں وہ پہلے والی نفاست اور صفائی نہیں رہی۔ ڈیزائن بتاتے کچھ ہیں تم بناتی کچھ ہو۔ میری بیٹی کے اتنے مہنگے سوٹ کا کیا حشر کردیا تم نے میری توبہ جو آئندہ تم سے کچھ سلوایا۔''

نازش بھابھی خاتون کے پیچھے پیچھے معذرت خواہانہ انداز میں کچھ کہتی باہر لپکی تھیں لیکن خاتون کے تیور ہنوز کھڑے بگڑے سے تھے۔ عزم بھی آفس سے گھر لوٹا تھا۔ اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اسے باہر کا منظر بھی بخوبی نظر آرہا تھا اور عورت کی پاٹ دار آواز بھی سماعت تک با آسانی پہنچ رہی تھی۔

عورت کے جانے کے بعد نازش بھابھی پر بگڑنے کی باری اجر کی تھی۔

''کتنی بار آپ سے کہا ہے شاہدہ باجی کے کپڑے مت لیا کریں۔ یہ ان کا طریقہ وارادت ہے۔ سلائی میں نقص نکال کر آدھی اجرت دیتی ہیں۔ محلے کی جن دوسری درزنوں کا ذکر کررہی تھیں آخر ان سے ہی کیوں نہیں سلواتیں کپڑے۔ ایک آپ ہی ملی ہوئی ہیں انہیں۔ ہر بار ان کی جلی کٹی سن کر اگلی بار پھر ہنستے مسکراتے سلائی کے کپڑے رکھ لیتی ہیں۔ اتنے کم پیسوں میں اس محلے میں تو کیا پورے علاقے میں کوئی کپڑے نہیں سیتا اور شاہدہ باجی وہ اجرت بھی پوری نہیں دیتیں۔ ذلیل الگ کرتی ہیں۔''

اجر بہن پر بگڑ رہی تھی، عزم نے پہلی بار بھابھی

pklibrary.com

کی بہن کی اتنی بلند آواز سنی تھی ورنہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی۔ خصوصاً عزم کے سامنے تو لب سیے گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔

آج پہلی بار عزم کی موجودگی کو فراموش کرتے ہوئے وہ بہن سے الجھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات شدید غصے اور غم کی غمازی کر رہے تھے۔ دکھ تو عزم کو بھی ہوا تھا۔

نازش بھابھی اجرت پر لوگوں کے کپڑے سیتی تھیں، اعظم بھائی نے تو کبھی اس بات کا تذکرہ تک نہ کیا تھا۔

"اعظم بھائی کی تنخواہ میں گھر کے خرچے پورے نہیں ہوتے بھابھی!" ذرا دیر بعد وہ اسے چائے دینے آئیں تو عزم پوچھے بنا نہ رہ پایا تھا۔ نازش بھابھی لمحہ بھر کے لیے گنگ سی ہوگئی تھیں چہرے کے اتار چڑھاؤ بھی کچھ ناقابل فہم سے ہوئے۔

"معذرت چاہتا ہوں، شاید مجھے آپ کے گھریلو معاملے میں نہیں بولنا چاہیے تھا۔" عزم ذرا خفیف ہوا تھا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ معذرت کیوں کر رہے ہو۔" اس بار انہوں نے اپنائیت سے اسے ڈپٹا۔

"دراصل ابھی کچھ دیر پہلے وہ خاتون جو آپ سے الجھ رہی تھیں مجھے بالکل اچھا نہ لگا۔ میرے خیال میں تو اعظم بھائی کی تنخواہ اچھی خاصی ہوگی۔ گھر کے خرچے باآسانی پورے ہوسکتے ہیں۔ آپ کیوں سلائی مشین سنبھالے رکھتی ہیں۔" ان کی اپنائیت سے حوصلہ پاکر عزم کہے بغیر نہ رہ پایا تھا۔

"بس یوں سمجھ لو عزم کہ یہ میرا شوق ہے۔"

نازش بھابھی مختصر سا جواب دے کر فوراً واپس پلٹی تھیں۔ عزم کو جانے کیوں ان کی آواز بھیگی بھیگی سی لگی تھی۔ اس کا ذہن مزید الجھ گیا۔

☆☆☆

"اب یہ بتائیں آپی کہ پاؤ بھر گوشت میں ڈھیر سارے آلو ڈال کر آپ نے جو آلو گوشت بنوایا ہے تو گوشت کی یہ چار بوٹیاں اعظم بھائی کے لیے نکال کر رکھوں یا آپ کے دیور صاحب کے ڈنر میں پیش کی جائیں گی۔"

اجر ہانڈی میں ڈوئی چلاتے ہوئے اپنی دانست میں نازش سے مخاطب ہوئی تھی اسے گمان بھی نہ تھا کہ قدموں کی چاپ نازش کے بجائے عزم کی ہے۔ عزم کو خود اندازہ نہ تھا کہ باورچی خانے میں اس وقت بھابھی کے بجائے ان کی بہن محترمہ موجود ہوں گی۔ وہ اپنے کمرے سے چائے کے جھوٹے کپ اٹھا کر کچن میں رکھنے آیا تھا۔ اجر کی بات سن کر جانے کیوں غصے کے بجائے خفیف سی ہنسی ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"میں ویجی ٹیرین ہوں گوشت کے بجائے آلو زیادہ شوق سے کھاتا ہوں۔ آپ گوشت کی بوٹیاں اعظم بھائی کے لیے بچا کر رکھ لیں۔ میں آلو اور شوربہ بہت شوق اور رغبت سے کھالوں گا۔"

اس نے مسکراہٹ چھپا کر سنجیدہ سے لہجے میں اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اس بری طرح سٹپٹائی کہ ڈوئی اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"لیکن اعظم بھائی گوشت کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔ بوٹیوں کی تعداد کم ہو تو خاصے خفا ہوجاتے ہیں۔"

اجر کو سنبھلنے میں چند پل لگے تھے۔ اور پھر وہ اپنے مخصوص اکھڑ سے لہجے میں عزم سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس کے لبوں سے اعظم بھائی کی برائی سن کر بھی عزم کو برا نہ لگا۔ اگر وہ اعظم بھائی سے شاکی تھی تو شاید اس میں حق بجانب تھی۔ وہ کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"آپ صرف یہ برتن رکھنے آئے تھے یا آپ کو کچھ چاہیے؟" اس کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے اجر نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"شکریہ۔ کچھ نہیں چاہیے۔" وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ اجر نے اس کی پشت کو دیکھا۔ شکل وصورت میں اعظم بھائی سے کتنا مماثل لیکن عادتوں میں کتنا مختلف

pklibrary.com

تھا۔ وہ سوچے بنا نہ رہ پائی تھی۔

☆☆☆

''بھائی کے گھر کے حالات ویسے بالکل نہیں ہیں اماں، جیسا وہ ہمیشہ ظاہر کرتے آئے تھے۔'' ماں سے فون پر بات ہوئی تو عزم کہے بنا نہ رہ پایا۔

''کیا مطلب ہے تیرا عزم؟'' اماں نے الجھ کر پوچھا۔

''میں بالکل وثوق سے تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں اماں لیکن پھر بھی یہاں سب ویسا نہیں ہے جیسا اعظم بھائی بتاتے تھے۔ نازش بھابھی تو خاصی بے ضرر اور مظلوم سی خاتون ہیں۔ اعظم بھائی کے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہیں لیکن بھائی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ میرا نہیں خیال کہ نازش بھابھی کے کہے میں آکر بھیا ہم لوگوں سے دور ہوئے۔ نازش بھابھی کو آڑ بنا کر بھیا نے ہم سے دوری اختیار کی اماں، میں تو یہاں رہ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' وہ ماں سے مخاطب ہوا۔

''میرا بھولا بچہ۔ تجھے عورتوں کے چلتروں کا کیا پتا۔'' نازش نے تیرے سامنے اپنی مظلومیت کا ڈھونگ رچایا ہوگا۔ وہ عورت بہت گھنی اور تیز ہے تو اس کی باتوں میں آگیا۔''

اماں صدمے میں مبتلا ہوگئیں۔ عزم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اماں کو سمجھانا اتنا آسان نہ تھا۔ وہ اپنے کانوں سنی پر عزم کی آنکھوں دیکھی کا اعتبار نہ کر پا رہی تھیں اور اتنی دور بیٹھ کر وہ اماں کو بحث کے ذریعے قائل کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھا سو خاموش رہنے کو ترجیح دی۔ لیکن اعظم بھائی کے گھر کے معاملات اس کی سوچ سے بھی زیادہ گھمبیر تھے۔

وہ اپنی شرٹ کا ٹوٹا بٹن لگوانے نازش بھابھی کے کمرے کی طرف گیا تھا لیکن دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی اندر کی آوازوں نے اس کے قدم جکڑ ڈالے۔ وہ اجر تھی جو روہانسی ہو کر بہن سے مخاطب تھی۔

''ہزار، پندرہ سو کی کیا اوقات ہے آپی! اعظم بھائی سے لے دیجیے۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود سب دوستیں گفٹ لے کر کل شام کو گھر آرہی ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں مجھے سالگرہ منانے کا قطعی کوئی شوق نہیں لیکن اپنا بھرم بھی تو قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اب دوستوں کو کیا کہہ کر منع کروں کہ ان کی خاطر مدارت کے میرے پاس پیسے نہیں، اس لیے وہ آنے کی زحمت نہ کریں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کیا کروں اجر، سلائی کے پیسوں سے سودا سلف منگوا چکی ہوں۔ دکانوں کا کرایہ ابھی آیا نہیں۔ اعظم تو خود صابر بھائی پر خفا ہو رہے تھے۔ پہلی گزرے کتنے دن ہوگئے۔ صابر بھائی نے کرایہ نہیں دیا۔ دکان کے ملازم کہتے ہیں کہ وہ کسی فوتگی میں ٹنڈو آدم گئے ہیں۔ ورنہ اتنی دیر، سویر تو کبھی نہیں ہوئی۔''

''دیر ہو یا سویر ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ دکانوں کا کرایہ تو اعظم بھائی کی جیب میں ہی جاتا ہے نا کہنے کو گھر کا راشن اعظم بھائی ڈالوتے ہیں لیکن آپ بھی جانتی ہیں اس راشن میں کبھی مہینہ پورا نہیں گزرتا۔ آپ کی سلائی کے پیسے نہ ہوں تو شاید نوبت فاقوں تک ہی پہنچ جائے۔''

''اتنی تلخ کیوں ہو رہی ہو اجر۔'' نازش بھابھی کی تھکی تھکی آواز عزم کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''سچائی تلخ ہی ہوتی ہے آپی، کتنی بار آپ سے کہا ہے دو دکانوں کا کرایہ اپنے ہاتھ میں رکھا کریں۔ دکانوں پر اعظم بھائی کا کیا حق ہمارے ابا کی ہیں وہ۔ اعظم بھائی اپنی تنخواہ کی ایک ایک پائی تو اپنے گھر والوں کو بھیج دیتے ہیں۔ میری نہ سہی آپ کے نان نفقے کی ذمہ داری تو ان ہی کی ہے ناں۔ چلو آپ کو تنخواہ کا ایک دھیلا نہ دیں۔ دکانوں کا کرایہ ہی دے دیں۔ ہم بجٹ بنا کر اپنے حساب سے خرچ کریں گے۔ ہر ضرورت کے لیے اعظم بھائی کے سامنے ہاتھ تو نہیں پھیلانا پڑے گا۔''

اجر کے انکشافات سن کر عزم ساکت رہ گیا تھا۔

''مجھ سے اب آپ کی یہ حالت مزید نہیں دیکھی

جاتی آپی۔ سلائی کرکر کے آپ کی کمر دوہری ہوگئی ہے۔ اللہ نے کتنے دنوں بعد خوش خبری دی ہے۔ اس حالت میں بھی اعظم بھائی کو آپ کی رتی برابر پروا نہیں۔ اچھی خوراک اور آرام کی ضرورت آپ کو ہے لیکن اعظم بھائی تو گھر میں پکے گوشت اور بازار سے آئے دودھ پر بھی صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔ پتا نہیں اللہ نے آپ کی قسمت میں ایک خود غرض شخص کا ساتھ ہی کیوں؟"

"اب بس کردو اجر، شکر کرو اعظم صرف خود غرض ہیں بدنظر نہیں۔ ابا کے بعد میں تمہاری ذمہ داری کیسے اٹھائی۔ اپنے سگے رشتہ دار کتنے ابن الوقت اور طوطا چشم ہیں۔ پھر سارے تایا، چچازاد کیسے اوباش اور آوارہ ہیں۔ اعظم کا وجود کس قدر غنیمت ہے پگلی۔ کسی اپنے پرائے کو جرأت نہیں اس دہلیز کو عبور کرنے کی۔ ورنہ لوگ ہمیں تر نوالہ سمجھ کر ہڑپ کر جاتے۔ میں رات کو سوتی ہوں تو صرف میرا جسم تھک رہا ہوتا ہے یہ سوچ کر سہم طاری نہیں ہوتا کہ میری بہن غیر محفوظ ہے۔ ہر بات پر جلنے کڑھنے کے بجائے شکر کرنا سیکھو اجر۔"

نازش بہن کو سمجھا رہی تھیں۔ عزم کو مزید سننے کی تاب نہ ہوئی وہ شرٹ ہاتھ میں دبوچے واپس پلٹ گیا تھا۔

کس قدر صابر خاتون تھیں نازش بھابھی، اعظم بھائی کی باتوں میں آکر وہ لوگ ان سے کتنا عرصے بدگمان رہے۔ عزم کو یاد آیا کہ شادی کے بعد وہ چند روز جو نازش نے ملتان میں گزارے تھے تو ماں بہنوں کو ان کا سرد و سپاٹ انداز کتنا کھلا۔ کسی نے جاننے کی زحمت ہی نہ کی کہ یہ رویہ ڈر، جھجک اور خوف بھی ہوسکتا ہے، گھر آمد کے بعد اماں ابا کی جھڑپ، ان چاہے ہونے کا تصور، اعظم کی بے گانگی بھرے رویے نے انہیں اتنی ہمت ہی نہ دی کہ وہ گھر والوں سے گھلنے ملنے کی کوشش بھی کر پاتیں۔

پھر وہ شوہر کے ساتھ لاہور واپس چلی گئیں۔ سب گھر والوں کو ان کا وہ ہی لیا دیا سا انداز یاد رہا باقی کی تصویر کشی اعظم بھائی کرتے رہے۔ بیوی کو جھگڑالو، بدزبان، لڑاکا، پھوہڑ اور جانے کن کن القابات سے نوازتے تھے وہ، ماں، مرحوم شوہر کی خواہش کا پاس کرتے ہوئے ہمیشہ انہیں یہ نصیحت کرتی رہی کہ وہ اپنا گھر بسائے رکھیں۔ اماں نے تو اعظم بھائی پر بھی یہ دباؤ تک نہ ڈالا کہ وہ گھر کے خرچے کے لیے کچھ پیسے بھجوائیں اور یہاں اعظم بھائی بیوی کے سامنے یوں ظاہر کرتے رہے جیسے وہ ساری تنخواہ گھر بھجوا دیتے ہیں۔

عزم کو یاد آیا جب اس نے نازش بھابھی سے پوچھا تھا کہ بھائی کی تنخواہ میں گھر کا گزارا نہیں ہوتا؟ کیسے ناقابل فہم تاثرات ابھرے تھے ان کی آنکھوں میں، اس تاثر کا مطلب عزم کو اب سمجھ میں آیا تھا۔

کچھ دن پہلے جب وہ اعظم بھائی کے گھر رہنے آیا تھا تو اس گھر کے مکینوں سے متعلق دل و دماغ میں کس قدر منفی جذبات بسے تھے۔ اس کے بھائی کے پیسوں پر سسرال والے راج کر رہے تھے تو وہ چند دن یہاں کیوں نہیں گزار سکتا۔ اکڑی ہوئی گردن اور مغرور تاثرات کے ساتھ وہ اس گھر میں داخل ہوا تھا اور اب یہ صورت حال تھی کہ شرمندگی اور شرمساری کے مارے وہ بھابھی اور ان کی بہن سے نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اگرچہ وہ دونوں ہی نہ جانتی تھیں کہ عزم گھر کے سب حالات سے واقف ہو چکا ہے لیکن عزم سب کچھ جان بھی چکا تھا اور اعظم بھائی کا قبلہ درست کرنے کی ٹھان بھی چکا تھا۔

☆☆☆

شام کو آفس سے گھر آتے ہوئے اس کے قدم خود بخود ایک مشہور بیکری کی جانب مڑ گئے تھے۔ اسے اجر کی صبح کی باتیں یاد تھیں آج اس کی سالگرہ تھی اور اس کی دوستیں اسے وش کرنے کے لیے گھر پر آئی بیٹھی تھیں۔ دوستوں کے سامنے بھرم قائم رکھنا بعض اوقات کتنا مشکل ہوتا ہے یہ عزم سے بہتر کون جانتا تھا۔

بیکری کی سوغاتوں سے لدا پھندا جب وہ گھر

pklibrary.com

میں داخل ہوا تو گھر میں نقرئی قہقہے گونج رہے تھے گویا اجر کی سہیلیوں کی بارات نازل ہوگئی تھی۔ نازش بھابھی اور اجر دونوں ہی کچن میں تھے۔

"پلاؤ، رائتہ، سلاد بہت ہے اور کسی قسم کا تردد مت کریں آپی!" اجر بہن سے مخاطب تھی۔ جب نازش نے اجر کے پیچھے کھڑے عزم کو حیرت سے دیکھا۔ بہن کی حیرت بھری نگاہوں کا تعاقب اجر نے بھی کیا تھا پھر وہی حیرت اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"وہ دراصل میرے کچھ دوستوں نے آج مجھ سے ملنے آنا تھا لیکن جب میں نے ان کی خاطر کا سامان خرید لیا تو ان کا فون آیا کہ پروگرام بدل گیا ہے۔ اب ایک اور دوست کے ہاں سب اکٹھے ہو رہے ہیں۔" عزم نے پہلے سے سوچا ہوا بہانا کہہ سنایا۔

"میں تو فریش ہو کر دوستوں کی طرف نکل رہا ہوں۔ یہ چیزیں سنبھال کر مت رکھیے گا۔ باسی ہو جائیں گی، نہ ہی میں ان میں سے کچھ شوق سے کھاتا ہوں۔"

اس نے شاپر بھابھی کے ہاتھ میں تھمائے تھے۔ اچٹتی ہوئی نگاہ ان کی بہن محترمہ کی طرف بھی ڈالی۔ ان حیران نگاہوں میں اب کچھ بے یقینی بھی ابھر آئی تھی۔ گویا اس کا بیان جانچ پڑتال کے مرحلے میں تھا۔ جھوٹ بولنے کے بعد تو وہ ویسے بھی کچھ گھبرا سا جاتا تھا۔ سو اجر کی ایکس رے جیسی نگاہوں کو جانچ کا مزید موقع دیے بغیر پلٹنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

شومئی قسمت دو دن بعد صابر صاحب کرایہ دینے خود گھر پہنچ گئے۔ اعظم بھائی ابھی تک گھر نہ لوٹے تھے۔ ان کی ملاقات عزم سے ہوئی تھی۔ اس تعارف کے بعد کہ وہ اعظم کا بھائی ہے انہوں نے بہت معذرت خواہانہ انداز میں رقم اسے تھمائی تھی۔

"اعظم صاحب سے بہت معذرت کر لیجیے گا۔ آج تک کرائے میں کبھی دیر سویر نہ ہوئی تھی لیکن ٹنڈو آدم میں میری ہمشیرہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہیں جانا پڑ گیا۔ اللہ نے بہن کی زندگی بھی بس اتنی لکھی تھی کئی دن ہسپتال میں رہ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ ملازم بتا رہے تھے کہ اعظم بھائی دکان پر آ کر خوب ناراض رہے تھے۔ میں کل ہی پہنچا ہوں لاہور اور آج فرصت پاتے ہی کرایہ دینے آ گیا۔" انہوں نے تفصیل بتائی تھی خیر عزم کو اس تفصیل سے کیا لینا دینا تھا۔

اس نے ان کے جانے کے بعد وہ رقم اجر کو پکڑائی تھی۔ نازش بھابھی کے پاس پڑوس کی کوئی عورت براجمان تھی۔ اجر نے رقم گننے کے بعد بے یقینی سے عزم کو دیکھا۔

"کم ہیں کیا؟ وہ صاحب مجھے اتنے ہی دے گئے ہیں۔" وہ اس کے تاثرات سے ذرا پریشان ہوا تھا۔

"کم نہیں ہیں زیادہ ہیں۔ آپ نے ان کے سامنے گن کر لیے ہیں پیسے؟ وہ غلطی سے آپ کو زیادہ رقم تو نہیں تھما گئے۔" اجر دوبارہ نوٹ گنتے ہوئے بولی تھی۔

پل بھر سے بھی کم وقت لگا تھا عزم کو ماجرا سمجھنے میں۔ یقیناً اعظم بھائی زیادہ کرایہ وصول کر کے گھر والوں کو کم بتاتے ہوں گے۔ بھائی کی حرکتوں پر وہ سر اٹھانے کے بھی قابل نہ رہا تھا۔

"کرائے دار صاحب سے کہیے کہ آئندہ کرایہ اعظم بھائی کے بجائے گھر آ کر نازش بھابھی کو دے جایا کریں۔"

اس نے سنجیدگی سے اجر کو مخاطب کیا۔ اجر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی پھر بنا جواب دیے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ عزم لب کچل کر رہ گیا۔

☆☆☆

آفس کی طرف سے قیام کچھ بڑھ گیا تھا۔ وہ جو اس ارادے سے آیا تھا کہ کام نمٹا کر ہی ملتان کا رخ کرے گا۔ ویک اینڈ پر فوراً ملتان کا رخ کیا۔ اعظم بھائی کے گھر کے حالات ماں کو بتانے سے پہلے وہ

اعظم بھائی کے دوست ناصر کے گھر گیا تھا۔ ناصر ان کا — وہی دوست تھا جس کے مشورے پر وہ لاہور گئے تھے۔ ناصر بھائی کی ملازمت بھی لاہور میں تھی۔ عزم اس ارادے سے ان کے آبائی گھر گیا کہ ان کا فون نمبر حاصل کر سکے۔ خوش قسمتی سے وہ اسے گھر پر ہی مل گئے۔ وہ بھی چھٹی پر گھر آئے ہوئے تھے۔ عزم کو نہ صرف فوراً پہچان گئے بلکہ بہت تپاک سے ملے۔ رسمی سلام دعا کے بعد عزم فوراً مطلب کی بات پر آیا۔ اس نے اعظم بھائی کی سرگرمیوں کے متعلق دریافت کیا تھا۔

"کیا پوچھتے ہو یار، کام تو ہم اب بھی ایک ہی جگہ پر کرتے ہیں لیکن اعظم نے اب نئی دوستیاں بنالی ہیں۔ اچھی کمپنی نہیں ہے اس کی اب۔ بہت بار سمجھانے کی کوشش کی لیکن اسے تو پرانی دوستی کا بھی لحاظ نہیں صاف صاف کہہ دیا کہ میں اپنے کام سے کام رکھوں؟"

"کمپنی اچھی نہیں مطلب؟ وضاحت کریں گے ناصر بھائی۔ پلیز کچھ چھپایے گا نہیں سب کچھ صاف صاف بتایے۔"

عزم سب کچھ جاننے کی ٹھان چکا تھا۔ ناصر بھائی کی باتوں کا جو خلاصہ سامنے آیا کہ اعظم بھائی کے دوست مطلبی، ابن الوقت اور خود غرض تھے نہ صرف ان سے خوب پیسے اینٹھتے تھے بلکہ انہیں جوئے کی لت بھی لگوادی ہے۔ عزم تفصیل سن کر سر تھام کر رہ گیا۔ یہ معمہ بالآخر حل ہو گیا تھا کہ اعظم بھائی اپنی تنخواہ لٹاتے کہاں تھے۔

اب اماں کو یہ سب بتانے کا مرحلہ درپیش تھا۔ حسب توقع اماں پہلے تو اس کے منہ سے اعظم بھائی کی کوئی برائی سننے پر آمادہ ہی نہ ہوئیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ وہ نازش کی باتوں میں آگیا ہے۔

"اعظم بھائی آپ کی اولاد ہیں اماں، آپ ان کی فطرت سے آگاہ بھی ہیں پھر کیوں یہ فرض کیے بیٹھی ہیں کہ میں نازش بھابھی کی بلاوجہ حمایت اور اپنے بھائی کی خواہ مخواہ مخالفت کروں گا۔ اعظم بھائی پر اتنا اندھا اعتماد اور مجھ پر اتنی بے اعتباری کیا میری فطرت اور مزاج سے آپ آگاہ نہیں۔"

عزم شدید دکھ کی لپیٹ میں تھا پھر اس نے بلاکم وکاست ماں کو ساری صورت حال بتا ڈالی تھی۔ اماں کی بے یقینی پہلے حیرت میں بدلی تھی۔ پھر وہ شدید صدمے کی لپیٹ میں آگئیں۔

"اعظم بھائی نے بہت کامیابی سے نازش بھابھی اور ہم لوگوں کے درمیان دوری کی خلیج قائم کر دی۔ ہمیں یہ باور کراتے رہے کہ وہ بدزبان بیوی کے آگے مجبور۔ ہیں گھر والوں سے رسمی رابطہ رکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور نازش بھابھی کو یقیناً یہ کہا ہوگا کہ سسرال والے ان کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں۔ ان بے چاری نے تو شوہر کو دیوتا کا درجہ دے رکھا ہے۔ خود روکھی سوکھی کھا کر شوہر کو اس کا من پسند کھلاتی ہیں۔ کڑکڑاتے کلف لگے کپڑے استری کر کے۔ جوتے چمکا کر شوہر کو کام پر روانہ کرتی ہیں۔ کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں کہ ڈیوٹی آورز کے بعد بھی وہ کئی کئی گھنٹے کہاں گزارتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ اپنی تنخواہ کی ایک پائی بھی بھابھی کے ہاتھ پر نہیں رکھتے الٹا مرحوم سسر کی دکانوں کا کرایہ بھی خود ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اگر بھابھی کو سلائی نہ آتی ہوتی تو وہ اور ان کی بہن تو بھوکوں مر جاتے۔"

"اوہ میرے خدایا۔ میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔ یہ تو نے کیا کیا اعظم۔" اماں کا صدمے سے برا حال تھا۔

"میں نے تو ہمیشہ یہ سوچا کہ تمہارے ابا کی خواہش کا پاس رکھوں۔ بہو اگر ہم سے ملنا نہیں چاہتی تو بھلے نہ ملے۔ بس اعظم کا گھر بسا رہے۔ اعظم کی شادی کے فیصلے پر میں تمہارے ابا سے بہت لڑی جھگڑی تھی۔ بہت خفا تھی میں ان سے اور اسی خفگی کے عالم میں انہیں ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھی۔ بعد میں ہر پل یہی کوشش کی کہ ان کی خواہش کا مان رکھوں۔ بیٹے بہو کی زندگی میں مداخلت نہ کروں۔ انہیں ان کی زندگی جینے دوں۔

pklibrary.com

کیا خبر تھی میری یہ خود ساختہ نیکی بھی میرے ہی گلے پڑے گی۔ اب بتاؤ بھلا تمہارے مرحوم باپ کا سامنا کیسے کر پاؤں گی۔ میں کہیں گے نہیں کہ صفیہ خاتون جس بچی کو بہو بنا کر میں تمہارے گھر لایا تم نے کبھی پلٹ کر اس کی خیر خبر بھی نہ لی۔"

بدگمانی کی دھند چھٹی تو اماں کو نازش بھابھی کی مظلومیت رلانے لگی۔ کچھ بھی تھا وہ بیٹیوں کی ماں تھیں۔ صاحب فطرت رکھتی تھیں اور رفیق القلب بھی تھیں۔ بیٹے کے کرتوت جان کر ان کا جی پھٹنے کو ہو گیا۔

"ہماری تو سات نسلوں میں کوئی جواری، کوئی شرابی پیدا نہ ہوا۔ میری کھوکھ کا جنا اعظم جوئے کی لت بھی لگوا بیٹھا۔ بس یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ تھی۔"

"اب حوصلہ کریں اماں، جو وقت گزر گیا وہ پلٹ نہیں سکتا لیکن ہم اعظم بھائی کو یہ سب دہراتے رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اللہ انہیں اولاد جیسی نعمت سے نواز رہا ہے انہیں اپنے کرتوت چھوڑنے ہی ہوں گے۔" عزم کے کہنے پر اماں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اعظم نے مجھ سے یہ خبر بھی چھپائی، یہ وہ بے یقین تھیں۔

"میں نے بھابھی اور ان کی بہن کی اتفاق سے باتیں سن لی تھیں۔ میرے خیال سے تو ان باتوں کا یہ ہی مطلب نکلتا تھا۔ باقی آپ بھابھی سے خود تصدق کر لیجیے گا۔" عزم ماں سے نگاہیں ملائے بغیر بولا تھا۔

"تیری واپسی کب کی ہے عزم۔" اماں جیسے کسی فیصلے پر پہنچی تھیں۔ عزم مسکرایا۔

"کل آپ اور میں دونوں لاہور روانہ ہو رہے ہیں۔ روشنی کو اجالا آپی کے گھر چھوڑ آؤں گا۔"

اماں کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ بیٹا ان کا مزاج آشنا تھا۔ بنا کہے جان گیا کہ وہ کیا کہنے والی ہیں اور انہوں نے بیٹے کی بات پر اعتبار کرنے میں کتنی دیر لگا دی۔ انہوں نے عزم کا ماتھا چوم لیا تھا۔

☆☆☆

اس گھر کے مکینوں کے تاثر حسب توقع تھے۔ عزم کے ساتھ اماں کو دیکھ کر نازش گھبرائی تھی۔ اجر حیران تھی اور اعظم بھائی ماں کی اچانک آمد پر بظاہر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کتنے پریشان اور جھنجلائے ہوئے سے تھے۔

دو دن تک اماں نے صرف گھر والوں کے معمولات کا جائزہ لیا تھا پھر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

"روشنی کی شادی سر پر ہے۔ اس کے سسرال والے کتنی بار بڑے بیٹے اور بہو کی غیر موجودگی پر استفسار کر چکے۔ بیٹے، بہو کو تو پروا ہی نہیں میں نے سوچا خود جا کر شادی کی اطلاع دے آؤں۔ کبھی بڑا بھائی مہمانوں کی طرح شادی والے دن تشریف لا رہا ہو اور بیوی کو تو شاید ساتھ لانے کی زحمت بھی نہ کرے۔"

"روشنی کی شادی میں ابھی بہت عرصہ باقی ہے اماں اور میں کیوں نہ آتا شادی میں کیا روشنی بہن نہیں میری۔" اعظم بھائی برا مان کر بولے۔

"یہاں رہ کر پتا چلا کہ دلہن کتنے اچھے کپڑے سیتی ہے مجھے تو اس کے اس ہنر کا علم ہی نہ تھا۔" اماں نے اعظم بھائی کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے روئے سخن بہو کی جانب موڑا۔

"دنیا جہاں کے کپڑے سیتی ہو۔ چھوٹی نند کی شادی ہے تم سے اتنا نہ ہوا کہ سسرال آ کر شادی کی تیاری میں میرا ہاتھ بٹا دو۔ میں اکیلی جان کیا کیا دیکھوں۔" انہوں نے ذرا خفا سے انداز میں بہو سے شکوہ کیا تھا۔

"آپ حکم کریں اماں، آپ جب کہیں گی میں ملتان آ جاؤں گی۔" نازش بھابھی دھیرے سے بولی تھیں۔

"اتنے برسوں میں تو آنے کی زحمت نہ کی اب کیسے یقین کروں تمہاری بات کا۔" اماں کی خفگی ہنوز برقرار تھی۔

"بھابھی کو اپنے ساتھ ہی لے جائیے اماں۔"

pklibrary.com

عزم نے گفتگو میں حصہ لیا۔ اعظم بھائی نے کھا جانے والی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

"بہو تم نے جو کپڑے سلائی کے لے رکھے ہیں وہ معذرت کے ساتھ واپس کردو۔ جو ایک دو سوٹ سینا شروع کر رکھے ہیں وہ فوراً مکمل کرو۔ دو دن بعد ہماری واپسی ہے۔ عزم ہمیں ٹرین میں بٹھادے گا۔" اماں کا پروگرام اٹل اور لہجہ دوٹوک تھا۔ نازش بھابھی نے حیران ہو کر اماں کو اور پھر شوہر کو دیکھا۔

"کوئی خاص کپڑے وپڑے نہیں سیتی یہ۔ آپ خواہ مخواہ شنی کے جہیز کے کپڑے خراب کروائیں گی۔" اعظم بھائی، ماں کی بات سن کر جھنجلا گئے تھے۔

"صرف کپڑے ہی نہیں سلوانے ہیں اور بھی بہتیرے کام ہیں۔ تم مجھے صرف یہ بتادو کہ اگر میں تمہاری بیوی کو اپنے ساتھ لے جاؤں تو تمہیں تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اجر بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔ عزم کا چند دن کا آفس کا کام باقی ہے یہ کسی ہوٹل وغیرہ میں رہ لے گا۔ تم تو ویسے بھی رات کے چند گھنٹے گزارنے گھر آتے ہو تمہیں کسی کے آنے جانے سے کیا فرق پڑے گا۔"

اماں نے لاپرواہ سا انداز اختیار کرتے ہوئے بیٹے کو جتایا تھا۔

"سارے فیصلے آپ کرے بیٹھی ہیں ظاہر ہے پھر میری بات کی کیا اوقات۔ مجھے کھانے پینے میں کس قدر تنگی ہوگی یہ آپ نے سوچا ہی نہیں۔" وہ خفگی سے منہ پھلائے بولے لیکن اماں کو اب ان کی خفگی سے کوئی سروکار نہ تھا۔

"لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے تو فقط شوہر کا حق نہیں ہوتا۔ اس پر سسرال کی ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں۔ کیا ساری عمر ہم نے سسرال والوں کو نہیں نبھایا۔ تمہیں تو کبھی توفیق نہ ہوئی کہ بیوی کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرو اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں تمہیں بھی اٹھانی پڑیں گی اور تمہاری جورو کو بھی قائدے، قرینے سے چلنا ہوگا۔

شادی کے بعد ایک پھوٹی کوڑی تم نے گھر نہیں بھجوائی۔ صرف عزم نے ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا ساری ذمہ داری اٹھانے کا۔ تم گھر کے بڑے بیٹے ہو اپنے فرائض کا ادراک کرو۔ روشنی کی شادی میں کھانے کا سارا خرچا تمہیں اٹھانا ہوگا۔ جہاں تک بہو کا تعلق ہے اسے اس کی ذمہ داریاں ملتان پہنچ کر سونپوں گی۔"

اماں کا لہجہ بے لچک تھا۔ عزم ان کی کارکردگی پر پوری طرح مطمئن دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ نازش بھابھی نے تو فوراً ساس کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے ساتھ چلنے پر حامی بھر لی۔ اعظم بھائی کی خفگی پر بوکھلاہٹ حاوی ہوئی تھی۔ ماں نے بیوی کے سامنے کیسا راز فاش کردیا تھا وہ تو ہمیشہ نازش کو یہ باور کرواتے آئے تھے کہ ان کی تنخواہ پر ان کے گھر والوں کا حق ہے۔ بیوی سے نگاہیں ملائے بغیر خفگی سے بڑبڑاتے وہ منظر نامے سے غائب ہوئے تھے۔

اعظم بھائی کے بعد دوسری ہستی جو اماں کے فیصلے پر جز بز ہو رہی تھی وہ اجر کی تھی۔

"لو بھلا بتائیں آپی میں خوامخواہ میں کیوں آپ کے ساتھ آپ کے سسرال جاؤں۔"

وہ بہن سے خفگی بھرے انداز میں مخاطب تھی جب عزم کچن میں داخل ہوا۔ عزم کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی لیکن چہرے پر خفگی بھرے تاثرات نمایاں تھے۔

یہ لڑکی پہلی نگاہ میں عزم کو کتنی بدتمیز، بدمزاج اور سڑیل لگی تھی اور اب یہ اپنے سڑیل پن کے باوجود کتنی اچھی لگنے لگی تھی وہ سوچتا تو خود حیران ہو جاتا۔

"نازش بھابھی کی زندگی میں اب تک جو غلط تھا، وہ صحیح ہونے جا رہا ہے آپ کو بھی تعاون کرنا پڑے گا اجر۔" وہ نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"آج سے پہلے تو آپ لوگوں کو کبھی آپی کا خیال نہیں آیا۔ اب بھی آپ کی اماں انہیں گھر کے کام کروانے ہی لے کر جا رہی ہیں ناں، ٹھیک ہے یہ بہو ہیں اس گھر کی شوق سے جائیں لیکن میں کس حیثیت سے وہاں جاؤں۔" نازش بھابھی کے ٹوکنے کے باوجود وہ بولے گئی۔

"اعظم بھائی نے ہمارے درمیان غلط فہمی کی فضا قائم کر رکھی تھی انہوں نے ہمیں نازش بھابھی سے

بدگمان کیے رکھا تو یقیناً انہیں بھی سسرال والوں کی ناراضی سے ڈرا کر ان سے رابطہ تک کرنے کا حوصلہ پیدا نہ ہونے دیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ بھابھی کو وہ عزت، مان اور مرتبہ ملے جو ان کا حق ہے اور بے فکر رہیں، اماں انہیں نوکرانی بنا کر نہیں لے جا رہی ہیں۔ اتنا بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

وہ اب بھی اسے رسان بھرے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔ وہ قائل ہوئی یا نہیں لیکن اس بار خاموش رہی تھی۔ البتہ چہرے پر خفگی بھرے تاثرات برقرار تھے۔

عزم نے گہری سانس اندر کھینچی اتنے برسوں کی بدگمانی چند منٹوں میں دور نہیں ہو سکتی تھی لیکن اچھی بات یہ تھی کہ نازش بھابھی کوئی وضاحت طلب کیے بنا قدرے مطمئن دکھائی دیتی تھیں۔ شاید انہیں عزم کی نیک نیتی پر اعتبار آ گیا تھا۔

☆☆☆

بہر کیف اماں، نازش اور اجر ملتان چلے گئے تھے۔ عزم بھی چند دنوں کے لیے ہوٹل شفٹ ہو گیا۔ دو ہفتے بعد جب وہ گھر پہنچا تو اطمینان کا سانس لیا۔ نازش بھابھی کی جھجک اور گریز (جس کی بنا پر پہلے گھر والے بدگمانی کا شکار ہوئے تھے) کا نام و نشان تک تھا وہ تو گویا اس گھر کا فرد بن گئی تھیں۔ ساس بہو کے مثالی تعلقات بہت تیزی سے پروان چڑھے تھے۔

اماں ان پر بے پناہ شفقت نچھاور کر کے اپنی دانست میں اپنی ماضی کی غلطیوں کا کفارہ ادا کر رہی تھیں تو نازش بھابھی نے بھی انہیں ساس کے بجائے ماں والا رتبہ دے دیا تھا۔ روشنی اور اجر کے درمیان بھی خاصے دوستانہ تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ اور یہ عزم کے لیے سب سے اطمینان بخش پہلو تھا۔

نازش بھابھی کا تو یہ گھر تھا ہی لیکن عزم ہرگز نہ چاہتا تھا کہ یہاں قیام کے دوران اجر کی عزت نفس کو کوئی ٹھیس پہنچے۔ جانے اس لڑکی کے احساسات کی وہ اتنی پروا کیوں کرنے لگا تھا۔ روشنی کو اس نے اجر کا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی تھی اور روشنی نے اچھی بہن ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بھائی کی بات پر پورا عمل کیا تھا۔ اس کی اپنائیت نے آہستہ آہستہ رنگ جمایا اور اب دونوں کے درمیان خاصے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ اس گھر کی حد تک اگر راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا تو اعظم بھائی کی طرف فقط بے چینی کا اندراج ہو رہا تھا۔

انہیں سلجھنا اس وقت لگا جب وہ دکانوں کا کرایہ لینے گئے تو صابر صاحب نے آگاہ کیا کہ وہ نازش کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کروا چکے تھے اور ایسا نازش نے ہی انہیں فون کر کے کہا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ، نازش کے پاس آپ کا فون نمبر کہاں سے آیا۔ آپ کا رابطہ تو صرف مجھ سے تھا اور پھر نازش کا تو کوئی بینک اکاؤنٹ ہی نہیں۔ آپ رقم کیسے ٹرانسفر کر سکتے ہیں۔"

"دیکھیے اعظم بھائی۔ پیسے میں بھیج چکا ہوں آپ اپنی بیگم سے تصدیق کر لیجیے۔ اگر تسلی نہ ہو تو میرے پاس تشریف لائیں۔ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے۔"

صابر صاحب نے روکھا سا جواب دیا۔ اعظم آگ بگولہ ہو کر وہاں سے چلے آئے۔ نازش کو فون کیا تو اس نے ٹھنڈے لہجے میں تصدیق کی کہ وہ کرایہ وصول کر چکی ہے۔

"تم تیاری کر لو۔ میں کل ہی تمہیں لینے آ رہا ہوں۔ اتنے دن ہو گئے وہاں گئے کچھ احساس بھی ہے شوہر یہاں کس مشکل کا شکار رہے۔ بازاری کھانے کھا کھا کر میرا پیٹ خراب ہو گیا ہے۔ سارا گھر دھول مٹی سے اٹ گیا ہے۔ باورچی خانے میں ایک بھی دھلا برتن موجود نہیں۔ آ کر اپنی گھر گرہستی سنبھالو۔ اماں جانیں اور ان کے کام جانیں۔ کون سا روشنی کی شادی ابھی ہو رہی ہے۔" وہ بیوی پر بگڑ کر بولے تھے۔

"اماں تو مجھے تنکا تک نہیں توڑنے دے رہیں اعظم۔

وہ مجھے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے مجھے خوب ڈانٹا چوتھا مہینہ ختم ہونے کو ہے اور میں نے اپنا خیال ہی نہیں رکھا۔ بے پناہ جسمانی کمزوری بچے کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اب میری

pklibrary.com

خوراک اور میرے آرام کا خیال اماں ہی رکھ رہی ہیں وہ تو سخت خفا ہیں آپ سے کہ خوش خبری کا پتا چلنے کے باوجود آپ نے انہیں آگاہ کیوں نہیں کیا۔"

"تم گھر واپس آجاؤ۔ تمہارا خیال میں خود رکھ لوں گا۔" وہ جھنجلا کر بولے تھے۔

"ڈلیوری سے پہلے تو اماں آنے نہیں دیں گی۔ کہتی ہیں شادی کے اتنے عرصے بعد خوشی ملی ہے اب میں کسی بے احتیاطی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" نازش نے کورا جواب دیا تھا۔

"یعنی کہ تم اگلے پانچ مہینے ملتان رہنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہو۔" اعظم غش کھانے کو تھے۔

"اماں تو یہ ہی کہتی ہیں اور میں ان کی حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" نازش نے کمال اطمینان سے جواب دیا۔

☆☆☆

اگلے ہفتے اعظم بھائی بنفس نفیس تشریف لے آئے تھے۔

"میرا اکیلے گزارا ممکن نہیں۔ نازش کو لینے آیا ہوں۔" انہوں نے ماں کو مخاطب کیا۔ نازش ذرا گھبرائی تھیں، اماں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی رکھنے کا اشارہ کیا۔

"نازش جائے گی تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی جاؤں گی بلکہ میں ہی کیوں روشنی بھی ساتھ چلے گی۔ اس کے سسرال والے کھاتے پیتے لوگ ہیں انہیں بارات ملتان کے بجائے لاہور لانے میں بھی کوئی دقت نہ ہوگی۔ میں نازش کو اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی ڈاکٹر نے سخت احتیاط بتائی ہے۔ ٹھیک ہے، کہتے ہو تو لاہور چل پڑتے ہیں۔ جہاں نازش ہوگی میں وہیں رہوں گی۔" اماں نے بے لچک لہجے میں فیصلہ سنایا تھا۔

"لو بھلا بتائیں بیٹے کے سسرال جا کر رہیں گی اور روشنی کی شادی بھی وہاں سے کرنے کا کہہ رہی ہیں کہاں گئی آپ کی خود داری جس کا آپ نے ہمیشہ پرچار کیا۔" وہ شدید بدلحاظ ہو رہے تھے۔

"جب بیٹا اتنے دنوں سے سسرال میں بیٹھ کر مفت کی روٹیاں توڑ رہا تھا تو ماں بھی خود داری ترک کردے گی۔ اس میں کون سی بری بات ہے۔"

"حد ہوتی ہے اماں۔" اعظم بھائی جھنجلا گئے تھے۔ غصے اور خفگی سے بیوی کو دیکھا کہ وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ لیکن یہ تو وہ نازش تھی ہی نہیں جس کے ساتھ وہ اتنے برسوں سے رہ رہے تھے۔ وہ تو ان کے تیکھے تیور دیکھتے ہی گھبرا کر جی حضوری میں لگ جاتی تھی لیکن اب اسے شوہر کے بگڑے موڈ کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔

"میں دو چار سالن بنا کر فریز کر دیتی ہوں۔ آپ جاتے ہوئے ساتھ لے جایئے گا۔" بہت اطمینان بھرے لہجے میں شوہر کو مخاطب کیا۔

"بہت شکریہ اس احسان کی ضرورت نہیں میں ابھی واپس جا رہا ہوں۔" اعظم واقعی نہ رکے تھے فوراً گھر سے نکل گئے۔ نازش جو لاپرواہ اور مطمئن دکھائی دینے کے جتن کر رہی تھی اب متوحش ہو کر اماں کو دیکھنے لگی۔

"پگلی! اتنا پریشان کیا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے پڑھائے گئے پہلے سبق پر عمل کیا ہے نتیجہ بھی مجھ پر ہی چھوڑ دو۔ اللہ بہتر کرے گا۔" اماں نے انہیں گلے سے لگا کر تسلی دی۔

"شوہر کی خدمت گزاری ہر بیوی کا فرض ہے لیکن جب شوہر اس خدمت گزاری کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگے تو جی حضوری کی روش ترک کر کے اپنے وجود کا احساس دلانا بھی ضروری ہے۔ اتنی بے مایہ نہیں ہوتی عورت ذات، حالات جس نہج پر پہنچے ہیں اعظم کے ساتھ تو تم بھی قصوروار ہو۔"

"میں کیا کرتی اماں، جن حالات میں ہماری شادی ہوئی اعظم نے اس زبردستی کے بندھن کا ہمیشہ احسان جتا کر مجھے عجیب سے عدم تحفظ میں مبتلا کر دیا ان کے کہے میں آ کر میں ہمیشہ یہ سمجھتی رہی کہ سسرال والے بھی مجھے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ سر پر باپ یا بھائی کا سایہ نہ تھا۔ پھر اجر کی ذمہ داری۔ میں تو بہت دبو اور بزدل سی عورت ہوں۔ ماں تو بچپن میں گزر

گئی۔ ابا کے بعد تو بالکل ہی بے آسرا ہو گئے تھے ہم۔ اعظم کا یہ ہی احسان بہت لگتا تھا کہ انہوں نے مجھے اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہوا ہے۔ ان کی ہر حرکت پر صرف اس لیے چشم پوشی کی کہ کہیں وہ ہمیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔" نازش رو ہی تو پڑی تھیں۔

اماں خود آبدیدہ ہو گئیں۔ انجانے میں کس ظلم کی مرتکب ہوئی تھیں۔ اگر عزم وہاں نہ جاتا تو پتا نہیں زندگی کب تک اسی ڈگر پر چلتی رہتی۔

"حوصلہ اور ہمت رکھ میری بچی! ان شاء اللہ بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے بہو کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

☆☆☆

روشنی کی شادی کی تاریخ ٹھہرا دی گئی تھی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ عزم کو ترقی ملنے کے ساتھ اچھی کارکردگی کی بنا پر ٹھیک ٹھاک سالانہ بونس ملا تھا۔ اب اماں کو شادی کے خرچوں کی خاص ٹینشن نہ تھی۔ اعظم بھائی نے دوبارہ پلٹ کر نہ تو بیوی کی خبر لی نہ گھر والوں سے رابطے کی زحمت کی۔ اماں کو رب کی ذات سے ہی امید تھی کہ اعظم بھائی اپنی روش بدل لیں اور پھر اعظم بھائی نے عزم سے رابطہ کیا تھا۔

وہ حوالات میں بند تھے۔ جس جگہ وہ دوستوں کے ساتھ بازی لگا رہے تھے وہاں ایک اور گروپ میں تلخ کلامی کے بعد ہاتھا پائی ہو گئی پھر نوبت فائرنگ تک آن پہنچی۔ پولیس نے واقعے میں ملوث افراد کے ساتھ موقعے پر موجود سب لوگوں کو حراست میں لے لیا۔ اصل مجرم تگڑے اثر و رسوخ والے تھے چند گھنٹوں میں جیل سے باہر نکل آئے۔ اصل کم بختی اعظم جیسوں کی آئی ہوئی تھی۔ پولیس والے جیب گرم کیے بغیر ہاتھ آئے مرغے چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔

جن دوستوں پر اعظم نے ہمیشہ بے دریغ پیسہ لٹایا وہ اس آڑے وقت میں پتلی گلی سے نکل گئے۔ اعظم بھائی کا سارا رعب اور طنطنہ گھر والوں کے لیے تھا۔ پولیس کی حراست میں وہ بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔

عزم سے رابطہ کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تھا۔ عزم فوراً لاہور پہنچا تھا۔ غنیمت تھا کہ ابھی پرچہ کٹنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس کے ایک کولیگ کا بھائی پولیس میں اعلیٰ افسر تھا۔ عزم کو شرم ساری تو بہت ہوئی لیکن اس نے اپنے دوست سے مدد چاہی۔ معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن اعظم، چھوٹے بھائی سے نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہے تھے۔

"اب میں آپ کو لاہور میں رہنے نہیں دوں گا۔ اس فیلڈ میں جتنا تجربہ آپ کو ہو چکا ہے۔ ملتان میں نوکری ملنا کوئی مشکل نہیں۔ میں خود آپ کو نوکری دلواؤں گا لیکن یہاں کسی قیمت پر رہنے نہیں دوں گا۔ اماں سے میں آفس کے کام کا بہانا کر کے آیا ہوں۔ انہیں سارے قصے کا پتا چلا تو وہ جیتے جی مر جائیں گی۔"

اعظم نے بھائی کی بات سے اختلاف نہ کیا ویسے بھی اتنے دنوں میں سارے کس بل نکل چکے تھے۔ یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ بیوی کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ نازش کتنی خدمت گزار اور وفا شعار بیوی تھی اس کا اندازہ اب جا کر ہوا۔

صبح کے بھولے کے شام کو گھر لوٹنے پر ماں سجدہ شکر بجا لائی۔ نازش کو البتہ انہوں نے خاص تاکید کی کہ شوہر کی خدمت اپنی جگہ لیکن اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر فقط شوہر کی جی حضوری مناسب طرز عمل نہیں۔ شوہر کی زندگی میں اسے اپنی اہمیت اور حیثیت کا ادراک بھی ہونا چاہیے اور یہ حیثیت شوہر سے منوانی بھی ہو گی۔ نازش کا اپنی ذات پر اعتماد بحال ہو گیا تھا۔

اچھی خوراک، مناسب آرام کے ساتھ ماں بننے کا الگ ہی روپ چڑھا تھا اس پر اعظم تو بیوی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب ذرا سے نخرے کرنے اور اپنا خیال رکھوانے کی باری نازش کی تھی اور اعظم فی الحال یہ نخرے اٹھانے کو جی جان سے تیار نظر آتے تھے۔ گھر والے انہیں بیوی کے آگے پیچھے پھرتا دیکھ کر چپکے چپکے مسکرائے جاتے تھے۔

"تمہارے بغیر میرا دل کیسے لگ پائے گا۔"

اجر روشنی کی متوقع رخصتی کر سوچ کر ہی آبدیدہ

pklibrary.com

ہوجاتی تھی۔ چند مہینوں میں ہی دونوں کی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ روشنی نے محبت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"کتنی جلدی تم اس گھر کا حصہ بن گئی ہو اجر۔ کل کی بات لگتی ہے جب تم یہاں آئی تھیں کیسا اجنبی سا انداز تھا ناں تمہارا۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی ایسے ہی بی ہیو کرتا اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور رہنا آسان کام تھوڑی ہے۔ عزم بھائی نے مجھے خاص تاکید کی تھی کہ اجر کا خاص خیال رکھنا۔ اسے یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو اور دیکھو وہ اجنبی سی اجر آج ہماری کتنی اپنی بن گئی ہے۔"

روشنی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ اجر کا دھیان اس کے اسی فقرے میں اٹک گیا تھا عزم نے بہن کو اس کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔

وہ خود کو لاکھ باور کرواتی کہ عزم فقط اس کی بہن کا دیور ہے۔ اس سے زیادہ اس کا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں لیکن دل کوئی الگ ہی راگ الاپے جاتا وہ دل کو ڈپٹ ڈپٹ کر تھک جاتی۔

عزم سے اب بھی اسی لیے دبے انداز میں بات کرتی۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے سامنا بھی ہوتا اور بات چیت بھی۔

عزم نے ہی اسے مشورہ دیا کہ تھا کہ وہ اپنا ٹوٹا ہوا تعلیمی سلسلہ مکمل کرلے۔ لاہور میں اس نے اچھے نمبروں سے بی اے پاس تو کرلیا تھا لیکن پھر حالات نے اجازت ہی نہ دی کہ وہ آگے یونیورسٹی میں داخلہ لے پاتی۔ عزم اور اماں نے نازش بھابھی کو یہ باور کروادیا تھا کہ دکانوں کے کرائے پر صرف اجر کا حق ہے۔ اور اب عزم اسے یونیورسٹی میں داخلہ دلانے کے درپے تھے۔

"اب تو آپ صاحب حیثیت ہیں اجر بی بی! اپنا تعلیم کا خرچا آسانی سے اٹھا سکتی ہیں لیکن لگتا ہے اب پڑھائی میں آپ کا جی نہیں لگتا اس لیے آگے داخلہ لینے سے انکاری ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کرتا۔

"آپ مجھے کتابیں لادیں میں پرائیویٹ، ایم اے انگلش کرلوں گی۔ ضرورت پڑی تو کوئی ٹیوشن رکھ لوں گی۔"

"میں نے ایم اے انگلش تو نہیں کیا لیکن انگلش پر مجھے اچھا خاص عبور ہے۔ آپ کی بھرپور مدد کرسکتا ہوں آپ اللہ کا نام لے کر پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کردیں۔"

عزم نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ اجر نے سر جھکا کر اثبات میں گردن ہلادی۔ جتنی مرضی کی کوشش کرتی وہ عزم کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہ کرسکتی تھی۔ وہ تو سب کے لیے سراپا خلوص تھا اگر اسے اندازہ ہوجاتا کہ اجر اس کے خلوص کو کوئی اور معنی دے رہی ہے تو کیا سوچتا وہ اس کے متعلق۔

وہ بار بار خود کو سمجھاتی تھی لیکن دل پر اس سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ الگ ہی لے پر دھڑکتا چلا جاتا تھا۔

☆☆☆

اماں نازش کا چیک اپ کروانے گئی تھیں۔ اجالا اور روشنی شاپنگ کا نہ ختم ہونے والا مرحلہ نمٹانے بازار گئی تھیں اور اجالا آپی کے بچے اجر کے سپرد تھے بڑی دونوں بیٹیاں تو خاصی سمجھ دار تھیں، اجر کے ساتھ ان کا خوب دل لگتا۔ سب سے چھوٹا گل گوتھنا سا ریان جو گھر بھر میں کسی کے قابو نہ آتا اجر اسے بھی قابو کرلیتی تھی۔

اجالا آپی اس کی صلاحیتوں کی بھرپور معترف تھیں۔ اس لیے نہایت اطمینان سے بچے اس کے حوالے کرکے شاپنگ کا مرحلہ نمٹا رہی تھیں۔ اب بھی اجر، ریان کو گود میں لے کر گدگدا رہی تھی جب عزم وہاں آنکلا۔ نہایت دلچسپی سے اس نے اجر کا انہماک اور ریان کی کھلکھلاہٹ دیکھی تھی۔

ہر روپ، ہر منظر میں یہ لڑکی کتنی بھلی لگتی تھی۔ اسے تو خبر بھی نہ تھی کہ کسی کے دل کے مالکانہ حقوق حاصل کرکے وہ اس دل کی بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھی ہے۔ لیکن بغیر کوئی مضبوط تعلق جوڑے وہ اسے اپنے دلی جذبات سے آگاہ نہ کرسکتا تھا وہ اس گھر میں عزم کے سمجھانے پر آئی تھی۔

عزم کو اس کی عزت اور عزت نفس ہر چیز سے

pklibrary.com

پیاری تھی وہ کوئی ایسا قدم اٹھانے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا جس سے وہ لڑکی کسی الجھن یا پریشانی میں مبتلا ہو اللہ اللہ کر کے تو اس نے اجنبیت کا لبادہ اتار کر گھر والوں کی اپنائیت کا جواب اپنائیت سے دینا شروع کیا تھا۔

فی الحال عزم اس اپنائیت کی فضا کو ہی قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اظہار محبت کا مرحلہ تو بہت دور تھا۔ روشنی کی شادی کے بعد اور مالی طور پر تھوڑا سا مزید اسٹیبلش ہونے تک اس نے گھر والوں تک کو اپنے جذبات کی بھنک نہ لگنے دینے تھی۔ جب وقت آتا تو ماں کو اپنی خواہش سے آگاہ کر کے سب سے پہلے وہ اجر کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی پہناتا اور اس کے بعد اسے اپنی دلی واردات سے آگاہ کرتا لیکن سب کچھ وہ نہیں ہوتا جو انسان نے سوچ رکھا ہوتا ہے۔ روشنی کی شادی میں اپنی تمام تر سادگی اور معصومیت کے ساتھ اجر کسی اور کے دل میں بھی اتر گئی۔

وقار الحسن جو روشنی کے شوہر کا ماموں زاد بھائی تھا۔ مہذب اطوار والا پڑھا لکھا گھرانہ اور مالی طور پر تو روشنی کے سسرال والوں سے بھی زیادہ آسودہ، وہ لوگ بہت چاہت سے اجر کا رشتہ لے کر آئے تھے۔

عزم تو ششدر تھا اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ قسمت اس کے ساتھ ایسا کھیل کھیل سکتی ہے وہ تو سوچے بیٹھا تھا کہ مناسب وقت پر جب ماں کو اپنے دل کی خواہش سے آگاہ کرے گا تو جھٹ پٹ سارے مرحلے طے ہو جائیں گے۔

اماں تو اجر کو اپنی بیٹیوں کی طرح چاہنے لگی تھیں انہوں نے فوراً نازش سے اجر کا رشتہ مانگنا تھا اور نازش بھابھی تو سوچنے کی مہلت لیے بنا ہاں کر دیتیں کہ دیور انہیں پیارا ہی اتنا تھا۔ باقی رہ گئی اجر بی بی تو عزم اپنی محبت سے اس کے دل کو بھی دھڑکنا سکھا دیتا۔ لیکن اب منظر نامہ بدل چکا تھا۔ وقار الحسن کی صورت اجر کا مضبوط امیدوار سامنے آ گیا تھا۔ اس امیدوار کا پلڑا ہر لحاظ سے بھاری تھا۔

پہلے پہل تو عزم کو روشنی پر خوب غصہ آیا جو اپنے سسرال والوں کی ڈھیروں ڈھیر تعریفوں کے ساتھ گھر والوں کو اس رشتے پر قائل کرنے چلی آئی تھی۔ لیکن غصے کی یہ کیفیت وقتی تھی ٹھنڈے دل سے سوچا تو بہتری اسی میں نظر آئی کہ اپنے دل کی خواہش دل کے اندر ہی دفن کر لی جائے۔ اس کا منی سی لڑکی کی اب تک کی زندگی صرف محرومیوں سے عبارت تھی اگر قدرت وقار الحسن کا رشتہ بھیج کر ان محرومیوں کی تلافی کرنا چاہتی تھی تو عزم کون ہوتا تھا قدرت کے کام میں دخل اندازی کرنے والا۔

جس مقام پر وقار الحسن آج تھا عزم کو اس مقام تک پہنچنے میں برسوں لگ جاتے۔ وہ اجر سے محبت کا دعوے دار تھا اور محبت خود غرضی کی اجازت نہیں دیتی۔ اس کی محبت سرخرو ہوئی اور وہ اجر کو پانے کی دوڑ سے از خود دست بردار ہو گیا۔

وقار الحسن کے گھر والے دوبار آ چکے تھے۔ اماں، نازش بھابھی اور اعظم بھائی بھی ان کا گھر بار دیکھ آئے تھے۔ اب وہ لوگ جلد جواب جاننے کے متمنی تھے۔ آج اماں کے کمرے میں اس معاملے پر حتمی غور و خوض کیا جا رہا تھا۔ عزم کے ذمے لڑکے کے کردار اور نیک نامی کی تحقیق کرنا تھا۔ عزم نے اپنے وسائل بروئے کار لا کر ہر طرح کی تحقیق کروالی تھی۔ وقار الحسن ایک سلجھا ہوا شریف تھا اور عزم نے اپنی تحقیق کا خلاصہ گھر والوں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

"پھر کیا کہتی ہو نازش! ان لوگوں کو ہاں کہلوا دی جائے۔" اماں نازش بھابھی سے مخاطب تھیں۔

"آپ ہماری سرپرست ہیں اماں! فیصلے کا اختیار آپ کے پاس ہے۔" انہوں نے تابعداری سے جواب دیا۔

"تم کیا کہتے ہو اعظم۔" اماں نے روئے سخن اعظم بھائی کی جانب موڑا۔

"رشتے میں بظاہر تو کوئی خرابی نہیں لیکن میری رائے تو یہ ہے گھر کا رشتہ ہوتے ہوئے ہمیں باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" اعظم بھائی لگی لپٹی رکھنے والے تو تھے نہیں جو بات بہت سوں کے دل میں تھی وہ انہوں نے برملا کہہ ڈالی۔

pklibrary.com

عزم نے بوکھلا کر بھائی کو دیکھا۔ یہ آخری بات تھی جس کی وہ اعظم بھائی سے توقع کر سکتا تھا۔

"کیوں پارٹنر، آفس میں تو کوئی سیٹنگ نہیں کر رکھی۔" اب وہ ڈائریکٹ عزم سے مخاطب ہوئے۔

"کیسی بات کرتے ہیں بھائی! میں آپ کو ایسا لگتا ہوں۔" وہ برا مان کر بولا۔

"ارے نہیں شہزادے! ایسا نہیں لگتا جب ہی تو تجویز دی ہے کہ گھر کی بچی کے لیے تجھ سے بہتر دوسرا کوئی آپشن نہیں۔ کیوں بیگم آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں؟" عزم کو ہکا بکا چھوڑ کر وہ نازش بھابھی کی جانب متوجہ ہوئے اور نازش تو وقار الحسن کا رشتہ آنے کے بعد بھی اتنی خوش دکھائی نہ دیتی تھیں جتنی جو شوہر کی تجویز سن کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ گویا یہ خواہش تو کب سے انہوں نے بھی اپنے دل میں پال رکھی تھی۔

"مجھے تو قطعی کوئی اعتراض نہیں۔ اگر عزم راضی ہو اور اماں مان جائیں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"لیکن بھابھی.....!" عزم نے انہیں ٹوکنا چاہا۔

"تجھے کوئی اعتراض ہے عزم، صحیح صحیح بتا دے کوئی لڑکی وڑکی پسند تو نہیں کر رکھی۔" اماں نے بھی اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ اماں آپ بھی۔" وہ خفا ہو کر بڑبڑایا۔

"سچ کہوں تو بہو یہ میرے اپنے دل کی خواہش بھی تھی لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہی کہ تم مروت میں آ کر اقرار نہ کرو۔ وقار الحسن کا رشتہ آنے کے بعد تو میں نے اپنے دل کا یہ ارمان خود ہی تھپک تھپک کر سلا دیا۔ ایسا رشتہ تو نصیب والیوں کو ملتا ہے۔ تم اعظم کے منہ کو دیکھ کر یا محض میری تابع داری میں کوئی فیصلہ مت کرو۔ اجر کے لیے تمہیں جو مناسب لگتا ہے وہی فیصلہ کرو۔ عزم یا وقار الحسن فیصلہ تمہارا ہوگا، بلکہ اجر جس نام پر راضی ہو ہم بخوشی اس کی بات وہیں پکی کر دیں گے۔" اماں نے تو چشم زدن میں عزم کو بھی امیدواروں کی لائن میں کھڑا کر دیا۔

"مجھے سوچنے کے لیے ایک پل بھی درکار نہیں اماں اور نہ ہی یہ فیصلہ میں مروت میں کر رہی ہوں۔ اگر میری بہن کا نصیب عزم جیسے شخص سے جڑتا ہے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کوئی اور نہیں۔ اب آپ سے کیا چھپاؤں یہ تو میری اپنی دلی خواہش تھی لیکن لڑکی کی بہن ہوتے ہوئے میں اپنے منہ سے یہ بات کرتی اچھی نہ لگتی۔"

نازش بھابھی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا انہوں نے فوراً ہی عزم کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

"اجر سے تو پوچھ لیجیے آپ لوگ تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہے ہیں۔" عزم اس تیز ترین پیشرفت پر حیران پریشان تھا۔

"اجر کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جانتی ہوں میں۔" نازش بھابھی کا لہجہ باوثوق تھا۔

وقار الحسن کا رشتہ تو گویا اس گھر میں کبھی آیا ہی نہ تھا۔ سب کچھ بھول بھال کر نئے جڑنے والے رشتے کی خوشی منائی جانے لگی۔ اجالا آپی اور روشنی کو فوراً فون کھڑکائے گئے۔ وہ دونوں بھاگی بھاگی چلی آئیں۔ گھر کا ہر فرد بے تحاشا خوش تھا صرف عزم تھا جو گھر والوں کے اتاؤلے پن پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس بے چاری لڑکی کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہوئے کسی نے اس سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔ عزم کو یقین تھا کہ اگر اجر سے رائے لی جاتی تو اس کا فیصلہ وقار الحسن کے حق میں ہوتا۔

اسے اجر کے دل کی کیا خبر تھی جس کا رواں رواں اپنے رب کا شکر گزار تھا۔ اللہ نے کیسے اس کی دلی مراد پوری کر دی تھی لیکن جب وہ عزم کو دیکھتی تو دل کے اندر سناٹا سا پھیل جاتا۔ پہلے تو عزم اس سے کتنی اپنائیت سے بات کرتا تھا اور اب کیسا سنجیدہ اور سپاٹ سا رویہ ہو گیا تھا اس کا۔ وہ یقیناً اس تعلق کے جڑنے پر خوش نہ تھا۔ گھر والوں نے اس کی مرضی جانے بغیر اس کی زندگی کا فیصلہ کر ڈالا تھا۔

نازش آپی اور اعظم بھائی کی شادی شدہ زندگی کے بیتے شب و روز اجر کی نگاہوں کے سامنے گھومنے

pklibrary.com

لگتے۔ وہ بہن جتنی صابر نہیں تھی، خود میں ایک ان چاہا بندھن نبھانے کی ہمت بھی نہ پاتی تھی۔ محبت اپنی جگہ لیکن عزت نفس محبت سے بھی مقدم تھی۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ اسے کوئی طریقہ نہ سوجھ رہا تھا کہ وہ عزم کو اس ان چاہے بندھن سے چھٹکارا دلا دے۔ اس روز بھی وہ بہن سے اسی لیے الجھ رہی تھی۔

"اعظم بھائی کے ساتھ آپ نے جیسی زندگی گزاری کیا آپ چاہیں گی کہ میں بھی ویسے ہی زندگی جیوں۔ آپ کا دیور اس رشتے پر بالکل خوش نہیں لگتا۔"

"وہم ہے تمہارا ایسی کوئی بات نہیں اور عزم، اعظم سے بہت مختلف ہے۔ وہ رشتے نبھانے والا شخص ہے اور اب تو خیر سے اعظم بھی راہ راست پر آ گئے ہیں اور تم جانتی ہو یہ سب عزم کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ ایسے لوگ بہت انمول ہوتے ہیں پگلی! یہ تمہاری خوش بختی ہے کہ وہ تمہارا جیون ساتھی بننے جا رہا ہے۔"

نازش اس کا موقف سمجھ ہی نہ پائیں اور اس بات سے اجر کی جھنجھلاہٹ مزید بڑھی تھی۔

"روشنی کے سسرال سے اچھا بھلا رشتہ آیا تھا اس پر مزید غور کر لیتے آپ لوگ۔" وہ خفا سے لہجے میں بہن سے مخاطب تھی۔

عزم جو اسی لمحے کسی کام سے بھابھی کے پاس آ رہا تھا یہ فقرہ اس کے کان میں بھی پڑ گیا۔ بھابھی کو پکارنے کے بجائے وہ واپس پلٹ گیا۔ تھکی ہوئی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا اجر اس رشتے پر دل سے راضی نہ تھی اور صحیح تو کہہ رہی تھی وہ اچھا بھلا وقار الحسن کا رشتہ آیا ہوا تھا۔ گھر والوں نے اسے مسترد کر کے کیسی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا تھا۔

اماں نے روشنی کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے ماموں سسر کی فیملی کو خود ہی طریقے سلیقے سے انکار کر کے عزم اور اجر کی بات پکی ہونے کے بارے میں آگاہ کر دے۔ عزم کو ایک موہوم سی امید تھی کہ روشنی نے یہ واضح انکار ان لوگوں تک ابھی تک نہ پہنچایا ہو۔ اسی خیال کے پیش نظر اس نے روشنی کو فون کھڑکایا تھا۔

"اگر فرصت ہو تو میں شام کو تمہیں لینے آ جاؤں۔" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"آج شام تو کامران کی کچھ مصروفیت ہے عزم بھائی! انہوں نے انکل آنٹی کو چیک اپ کے لیے لے کر جانا ہے۔ دونوں کا شوگر لیول بڑھا ہوا ہے۔" روشنی نے ساس، سسر کی طبیعت کا عذر بیان کیا تھا۔

"چلو یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" عزم نے گہری سانس لی۔

"مطلب کیا ہے عزم بھائی میرے ساس، سسر کی طبیعت خراب ہے اور آپ کہہ رہے ہیں یہ تو اچھی بات ہے۔" عزم جیسے بندے کے منہ سے ایسی بات سن کر روشنی کا حیران ہونا بنتا ہی تھا۔

"بے وقوف لڑکی اچھی بات یہ ہے کہ تمہارا میاں اور اس کے والدین گھر پر نہیں ہوں گے تو میں تمہارے گھر آ کر ہی تسلی سے بات کر لوں گا۔ یہاں لانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"

عزم مطمئن انداز میں بولا۔ روشنی کے بہت کریدنے کے باوجود مزید تفصیل نہیں بتائی۔ شام کو اس کے گھر پہنچ کر اس نے پہلا سوال ہی وقار الحسن کے بارے میں کیا تھا اور جب روشنی نے بتایا کہ وہ تو اسی دن فون پر ان لوگوں سے معذرت کر چکی ہے تو عزم گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"بات کیا ہے بتائیں تو سہی عزم بھائی۔" وہ پریشان ہوتے ہوئے اس کے سر ہوئی تھی۔

"اجر اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔ نازش بھابھی نے اس کی رائے جاننے کا تکلف تک نہیں کیا۔ اچھا بھلا وقار الحسن کا رشتہ آیا تھا اس کے لیے جو گھر والوں کی جذباتیت کی نذر ہو گیا۔" عزم کا افسوس ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے عزم بھائی وہ ایک اچھا رشتہ تھا لیکن آپ سے اچھا نہیں تھا۔ اجر خوش قسمت ہے جو اس کا نصیب آپ سے جڑا۔"

"کیوں میرے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔" وہ بری طرح بگڑا۔

pklibrary.com

''صرف آپ میں نہیں وہ سرخاب کے پر اجر میں بھی لگے ہیں وہ بھی بہت پیاری اور خاص لڑکی ہے۔ اپنی خوش قسمتی پر رشک کرنے کے بجائے پتا نہیں کیا اُلٹی سیدھی ہانک رہے ہیں خبردار جو یہ رشتہ ختم کرنے کا سوچا بھی آپ نے اور وہم ہے آپ کا کہ اجر اس رشتے پر راضی نہیں۔ اس لڑکی کو تو مادیت پرستی چھو کر بھی نہیں گزری، وہ کیوں وقار الحسن کی دولت کو ترجیح دینے لگی۔ جس دن آپ دونوں کی بات پکی ہوئی تھی اماں کا فون سن کر میں اڑ کر وہاں پہنچی تھی۔ اجر کے چہرے پر اتنے رنگ تھے عزم بھائی کہ اس کے چہرے پر نظر نہ ٹک رہی تھی۔ وہ تو چپکے چپکے شکرانے کے نوافل پڑھ رہی تھی جب میں نے چھاپہ مارا۔ اس لیے کم از کم میں تو اس بات کا یقین کر نہیں سکتی کہ اجر اس رشتے پر راضی نہیں۔''

''شکرانے کے نوافل۔'' عزم ہکا بکا ہی تو رہ گیا۔

''جی مشرقی لڑکیوں کی یہ قسم اب کمیاب ہوتی جا رہی ہے۔ جب کامران اور میرا رشتہ طے ہوا تھا تو میں نے بھی پورے پچاس شکرانے کے نفل پڑھے تھے۔ اجالا آپی کی شادی کے بعد میں چپکے چپکے کامران کو پسند کرنے لگی تھی اپنی پسند دل میں رکھنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا پھر جب اللہ نے اس چاہت کو میرا نصیب بنا دیا تو شکرانہ تو بنتا تھا نا۔ اجر معصوم بھی میری کیٹگری میں ہی آتی ہے میں نے اس دن اس کا خوب ریکارڈ لگایا اور وہ صرف شرما شرما کر ہنستی رہی۔ کاش عزم بھائی آپ اس کے چہرے پر پھیلے رنگ دیکھ لیتے تو کسی غلط فہمی کی گنجائش ہی نہ رہتی۔''

''میں بھی اسی گھر میں رہتا ہوں محترمہ۔ مجھے کبھی وہ رنگ نظر کیوں نہ آئے۔ پتا نہیں تم کون سی داستانیں سنا رہی ہو۔'' عزم الجھ کر بولا تھا۔

''میں بھی تو یہ ہی کہہ رہی ہوں عزم بھائی کہ آپ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہیں کبھی نہ کبھی تو بالمشافہ گفتگو کا چانس بن سکتا ہے۔ آپس میں بات کیجیے اور اپنی غلط فہمیاں دور کر لیجیے۔ ہوسکتا ہے ایسی ہی کوئی غلط فہمی اجر بھی آپ کے متعلق اپنے دل میں پالے بیٹھی ہو۔ ذرا سچ سچ بتائیے بات پکی ہونے کے بعد بھی اس سے ہلکا پھلکا رومانس جھاڑنے کی کوشش کی آپ نے؟'' روشنی ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ لڑکی۔ تم شادی کے بعد زیادہ ہی اور نہیں ہو گئیں۔ ساری مشرقیت شادی سے پہلے تک ہی تھی۔'' عزم نے اسے لتاڑا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اجر کے ساتھ میں چند ماہ ہی رہی ہوں عزم بھائی لیکن اس مختصر وقت میں وہ نہ صرف میرے دل کے بہت قریب آ گئی ہے بلکہ میں اس کی عادتوں سے بھی بخوبی واقف ہو گئی ہوں۔ آپ سے بھی زیادہ لمبی ناک ہے محترمہ کی اور اپنی عزت نفس اسے ہر چیز سے پیاری ہے۔ اگر اس نے یہ وہم اپنے دل میں پال لیا ناں کہ آپ اس رشتے پر راضی نہیں تو وہ وقار الحسن تو کیا کسی بھی راہ چلتے کا رشتہ قبول کرے گی۔ سو اس کی فکر چھوڑ کر اپنے دل کو ٹٹولیے۔ اس کے دل میں تو فقط آپ ہی ہیں۔ کیا آپ کے دل میں بھی وہ براجمان ہے اپنے دل سے پوچھیے۔''

''میرے دل کے کواڑ کھول کر تو وہ کب سے......''

''آں ہاں...... مجھے نہیں دل کی حکایت اسے سنائیے جس کا حق ہے۔'' روشنی نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

''چھوٹی تم شادی کے بعد بہت زیادہ تیز نہیں ہو گئیں۔'' عزم نے جھینپ کر ہنستے ہوئے اسے ٹوکا، روشنی مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

روشنی کی باتوں پر عمل کرنے سے پہلے سکندر اعظم صاحب دنیا میں تشریف لے آئے تھے۔ نام اماں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔ نازش بھابھی اور اعظم بھائی کا لخت جگر سکندر اعظم، جنہوں نے دنیا میں آمد کے لیے سب گھر والوں کو خوب انتظار تو کروایا لیکن آنے کے بعد گھر بھر کی آنکھوں کا تارا بننے میں چند گھنٹے بھی نہ لگائے تھے۔

نازش بھابھی ہسپتال سے گھر واپس آ گئی تھیں

pklibrary.com

اوراب گھر میں مبارک باد دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اجالا آپی اوراماں منے میاں اور منے میاں کی والدہ کی دیکھ بھال میں مصروف تھے تو کچن کی ذمہ داری اجراور روشنی کے سپرد تھی۔ چائے، پانی کا سلسلہ ہی ختم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔

''کتنا پیارا ہے نا گپلو گپلو سا۔ بالکل مجھ پر گیا ہے۔'' روشنی مسکرا کر اترائی تھی۔

''اماں کہہ رہی ہیں۔ منے کی ناک بالکل میرے جیسی ہے جناب!'' اجر نے بھی جیسے اسے ہنس کر چڑایا۔

اسی لمحے عزم تین کپ مزید چائے کا کہنے کچن میں داخل ہوا تھا۔ اجر کا فقرہ اس کے کانوں میں پڑ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر اجر کی مسکراہٹ یک لخت سمٹی تھی۔

''منے کی ناک کا تو پتا نہیں البتہ اس کے ماتھے کی تیوریاں بالکل آپ کی طرح چڑھی ہوئی ہیں۔'' عزم بولتے ہوئے اندر آیا تھا۔

''واقعی بھائی! منا غصے کے ایکسپریشن دے رہا ہے ذرا میں بھی تو دیکھ کر آؤں۔'' روشنی اشتیاق کے مارے فوراً باہر لپکی تھی۔

اجر تو ابھی تک عزم کی بات میں الجھی ہوئی تھی روشنی کو رفو چکر ہوتا دیکھ کر قدرے بوکھلائی۔

''بھانجا مبارک ہو۔'' عزم نے گفتگو کا آغاز مبارک باد سے کرنا مناسب جانا۔ روشنی کی باتوں سے دل و دماغ میں جو عجیب سی کشمکش برپا تھی وہ اب اس کا خاتمہ چاہتا تھا اور اس کے لیے اجر سے بات کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''آپ کو بھی بھتیجا مبارک۔'' اجر نے بھی دھیرے سے جوابی مبارک باد لوٹائی۔

ایک تو یہ لڑکی نگاہیں اٹھا کر دیکھنے کی روادار تک نہیں۔ ذرا منہ اوپر کر کے بات کرے تو میں بھی ان نادیدہ رنگوں کو کھوج لوں گا جن کا روشنی راگ الاپ رہی تھی۔ اب تو سیدھی اور دوٹوک بات کے سوا واقعی کوئی چارہ نہ تھا۔

''تم خوش ہو اجر؟'' اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''خوشی تو چھوٹا لفظ ہے۔ میری کیفیت اس سے کہیں بڑھ کر ہے کتنی دعائیں کی تھیں اس دن کے لیے۔ خوشی کے مارے میرے تو قدم زمین پر نہیں پڑ رہے۔''

''ہائیں اتنا اسٹریٹ فارورڈ اظہار۔'' عزم ہکا بکا ہی تو رہ گیا تھا۔

اگلے ہی پل اپنی عقل کو کوسا۔ منے میاں کی خالہ کا دھیان آج صرف بھانجے کی جانب تھا وہ یقیناً اسی تناظر میں بات کر رہی تھی۔

''ہاں ہم سب ہی بہت خوش ہیں۔ اللہ سکندر کا آنا ہم سب کے حق میں بابرکت ثابت کرے۔ لیکن میرا سوال سکندر کے حوالے سے نہیں تھا کوئی عقل کا اندھا بھی بوجھ سکتا ہے کہ سب ہی گھر والے آج کس قدر خوش ہیں میں اپنے اور تمہارے تعلق کی بابت پوچھنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے کہ تم اس رشتے پر راضی نہیں۔''

عزم کی بات سن کر اجر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں اس قدر واضح شکوہ موجود تھا کہ عزم اگلی بات بھول گیا۔

''اگر آپ راضی نہیں تو اطمینان رکھیں میں اماں، اعظم بھائی، نازش بھابھی سب سے خود بات کرلوں گی آپ زبردستی کا بندھن نبھانے کے پابند نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی تھی۔

''اوہ خدایا تو گویا روشنی کا خدشہ بجا تھا۔ محترمہ میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔'' عزم نے سر کھجایا۔ اب غلط فہمی دور کرنے کے لیے کون سے مناسب الفاظ کا چناؤ کیا جائے۔ وہ دماغ کے گھوڑے دوڑانے لگا۔

''میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تم اول روز سے میرے دل پر قابض ہوگئی تھیں پہلی ملاقات میں تو بہت اکھڑ، مغرور اور بدتمیز لگی تھیں تم۔ ہاں بعد میں قبضہ گروپ ہی ثابت ہوئیں۔ میں تو چند دنوں کے لیے تمہارے گھر، تمہارے کمرے پر قابض ہوا تھا۔ تم نے رہنے کے لیے میرے دل کو ہی ٹھکانہ بنالیا۔ ہاں مجھے اعتراف ہے کہ میں مناسب وقت کے انتظار میں تھا مالی طور پر تھوڑا سا مزید اسٹیبلش ہونے تک میں گھر میں یہ ذکر نہیں چھیڑنا چاہتا تھا لیکن پھر وقار الحسن نے میری یک طرفہ لو اسٹوری میں رقیبانہ انٹری دے

pklibrary.com

ڈالی۔ وہ ہر لحاظ سے مجھ پر فوقیت رکھتا تھا بس مجھے اسی لیے لگا کہ جانے انجانے میں تمہارے ساتھ زیادتی ہوگئی ہے جو تمہیں مجھ سے منسوب کر دیا گیا۔"

وہ ہموار لہجے میں کی وضاحت اور صفائی پیش کر رہا تھا۔ اظہار محبت کا مرحلہ بھی اسی غیر رومانوی انداز میں نپٹا دیا گیا تھا یہ اور بات کہ اجر کی ہتھیلیاں اتنی سی بات سن کر بھی پسینہ پسینہ ہوگئی تھیں۔

"اب میں نے تو واضح اور دوٹوک انداز میں تمہیں اپنے دلی جذبات سے آگاہ کر دیا ہے اگر تم اس رشتے پر دلی طور پر آمادہ ہو تو مہربانی کر کے مجھے بھی بتا دو تاکہ میرے ضمیر پر دھرا بوجھ ختم ہو جائے۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان رہا کہ تم میرے بجائے دوسرے رشتے کے حق میں رائے رکھتی تھیں اور گھر والوں نے تم سے پوچھنا تک گوارا نہ کیا۔"

"آپ ناحق اتنے دن پریشان رہے۔ مجھے گھر والوں کے فیصلے پر قطعی کوئی اعتراض نہیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اگر یہ ہی بات میری طرف دیکھ کر کہہ دو تو شاید میری تسلی بہتر طور پر ہو سکے۔" عزم کا دل تو اس کا اقرار سن کر جھوم اٹھا تھا۔ مسکراہٹ پر قابو پاتے بظاہر سنجیدگی بھرے لہجے میں فرمائش کی تھی۔

"کہہ دیا ناں مجھے کوئی اعتراض نہیں، اعتراض کا کوئی جواز ہے ہی نہیں۔ اماں جیسی ساس، اجالا آپی اور روشنی جیسی نندیں۔ نازش آپی تو ہیں ہی میری بہن، مجھے اس گھر سے بہتر سسرال بھلا کہاں مل سکتا تھا۔" وہ اس کی آنکھوں میں تو کیا دیکھتی لیکن اپنے طور پر اس کی مزید تسلی کروانے کی کوشش کی۔

"اف تو یہ ان معصوم لڑکیوں کی چالاکیاں۔ یعنی کہ سارے قصے میں میرا ذکر ہی گول کر دیا۔" وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا۔

"تو یعنی اماں جیسی ساس، نازش بھابھی جیسی جیٹھانی، اجالا آپی اور روشنی جیسی نندوں کا ہونا ہی آپ کے اقرار کی وجہ بنا۔ بندہ ناچیز چھوٹا موٹا سبب بننے کے لائق بھی نہیں۔" اس کا قلق زبان پر آیا۔

"آپ بھی اچھے ہیں۔" وہ اس کی خفگی پر ذرا سا بوکھلائی تھی۔

"مجھے بھی اچھے لوگوں کی فہرست میں شامل کرنے کا شکریہ۔ وہ "بھی" پر زور دیتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔

"ویسے آپس کی بات ہے کہ میری ہونے والی نصف بہتر بھی بہت اچھی ہیں یوں بوکھلاتے شرماتے ہوئے تو اور بھی اچھی لگ رہی ہیں یوں سمجھیے کہ سیدھا دل میں اتر رہی ہیں۔"

وہ مزید شوخ ہو رہا تھا اس سنجیدہ اور سوبر سے بندے کا یہ روپ اجر کے ہاتھوں کے توتے، چڑیا، مینا سب اڑائے دے رہا تھا۔

"عزم بھائی! آپ شاید تین کپ چائے کا آرڈر دینے آئے تھے۔ پڑوس کی تین آنٹیاں چائے کا انتظار کر کے رخصت ہوگئی ہیں اور اماں نے مجھے آپ کی تلاش میں بھیجا ہے کہ آپ کچن کا راستہ بھول تو نہیں گئے۔" اسی لمحے روشنی نے شرارتی انداز میں اینٹری دی تھی۔

"انہوں نے تو مجھے چائے بنانے کا کہا تک نہیں۔" اجر بوکھلا گئی تھی۔

"چائے کو گولی مارو میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ میرے کہے کا اعتبار کرنا اور آئندہ کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دینا۔" وہ اس کے جھکے سر پر محبت بھری نگاہ ڈال کر پلٹ گیا تھا۔

پیچھے روشنی اجر سے عزم کے کہے کی تفصیلات جاننے کو اس کے سر ہو رہی تھی۔ اجر کا گلنار چہرہ اس کے دل کا حال بتانے کو کافی تھا۔

"تمہارا لال ٹماٹر چہرہ اتنا حسین لگ رہا ہے۔ عزم بھائی صحیح لٹو ہوئے ہیں تم پر۔"

وہ اسے گدگداتے ہوئے بولی۔ اجر کی کھلکھلاہٹ دور جاتے عزم کی سماعت تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ شانت انداز میں مسکرایا پھر آگے بڑھ گیا۔

سکندر اعظم کی دنیا میں آمد واقعی بہت مبارک ثابت ہوئی تھی۔

pklibrary.com

حمیرا شفیع

عید کی وہ شام

pklibrary.com

ٹی وی لاؤنج میں نانی جی، چچی جان، بھیا اور بھابھی چاروں دم سادھے بیٹھے تھے جبکہ ڈرائنگ روم سے تایا جی اور چچا جان کے آپس میں لڑنے جھگڑنے کی آوازیں تسلسل سے آرہی تھیں۔

بات تو دراصل ٹماٹروں کی فصل سے شروع ہوئی تھی جو بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی تھی کہ نوبت بحث ومباحثے کی حدود سے نکل کر جنگ وجدل تک آ پہنچی تھی۔

اب وہ دونوں اصل موضوع سے ہٹ کر دیگر معاملات میں ایک دوسرے پہ الجھ رہے تھے۔ طعنے تشنیع کی برسات کی جارہی تھی۔ الزامات لگائے جارہے تھے۔ اور ماضی کے ایک دوسرے کے کارناموں پر روشنی ڈالی جارہی تھی۔

حالانکہ دونوں کی بیگمات بھی میدان جنگ سے چند قدموں کے فاصلے پر موجود تھیں۔ مگر ان بے چاریوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اپنے اپنے شعلہ صفت شوہر کے معاملے میں کود پڑیں اور سیز فائر کی کوئی کوشش کریں۔ اس لیے وہ چپ چاپ ٹکر ٹکر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہی تھیں۔

''رفیق! تم تو سدا کے غیر ذمہ دار اور لاپروا واقع ہوئے تھے۔ ابا تمہیں فصلوں کی دیکھ بھال کے لیے بھیجا کرتے تھے اور تم موٹر سائیکل پر اپنی معشوقہ کو بٹھا کر کھیتوں کی سیریں کرتے پھرتے تھے۔''

تایا جی کی گرج دار آواز کیا گونجی مانو کہ چچی جان کے سر پر کوئی ایٹم بم پھٹا، بظاہر شریف النفس نظر آنے والے مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک ان کے میاں کے ماضی میں یہ کرتوت رہے تھے۔ وہ تو تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔

''بھائی جان! آپ میرا منہ نہ کھلوائیں۔ آپ بھی تندور والی ماسی شیداں کی بیٹی چھنو کے پیچھے بہتیرے رقعے پھینکتے تھے۔ وہ تو ایک دن ماسی کے بیٹوں نے آپ کی خوب چھترول کی تھی تو آپ باز آئے تھے۔''

چچا جان نے بھی مروت ولحاظ کو بالائے طاق رکھ کر جوابی وار کیا تو گویا تائی جی کے کانوں میں صور اسرافیل پھونکا گیا۔ انہوں نے سٹ پٹا کر دوپٹے کا پلو منہ پر رکھ لیا۔

اب ان کے مجازی خدا ساٹھ کے پیٹے میں تھے مگر بھائی کی زبانی ان کی جوانی کی رنگین داستان سن کر وہ بہو بیٹے کے سامنے عرق عرق ہوئی جارہی تھیں۔ اب وہاں مزید بیٹھنا محال تھا۔ وہ اٹھیں اور تن فن کرتی باہر نکل گئیں۔

بہو اور بیٹے نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور زیر لب مسکراتے ہوئے وہ بھی ان کے پیچھے چل دیے۔

☆☆☆

اس وقت گھر کے دو نفوس ایسے بھی تھے جو اس شور وہنگامے سے بے نیاز، بے خبر وسیع وعریض لان کے نسبتاً سایہ دار کونے میں بندھی تایا جی کی گائے کے ساتھ سیلفیاں بنوا رہے تھے۔ یہ چچا جان کی نٹ کھٹ سی عنایہ اور تایا جی کا چھوٹا فواد تھے۔ گائے نہایت خوب صورت اور موٹی تازی قد آور تھی۔ اس کی جلد ہلکے براؤن رنگ کی تھی جس پر کہیں کہیں گہرے براؤن دھبے تھے اور دم سیاہ تھی۔

اتفاق سے اس وقت عنایہ نے بھی براؤن اور سیاہ رنگ کا لان کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے شیفون کے دوپٹے کا ایک پلو گائے کی پشت پر پھیلایا اور دوسرا نزاکت سے اپنے سر پر ٹکا کر پوز بنایا تو فواد اس کی اس ادا پر اش اش کر اٹھا اور پھر جھٹ تصویر بنالی۔

وہ موبائل کو آگے پیچھے ورد ائیں بائیں کر کے مختلف زاویوں سے تصویریں بنا رہا تھا۔

''کیا ہے فواد.....؟ اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو؟ یہاں اتنی گرمی ہے.....!'' عنایہ ٹھنک کر بولی۔

''کیا کروں..... ہر تصویر کے نیچے لکھنا جو پڑ رہا ہے کہ دائیں جانب گائے ہے اور بائیں جانب محترمہ عنایہ مریم صاحبہ موجود ہیں.....''

وہ اس کے کپڑوں کی گائے کی رنگت سے میچ ہونے پر چوٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کا مذاق سمجھ گئی مگر موڈ بے حد خوش گوار تھا اس لیے برا مانے بغیر کھلکھلا کر ہنس دی۔ اور پھر پیار سے اپنی دونوں بانہوں کو گائے کی تنومند گردن میں حمائل کر کے ایک اور دل دہلا دینے والا پوز دیا۔ فواد نے کھٹا کھٹ کئی تصویریں بنائیں اور پھر موبائل اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

pklibrary.com

"چلو اب میری باری ہے۔"

گائے بے چاری پچھلے پون گھنٹے سے ان دونوں کو برداشت کر رہی تھی مگر اب اس کا بھی ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس لیے جب فواد نے اس کی لمبی دم اپنے بازو کے گرد لپیٹ کر تصویر بنوانی چاہی تو گائے کو یہ گستاخی سخت ناگوار گزری۔

اس نے اپنی پچھلی ٹانگ زور سے ہوا میں لہرائی۔ جو خوش قسمتی سے فواد کو لگنے کے بجائے درمیان میں پڑے پلاسٹک کے اسٹول کو جا لگی۔ فواد بروقت اچھل کر پرے ہٹا اور عنایہ نے بامشکل ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا۔

☆☆☆

تایا جی کے گھر میں رات کا کھانا تناول فرمایا جا رہا تھا۔ کھانے کی میز پر غیر معمولی خاموشی طاری تھی۔ انہوں نے دزدیدہ نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ دائیں جانب بہو بیٹا سر جھکائے کھانا کھا رہے تھے۔ سامنے فواد کی کرسی خالی تھی۔ غالباً وہ اکیڈمی گیا ہوا تھا۔ اور بائیں جانب زوجہ محترمہ تشریف فرما تھیں جو خطرناک حد تک سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔ خفگی کے تاثرات لیے گول مٹول سا چہرہ غبارے کی مانند پھولا پھولا سا تھا۔

وہ اتنے نادان تو نہیں تھے۔ سمجھ گئے کہ دوپہر میں ہونے والے جھگڑے میں چھوٹے بھائی نے بے غیرتی کی حد پار کرتے ہوئے ماضی کے جو راز افشا کیے تھے۔ یہ اسی کا شاخسانہ تھا کہ بیگم صاحبہ کا موڈ اس قدر "خوش گوار" دکھ رہا تھا۔

اب انجان بنے رہنے میں ہی عافیت تھی۔ اس لیے وہ چپ چاپ کریلے گوشت کے سالن سے انصاف کرتے رہے۔

پھر جوں ہی انہوں نے چوتھی روٹی نکالنے کے لیے ہاٹ پاٹ میں ہاتھ ڈالا تو بیگم صاحبہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"اب بس بھی کریں۔ شوگر بڑھ جائے گی آپ کی۔"

وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولیں اور روٹی ان کے ہاتھ سے جھپٹ کر دوبارہ ہاٹ پاٹ میں رکھی اور ڈھکن مضبوطی سے بند کر دیا۔ وہ کھسیا کر رہ گئے۔ اب بیگم کا سارا غصہ ان کے کھانے پینے پر پابندی لگا کر ہی نکلتا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ اشتعال کی اصل وجہ تو کوئی اور ہے مگر وہ بہو بیٹے کے لحاظ کی وجہ سے براہ راست اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ اب یوں ان کو کھانے پینے سے روک کر ہی بدلہ لینا چاہ رہی ہیں۔ اسی لیے انہوں نے دور پڑے کھیر کے پیالے پر حسرت بھری الوداعی نظر ڈالی اور ٹشو پیپر سے منہ پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

چچا جان کے گھر میں بھی اچھی خاصی گمبھیر صورت حال تھی۔ چچا جان کسی مجرم کی مانند سر نیہواڑے بیٹھے تھے اور چچی جان چھکوں پہکوں روئے جا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ کہے جا رہی تھیں۔

"آپ تو کہا کرتے تھے کہ صغریٰ! تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ یہ تو آج بھائی جان نے بھانڈا پھوڑا کہ اس طرح کی کئی محبتیں آئیں اور گئیں....."

انہوں نے ایک لمبی سسکاری بھری اور دوپٹے سے آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"اوہو..... صغریٰ! سنو تو.....!" چچا جان گھگھیائے۔

"ارے کیا سنوں میں، اب سننے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ نا میں پوچھتی ہو کہ میرے ساتھ تو آپ کپڑے سلائی کرنے کا دھاگا لینے بھی بازار تک نہیں جاتے کہ وقت نہیں ہے۔ اور اپنی محبوبہ کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر سیریں کراتے پھیرتے تھے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں پھٹ پڑیں۔

دراصل چچی جان کی تائی جی کی طرح بہو بیٹے کے لحاظ والی کوئی مجبوری نہیں تھی۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ عنایہ اور وہ بھی اس وقت اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی، اس لیے وہ کھلم کھلا دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں اور چچا جان اپنی صفائی پیش کرتے نڈھال

pklibrary.com

ہوتے جارہے تھے۔

''اوہو صغریٰ! تم بھی کن کی باتوں میں آگئی ہو۔ بھائی جان تو رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔''

''رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بھی بنتا ہے نا!'' وہ بدستور نروٹھے لہجے میں بولیں۔

چچا جان بے بس سے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگے کہ بات تو ٹماٹروں کی فصل سے شروع ہوئی تھی جو نجانے کیسے اتنی بڑھ گئی تھی کہ اب بیگم کے حضور کریکٹر سرٹیفکیٹ پیش کرنے کی نوبت آپہنچی تھی۔

☆☆☆

بات واقعی ٹماٹروں کی فصل سے شروع ہوئی تھی۔

شفیق صاحب (تایا جی) اور رفیق صاحب (چچا جان) کے والد مرحوم نے سیکڑوں ایکڑ زرعی اراضی ترکے میں چھوڑی تھی جس پر ہر سال مختلف موسمی پھل اور سبزیاں کاشت کی جاتی تھیں اور آمدنی کو تقسیم کرلیا جاتا تھا۔

اس بار کسی خیر خواہ نے رفیق صاحب کو بہکا دیا کہ صرف ٹماٹر کاشت کریں کیونکہ گرمیوں میں ٹماٹروں کی قیمت آسمانوں تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح وہ کئی گناہ زیادہ آمدنی حاصل کر پائیں گے۔ پھر کیا تھا رفیق تو پہلے ہی اتاولی فطرت کے مالک تھے۔ بڑے بھائی سے نہ تو صلاح مشورہ کیا اور نہ ہی انہیں اعتماد میں لینا ضروری سمجھا۔

ساری زمین پر ٹماٹر کاشت کیے۔ مگر شاید عمدہ بیج یا کھاد وغیرہ کا اہتمام نہ کیا تھا۔ نتیجتاً ساری فصل تباہ ہوگئی اور ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اسی بات پر دونوں بھائیوں کے مابین لڑائی جھگڑا ہوا جس سے دونوں گھروں کے تعلقات بھی خراب ہوئے۔

اس سے پہلے بھی رفیق صاحب اپنے جذباتی اور احمقانہ فیصلوں سے کئی بار نقصان اٹھا چکے تھے۔ چند سال پہلے دونوں بھائیوں کا مشترکہ گاڑیوں کا شوروم تھا۔

رفیق صاحب کو اپنا پولٹری فارم بنانے کا جنون سوار ہوا تو انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ کردیا۔ شفیق صاحب نے بہتیرا سمجھایا کہ ہر کاروبار کو جمنے میں وقت لگتا ہے۔ راتوں رات کوئی بھی کاروبار عروج تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب یہ گاڑیوں والا کام بھی مناسب منافع دے ہی رہا ہے۔ آہستہ آہستہ آمدنی میں اضافہ ہوتا جائے گا مگر یہ نہ مانے۔ اپنا سرمایہ نکال کر ہی ٹلے۔

بدقسمتی سے اس سال مرغیوں کو کسی بیماری نے آلیا۔ کئی سو چوزے مر گئے۔ یوں یہ کام بھی ختم ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے بچی کھچی رقم سے ہوٹل کھول لیا۔ خود تو کھانا پکانے سے نابلد تھے ہی باورچی بھی اپنے جیسے ہی اناڑی بھرتی کرلیے۔ یوں ہوٹل بھی چار دن نہ چل سکا۔ آج کل وہ کسی نئے کاروبار کی پلاننگ کررہے تھے۔

صغریٰ بیگم (چچی جان) تو شکر کرتی تھیں کہ ابھی رہائش ذاتی تھی۔ کرائے کا مکان نہ تھا ورنہ میاں کی سیماب فطرت کی وجہ سے نجانے کہاں کہاں دھکے کھانے پڑتے۔

دراصل یہ ان لوگوں کا سرخ اینٹوں سے بنا ہوا پرانی طرز تعمیر کا تقریباً تیس مرلے کا کشادہ سا آبائی گھر تھا۔ کمروں اور سامنے صحن کے درمیان دیوار اٹھا کر دو پورشن بنا لیے گئے تھے مگر گھر کے پچھواڑے وسیع و عریض لان کو بغیر تقسیم کے یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور دونوں خاندان مشترکہ طور پر اسے استعمال کرتے تھے۔

☆☆☆

شام کا ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دن بھر سورج میاں نے خوب مزاج پوچھے تھے۔ اب وہ غروب ہوئے تھے تو گرمی کی حدت میں کمی آئی تھی۔ کبھی کبھار چلنے والے ہوا کے جھونکے بھی فرحت بخش محسوس ہورہے تھے۔

فواد نے پائپ لگا کر گائے کو نہلایا۔ پھر اس کے سامنے چارہ اور ٹھنڈے پانی سے بھری بالٹی رکھی۔ ابھی پلٹنے ہی لگا تھا کہ اپنے پورشن سے عنایہ تیز تیز قدموں سے ادھر آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھوں میں کتاب اور کاپی تھام رکھی تھی۔

''فواد! رکو! پلیز..... مجھے فزکس کے نیومیریکل

تو سمجھا دو۔"

دونوں کین کی کرسیوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

فواد نے کتاب کھول کر سمجھانا شروع کیا۔ وہ کاپی پر نوٹ کرنے لگی۔ آج وہ خلاف معمول خاموش خاموش سی تھی۔ فواد کو اس کے صبیح چہرے پر پہلے والی شگفتگی نظر نہیں آ رہی تھی اور ہمہ وقت امڈتی مسکراہٹ بھی غائب تھی۔

"کیا بات ہے عنایہ!..... آج بہت بجھی بجھی سی لگ رہی ہو.....؟" وہ اپنائیت سے پوچھنے لگا۔

"فواد! آج کل ہمارے گھر میں بہت ٹینشن چل رہی ہے۔ ابا پھر ایک نئے کاروبار کی پلاننگ کر رہے ہیں اور اس بات کو لے کر اماں کا ان کے ساتھ ہر روز جھگڑا ہوتا ہے۔

ابھی تو انہوں نے ٹماٹروں کی فصل ڈبوئی ہے تایا ابو بھی اس دن کتنا آگ بگولا ہو رہے تھے۔ مگر وہ اب بھی نہیں سمجھے۔" وہ پریشان کن لہجے میں بتا رہی تھی۔

"دیکھو عنایہ! چچا جان کی نیت تو نیک ہے۔ وہ محنت کرنا چاہتے ہیں مگر ان میں مستقل مزاجی اور کاروباری سوجھ بوجھ کی کمی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ابا جان کا طریقہ کار ہی غلط ہے مگر وہ تایا جی کی بھی تو نہیں مانتے۔"

"عنایہ! اگر چچا جان کا طریقہ کار غلط ہے تو ابا جان کا ان کو سمجھانے کا طریقہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے۔ انہوں نے کبھی اپنے بھائی کو پیار و محبت یا دوستانہ انداز میں نہیں سمجھایا۔ ہمیشہ دھونس سے کام لیا اور گن پوائنٹ پر اپنی بات منوانی چاہی۔ اسی وجہ سے چچا بدک جاتے ہیں۔ اور وہی کرتے ہیں جس سے ابا منع کرتے ہیں۔"

"لیکن ابا نقصان بھی تو کتنا اٹھاتے ہیں۔ ہمارے معاشی حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔ بقرعید کو کتنے کم دن رہ گئے ہیں۔ مگر ہم نے ابھی تک کوئی جانور نہیں خریدا۔ حالانکہ اس بار ابا جان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے بالکل تم لوگوں جیسی گائے دلائیں گے۔" وہ گائے کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے بولی۔

"اوہو عنایہ.....! کیا ہو گیا ہے.....؟؟ لگتا ہے تم پر بھی لڑائی جھگڑے کا اثر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تمہاری ہماری کیا ہوا..... گائے ہم سبھی کی ہے۔ ویسے بھی یہ مجھ سے زیادہ تم سے مانوس ہے۔ دیکھا نہیں کہ اس دن کیسے تمہارے ساتھ پیار سے تصویریں بنوائی رہی مگر جونہی میں نے بنوائی شروع کیں تو زور سے لات چلا دی۔"

وہ ہولے سے ہنس دی اور پھر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"رکو..... سنو ذرا! عنایہ..... مجھے یاد آیا کہ عین عید کے روز تمہاری سالگرہ بھی تو ہو گی ـــــ جاتے جاتے بتاتی جاؤ کہ تحفے میں کیا پسند کرو گی۔ تاکہ میں ابھی سے پیسے جمع کرنے شروع کر دوں۔"

وہ اپنی طرف سے اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس کی بات پر چڑ کر بولی۔

"فواد! تم بہت بڑے ڈرامے باز ہو۔ کئی دن پہلے تحفے، تحفے کا راگ الاپنا شروع کر دیتے ہو مگر پھر سالگرہ والے دن بھول جاتے ہو۔"

"اس بار اس کی نوبت نہیں آئے گی میں نے سوچ لیا ہے کہ اگر بھول گیا تو تحفے میں گائے کی سری (سر گردن سمیت) ہی دے دوں گا کیا یادگار تحفہ رہے گا۔"

عنایہ نے دانت کچکچا کر اپنی کتاب اس کے سر پر دے ماری اور پھر دونوں ہنستے ہوئے اپنے اپنے پورشن کی جانب چل دیے۔

☆☆☆

بالآخر عید الاضحیٰ کی مبارک صبح آ پہنچی۔ ہمیشہ کی طرح گہما گہمی اور جوش و خروش سے بھرپور خاص طور پر ان گھروں کی زیادہ مصروفیت تھی جو قربانی کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ شفیق صاحب نے بھی اپنے بیٹوں کے ہمراہ قصاب کی مدد سے گائے ذبح کی۔

پھر اس کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ فواد پرات بھر گوشت چچا جان کے ہاں دینے گیا اور دوپہر کے کھانے کی دعوت بھی دی مگر ان کے تاثرات سے لگتا نہیں تھا کہ وہ تشریف لائیں گے۔

ادھر بیگم شفیق (تائی جی) تن تنہا کچن میں ہلکان ہورہی تھیں۔ بہو بیگم کی والدہ علیل تھیں۔ اس لیے وہ قربانی کے فوراً بعد میکے چلی گئی تھی۔ انہوں نے پتیلا بھر کے کباب اور کلیجی پکائے۔ اور چپکے سے کٹوری بھر کے عنایہ کے لیے ڈھانپ لی۔ شفیق صاحب (تایا جی) نے دو چار لقمے لیے پھر منہ بناتے ہوئے کہنے لگے۔

"بیگم! اس بار آپ نے کلیجی ٹھیک سے نہیں بھونی ہے۔ مہک آرہی ہے۔"

"میں کیا کروں......؟" وہ پھٹ پڑیں۔ "اکیلی جان ہوں۔ کیا کیا دیکھوں۔ بہو اپنے میکے جاچکی ہے۔ اوپر سے سکینہ (کام والی) کام چور ابھی تک نہیں آئی ہے۔ فواد بیچارہ ہی تھوڑی بہت مدد کروارہا ہے۔"

وہ کچن میں آکر جھوٹے برتن سمیٹنے لگیں تو تھوڑی دیر بعد سکینہ کام چور چلی آئی۔

"اسلام علیکم باجی!......"

"وعلیکم السلام......! ناں تم کہاں تھیں اب تک......؟؟" وہ کڑے تیوروں سے پوچھنے لگیں۔

"باجی! میں تو سویرے ہی آگئی تھی۔ باجی صغریٰ نے روک لیا تھا۔"

"کیوں......؟ قربانی تو ہمارے ہاں تھی۔ وہاں کیا کام تھا تمہیں......؟" وہ اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"باجی! رفیق بھائی کے دوست ہیں نا شاہ صاحب وہ گوشت لے کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیگم، بہو بیٹا اور بھائی بھاوج بھی تھے۔ ان کے واسطے چائے پانی کا بندوبست کرنا تھا۔ عنایہ بی بی کے سر میں درد تھا تو میں صغریٰ باجی کی مدد کروارہی تھی۔" وہ تفصیل سے بتانے لگی۔

"ہیں......کیا شاہ صاحب گوشت دینے کے لیے سارے ٹبر کو ہمراہ لائے تھے۔" وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔

"نہیں باجی! گوشت کا تو صرف بہانا تھا۔" اب کے اس کی آواز پست ہوگئی۔ "عنایہ بی بی کی ان کے بیٹے سے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ ان لوگوں نے ذکر تو نہیں کیا مگر میرا اپنا اندازہ ہے کہ آج وہ اپنی فیملی کے ہمراہ بات پکی کرنے آئے تھے۔" وہ راز داری سے بولی تو ان کے دل کو تو دھکا سا لگا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟ سکینہ!"

"ہاں باجی! ان کا ایک بیٹا نہیں تھا لمبے سے سر والا مانی......!"

"عبدالمنان؟" انہیں یاد آیا۔

"ہاں باجی وہی......سنا ہے کہ امریکا سے وکالت کی ڈگری پاس کرکے آیا ہے۔ اسی سے اپنی عنایہ بی بی کا رشتہ طے ہورہا ہے۔ بس باجی میرا نام نہ لینا کسی سے۔" وہ دبی دبی زبان میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

(شاہ صاحب نے مبہم انداز میں عنایہ کے رشتے کی بات ضرور کی تھی۔ اسی مقصد کے لیے اپنی فیملی کو بھی لڑکی دکھانے لائے تھے۔ رفیق صاحب نے سوچنے کا وقت مانگا تھا مگر سکینہ بی بی نے عادتاً مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے عنایہ کی بات ہی پکی کردی تھی۔)

پھر وہ تو سکون سے برتن دھونے لگی مگر اس کی باتوں نے بیگم شفیق کا سکون غارت کردیا۔

عنایہ کی بات پکی بھی ہوگئی مگر دیور دیورانی نے انہیں بھنک تک نہ پڑنے دی۔ لڑائی ایک طرف رہی مگر تایا تائی ہونے کی حیثیت سے ان کا مشاورت کا تو حق بنتا تھا آخر بچی پر ان کا بھی تو حق تھا۔

بچی بات یہ تھی کہ وہ تو دل میں فواد اور عنایہ کا سوچے بیٹھی تھیں۔ بچوں کے دل بھی ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ پھر اس معاملے میں وہ زور زبردستی کی بھی قائل نہیں تھیں۔ بڑے بیٹے کے لیے ان کا کتنا ارمان تھا کہ اپنی بھانجی لے آئیں۔ مگر جب اس کا جھکاؤ اپنی کولیگ کی طرف دیکھا تو جھٹ رشتہ ڈال دیا۔ فواد بھی تو ان کا چہیتا بیٹا تھا۔ اس کی خوشی کو کیسے نظر انداز کرسکتی تھیں۔

عنایہ بھی ان کی گود میں پلی بڑھی تھی۔ اس سے بھی انتہا کی الفت تھی مگر دیور دیورانی نے تو بے مروتی کی حد کردی تھی کہ کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا تھا۔

دوپہر میں جب وہ شفیق صاحب کو چائے دینے گئیں تو ان سے بھی ذکر کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

pklibrary.com

"اجی! سنیے ذرا....."

"کیا بات ہے.....؟ بیگم" وہ کرکٹ میچ میں غرق تھے۔

"ساتھ والے گھر میں شاہ صاحب آئے ہوئے تھے۔"

"تو کیا ہوا.....؟ رفیق کا دوست ہے وہ اکثر آیا ہی رہتا ہے۔" وہ مسلسل اسکرین پر نظریں جمائے جمائے بولے۔

"مگر سکینہ بتا رہی تھی کہ ان کے بیٹے کے ساتھ عنایہ کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ دیکھیں ذرا..... آپ کے بھائی اور بھاوج کی بدلحاظی مشورے کے قابل تک نہ سمجھا اور بالا ہی بالا بچی کا رشتہ پکا کر دیا۔ ایسا تو کوئی غیروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔"

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اور بھی بہت کچھ کہے چلی جا رہی تھیں مگر وہ کچھ نہیں سن رہے تھے۔ ان کی سوئی تو صرف ایک ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

"عنایہ کا رشتے طے ہو گیا ہے۔" کیا عنایہ اتنی بڑی ہو گئی..... وہ تو ابھی بھی اسے چھوٹی سی گڑیا ہی سمجھتے تھے جو اپنی توتلی زبان میں تاجی تاجی کہتی ہوئی ان کی گود میں چڑھ جاتی تھی۔ ان کی اپنی تو نہ کوئی بہن تھی نہ بیٹی۔ بھائی کے ہاں جب بچی ہوئی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بالآخر اللہ نے ان کے گھر بھی رحمت بھیج دی تھی۔ اپنی والدہ مرحومہ کے نام کے ساتھ ملا کر انہوں نے اس کا نام "عنایہ مریم" تجویز کیا تھا۔

کیا ان کی عنایہ مریم کا رشتہ بھی طے کر دیا گیا۔ وہ سوچے چلے جا رہے تھے۔

☆☆☆

شفیق صاحب نے فواد کو ہدایت کی تھی کہ وہ گائے کی آلائش اور بقایا جات وغیرہ گلی میں ہرگز نہ پھینکے بلکہ پچھواڑے لان میں گڑھا کھود کر دفن کر دے۔ اب وہ یہی دیکھنے کے لیے ادھر جا نکلے کہ اس نے گڑھے کا منہ ٹھیک سے بھرا تھا کہ نہیں۔ لان میں ہلکا سا اندھیرا تھا۔ جامن کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے انہیں کوئی ہیولا سا دکھائی دیا۔

"کون ہے یہاں.....؟" وہ قریب آئے۔

"تایا ابو! میں ہوں۔" عنایہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ سر میں درد ہو رہا تھا تو ہوا کھانے آئی تھی۔" اس کی آنکھیں متورم اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا۔

"بیٹا! آج تم ہمارے ہاں کیوں نہیں آئیں؟ کیا تمہارے باپ نے منع کیا تھا؟"

"نہیں تایا ابو! ایسی تو کوئی بات نہیں....." وہ سٹ پٹائی۔

"وہ دراصل گھر میں کچھ مہمان آئے تھے۔" جھجک کر بتانے لگی۔ مہمانوں کا سن کر ان کے اندر ایک بار پھر غصے کا ابال سا اٹھا۔

وہ شاہ صاحب کی فیملی کو اچھی طرح سے جانتے۔ انتہا درجے کے شوباز اور سطحی لوگ تھے۔ ان کا بھائی ایک بار پھر جذباتی اور احمقانہ فیصلہ کرنے جا رہا تھا۔ مگر اس بار معاملہ ٹماٹروں کی فصل کا نہ تھا بلکہ ان کے جگر گوشوں کا تھا۔ وہ ایک فیصلے پر پہنچے۔

"کہاں ہے تمہارا نابنجار باپ؟" انہوں نے کڑک کر پوچھا تو عنایہ مزید گھبرا گئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تایا ابو مہمانوں کا نام سن کر یوں اچانک کیوں بھڑک اٹھے ہیں۔

"وہ اپنے بیڈ روم میں ہیں....." وہ اٹک اٹک بتانے لگی تو پاؤں پٹختے ہوئے ان کے پورشن کی جانب چل دیے جبکہ عنایہ کی جان ہوا ہو گئی۔ اب یقیناً ایک بڑا معرکہ ہونے جا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر فواد کو فون کیا۔

"فواد.....! جلدی سے کچھ کرو۔ تایا جی بڑے غصے میں ابا جان کے پاس گئے ہیں۔"

فواد گائے کے پائے صاف کر رہا تھا۔ عنایہ کی اطلاع پر اس کے بھی ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ اس نے فوراً کچن میں موجود ماں کو بتایا وہ بھی بوکھلا گئیں۔ اس سے پہلے کہ ماں بیٹا کچھ سوچتے ادھر سے ملازمہ چلی آئی۔

"آپ دونوں کو حاجی صاحب (شفیق صاحب) ادھر رفیق بھائی کے ہاں بلا رہے ہیں۔"

pklibrary.com

دونوں کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔

☆☆☆

شفیق صاحب جب تن فن کرتے ہوئے رفیق صاحب کے بیڈروم میں داخل ہوئے تو وہ پلنگ پر نیم دراز تھے۔ بڑے بھائی کو دیکھ کر جھٹ اٹھ بیٹھے اور چپلیں پاؤں میں اڑستے ہوئے کھڑے ہوئے۔ ایسا انہوں نے ان کے احترام میں نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کے خوف ناک تیوروں کو دیکھتے ہوئے کھسکنے کے چکروں میں تھے۔

شفیق صاحب بھی ان کا ارادہ بھانپ گئے اور سامنے آکر ان کا راستہ روک لیا۔ اتنے میں صغریٰ بیگم اور عنایہ بھی فق چہروں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

''دیکھو رفیق!'' شفیق صاحب ان کے کندھوں پر مضبوطی سے ہاتھ جما کر دبنگ لہجے میں بولے۔

''ہماری آپس کی لڑائی ایک طرف مگر میں بچوں پر اس کی آنچ نہیں آنے دوں گا۔

ایک بات کان کھول کر سن لو۔'' وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر وارننگ دیتے ہوئے بولے۔ ''عنایہ آج بھی میری بیٹی ہے اور کل بھی میری ہی بیٹی رہے گی۔''

وہی دھونس بھرا لہجہ جس سے وہ سخت خار کھاتے تھے۔ اب بھلا یہ کیا طریقہ ہوا۔ وہ ان کا عندیہ جان گئے تھے کہ عنایہ کے رشتے سے متعلق بات کر رہے ہیں۔ مگر اس انداز پر تو صفا چٹ انکار ہی بنتا تھا۔

ان کا سرنفی میں ہلنے ہی والا تھا کہ اچانک ان کی نظر سامنے کھڑی عنایہ پر پڑی۔ اپنے تایا کی بات پر اس نے حیا سے سر جھکا لیا تھا۔ اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیلی تھی اور قوس قزح کے ہزار رنگ سجے تھے۔ وہ باپ تھے اور ان رنگوں میں انہیں اپنی بچی کی خوشی صاف نظر آرہی تھی۔ اور اب وہ محض جھوٹی انا کی خاطر اس کو اس خوشی سے محروم نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے ان کا سرنفی کے بجائے اثبات میں ہل گیا۔

اتنے میں سکینہ شربت سے بھرا جگ اٹھائے اندر داخل ہوئی تو شفیق صاحب نے کہا۔

''جاؤ ذرا فواد اور اس کی ماں کو بلا لاؤ۔''

☆☆☆

جب فواد اور بیگم شفیق بدحواس سے اندر داخل ہوئے تو سامنے صوفے پر شفیق صاحب کے ساتھ شرمائی لجائی سی عنایہ بیٹھی تھی جبکہ رفیق صاحب اور صغریٰ بیگم پاس کھڑے تھے۔

''ادھر آؤ فواد!'' شفیق صاحب نے فواد کو پکارا تو وہ گھبرایا گھبرایا سا ان کے دائیں جانب بیٹھ گیا جبکہ اس کے ساتھ ہی گویا کی کیفیت میں بیگم شفیق بھی تشریف فرما ہو گئیں۔

''فواد! تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں.....؟'' شفیق صاحب نے پوچھا تو وہ اس غیر متوقع سوال پر ششدر رہ گیا۔

''جی ابا.....!'' اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔

''ابے کم بخت! میں پوچھ رہا ہوں تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں.....؟'' اب کے انہوں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''صبح تمہیں بیس ہزار دیے تھے۔''

''جی ابا جان! پندرہ ہزار تو قصاب کو دیے تھے۔ یہ پانچ ہزار ہیں۔'' اس نے اپنی جیب سے مڑا تڑا سا پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر انہیں دیتے ہوئے ہکلا کر کہا۔

پھر انہوں نے اپنی جیب سے بھی پانچ ہزار کا نوٹ برآمد کیا اور دونوں نوٹ عنایہ کی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''میں نے تو کچھ اور سوچ رکھا تھا مگر آج عیدالاضحیٰ کا مبارک دن ہے۔ چھوٹی سی رسم کر ہی لیتے ہیں۔ ویسے بھی گھر کی ہی بات ہے۔''

''بے شک گھر کی بات ہے مگر پھر بھی ماؤں کے بھی کچھ ارمان ہوتے ہیں۔''

بیگم شفیق نے کہا اور پھر ساتھ ہی اپنی موٹی تازی انگلی سے کھینچ کھانچ کر اپنی وزنی سونے کی انگوٹھی اتاری اور عنایہ کی انگلی میں پہنا دی۔ وہ اس کے کافی کھلی تھی۔ اس لیے اس نے گرنے سے بچانے کے لیے اپنی مٹھی بند کر لی۔

فواد کے بھائی اور بھابھی گھر لوٹے تو گیٹ پر ہی انہیں سکینہ مل گئی۔ آدھی پونی بات اس نے انہیں بتا دی تو

وہ بھی سیدھے ادھر ہی چلے آئے۔ جب اندر داخل ہوئے تو سامنے کا منظر نہایت دلچسپ اور خوب صورت تھا۔

بھابھی نے جلدی سے اپنے پرس سے موبائل نکالا اور تصویریں بنانی شروع کر دیں۔

اب ایسی نایاب اور یادگار منگنی کی تصویروں پر کتنے لائک ملنے تھے جس میں لڑکا لانگ نیکر اور بنجی سی سفید بنیان میں ملبوس تھا جس پر جگہ جگہ گاجے کے خون کے دھبے لگے تھے اور لڑکی کے ٹراؤزر کے آدھے پائنچے گیلے تھے۔ شاید اس نے کچھ دیر پہلے فرش دھویا تھا۔ مگر وہ دونوں بکھرے اور الجھے حلیے میں بھی بہت خوب صورت دکھ رہے تھے۔ سچی خوشی کا عکس دونوں کے چہروں سے نور بن کر جھلک رہا تھا۔ بھابھی نے کھٹا کھٹ کئی تصویریں کھینچ لیں۔

☆☆☆

شام رات میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ سیاہ آسمان پر کہیں کہیں سنہری تارے نمودار ہو رہے تھے۔ عنایہ نے منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کیا۔ بال سلجھائے اور چہل قدمی کے لیے لان میں چلی آئی۔ اسے اپنا آپ ایک دم ہلکا پھلکا سا محسوس ہو رہا تھا۔

اچانک اس کے موبائل کی ٹیون بجی۔ فواد کا میسج تھا۔

"منگنی اور سالگرہ، دونوں مبارک ہوں۔ منگنی کا تحفہ ادھار رہا۔ فی الحال سالگرہ کا تحفہ گلاب کے پودے کے پاس رکھا ہے۔ قبول کرو۔"

وہ اس کے فلمی انداز پر محظوظ ہوتی ہوئی گلاب کے پودے کے قریب آئی۔ ایک خوب صورت گفٹ پیک وہاں موجود تھا۔ اس نے اٹھایا اور لان کے ایک کونے میں جلتے ہوئے انرجی سیور کی لائٹ میں احتیاط سے کھولنے لگی۔ سنہری موتیوں سے دیدہ زیب ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ وہ ہولے سے اس پر انگلی پھیرنے لگی۔

"کیسا لگا گفٹ......؟" ایک دم پیچھے سے آواز آئی۔ وہ کرنٹ کھا کر مڑی تو سامنے نکھرا ستھرا سا فواد کھڑا تھا۔

"بہت خوب صورت ہے اور شاید بہت قیمتی بھی۔"

"نہیں بہت قیمتی نہیں ہے یہ آرٹیفشل ہے۔ گولڈ کا نہیں ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"کوئی بات نہیں مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

"لاؤ مجھے دو۔" وہ بریسلٹ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولنے لگا۔

"فواد! تم الٹی سائیڈ سے کھول رہے ہو۔ یہ ٹوٹ جائے گا۔ لاؤ میں کھولتی ہوں۔" اس نے گھبرا کر بریسلٹ اس سے لے کر کھول دیا۔ فواد نے دوبارہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس کی کلائی میں پہنا دیا۔ سونی کلائی سج گئی۔

"عنایہ! میں تمہیں منگنی کا گفٹ گولڈ کا دوں گا۔" وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوہو فواد! کیا گولڈ...... گولڈ کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ میں کون سا گولڈ پر مرتی ہوں۔ یہ سونا چاندی کچھ نہیں ہوتا۔ اصل چیز وہ خلوص، محبت اور چاہت ہوتی ہے جو کسی تحفے کو قیمتی بناتے ہیں۔"

وہ اتنی سمجھ داری سے بولی کہ فواد کچھ دیر تک حیرت سے اس کا چہرہ تکتا رہا۔

"دیکھا! میں کتنی عقل مندی کی باتیں کرنے لگی ہوں۔" وہ اٹھلائی۔

"اچھا عقل مند بی بی! تو پھر مجھے کب محبت، چاہت، الفت، وغیرہ وغیرہ سے تحفہ دو گی......؟"

"ہیں کیا......؟ فواد......؟ میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔" اپنی باری آنے پر اس کی بتی گل ہو گئی۔

"ہیں تو سہی......! ابھی ابا نے تمہیں دس ہزار دیے ہیں......" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"ہیں...... بڑے چالاک ہو تم۔"

"چالاک نہیں...... تمہاری طرح عقل مند۔"

وہ بھی اسی کے انداز میں سمجھ داری سے بولا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیے۔ اور عید کی وہ شام بھی ان کے سنگ مسکرانے لگی۔

☆

pklibrary.com

"یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"
ناہید کو یہ جملہ اپنی سماعتوں کا دھوکا لگ رہا تھا۔
"امی! اس میں انہونی کیا ہے جو آپ کو ناقابل یقین بات لگ رہی ہے؟"
وہ ماں کے چہرے پر پھیلے شدید حیرت کے تاثرات دیکھ کر گھبرا گیا تھا، اسے اپنی خواہش کے جواب میں شدید ردعمل کی توقع تھی لیکن اس قدر شدید ردعمل کا اس نے نہیں سوچا تھا۔
"وہ لڑکی بیمار ہے اور تم میرے اکلوتے بیٹے ہو زوار! ایسی بیمار لڑکیاں نسل نہیں بڑھا سکتیں اور اپنے سونے آنگن میں تمہارے بچوں کی قلقاریاں سن کر ہی خوش ہوں گی۔ کیا تم ماں کو خوش نہیں دیکھنا چاہتے تم ایک ماں کے ارمانوں سے اس قدر بے خبر کیوں ہو؟"

گلِ ارباب

وہ ہمت والی عورت تھیں لیکن اس وقت بہت کمزور لگ رہی تھیں۔
"امی! اسے خدانخواستہ کوئی چھوت کی یا پھر ناقابل کنٹرول بیماری نہیں ہے، شوگر دواؤں اور خوراک سے کنٹرول ہو جاتی ہے اور ریسرچ کے مطابق یہ بیماری پاکستان میں ہر چوتھے، پانچویں بندے کو لاحق ہو چکی ہے اور بہت تیزی سے بڑھ بھی رہی ہے، جہاں تک بچوں کا تعلق ہے تو وہ بھی ہزاروں لاکھوں شوگر کی مریض خواتین نے جنم دیے ہیں۔
ہیں، یہ کوئی بانجھ پن کی بیماری نہیں ہے اور اولاد کی بات کروں تو یہ بھی تو دیکھیں نا کہ اولاد قسمت میں نہ ہو تو صحت مند عورت سے بھی نہیں ہو سکتی۔ کئی ایسی عورتوں کو میں نے دیکھ رکھا ہے جن کو شوگر نہیں لیکن وہ پھر بھی بانجھ ہیں، بے اولاد ہیں۔"

pklibrary.com

مکمل ناول

pklibrary.com

ماں آنگن میں رکھے تخت پر بیٹھی تھیں۔ جس پر جھالر والی چادر پڑی تھی اور شدید پریشانی میں وہ تخت پوش کی جھالر سے کھیل رہی تھیں۔ یہ ناہید کی پرانی عادت تھی جب پریشان ہوتیں غیر اختیاری انداز میں کسی بھی چیز کو پکڑ کر توڑنے مروڑنے لگتیں۔

زوار کی نظریں ماں کے ہاتھوں پر تھیں۔ اسے اپنی ماں پر ڈھیر سارا پیار آگیا۔ اس نے ناہید کے قریب بیٹھ کر اس کے کندھوں پر اپنا سر رکھ دیا۔

"امی وہ بہت اچھی اور بہت ہی مظلوم لڑکی ہے۔ میں نے اچھے لوگوں کو ہمیشہ دکھی ہی دیکھا ہے سب کے نہ سہی کسی ایک کے دکھ کو تو میں کم کر سکتا ہوں نا؟"

وہ ماں کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا تھا۔

"بیٹے کی خوشی میں خوش ہونے کے دعوے تو آپ کرتی رہتی ہیں لیکن آج جب وہ زندگی کا اہم ترین فیصلہ اپنی خوشی کے لیے کر رہا ہے تو آپ اس کا ساتھ نہیں دے رہیں؟"

وہ چپ چاپ اپنی ہتھیلیوں کی لکیروں پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔

"میں سمجھتا تھا، میری ماں بہت نرم و گداز دل کی مالک ہیں اور ہمیشہ دکھی لوگوں کو دھندلی آنکھوں سے دیکھتی ہیں میں نے کئی بار، آپ کے آنسو بہتے دیکھے ہیں جو آپ کی اچھی فطرت کی گواہی دیتے ہیں، ماں کا پرتو ہوتی ہے اولاد۔ مجھے خود میں آپ نظر آتی ہیں اور آپ میں اپنا آپ۔"

اس کی بات سن کر وہ بھاری آواز میں بولیں۔

"زندگی محض ہمدردی سے نہیں گزرتی اسے گزارنے کے لیے محبت بھی ہونی چاہیے۔ بلکہ محبت ہی ہونی چاہیے۔"

"محبت نکاح کے ساتھ مشروط ہے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے جو ہمدردی لگ رہی ہے، یہ فقط ہمدردی نہ ہو اور محبت تو مجھے شیبا سے بھی نہیں تھی، لیکن اس کے پاس دولت تھی اس لیے اس وقت آپ نے شادی پر اصرار کیا اور بات بھی پکی کر دی تھی۔"

وہ تنک کر بولیں۔ "وہ بیمار تو نہیں تھی۔"

"اسے جس قسم کی ناقابل برداشت اور ناقابل علاج بیماریاں لاحق تھیں، ان سے آپ بھی واقف ہیں اور میں بھی۔"

وہ ماں کے چہرے پر پھیلا سرد اور جامد سناٹا دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے امی! پھر میرا بھی ایک فیصلہ ہے زرسانگہ نہیں تو کوئی نہیں۔ میں شادی ہی نہیں کروں گا پھر گونجتی رہیں گی آپ کے سونے آنگن میں رشتے داروں یا پڑوسیوں کے بچوں کی قلقاریاں۔"

وہ فیصلہ سنا کر تیزی سے باہر نکل گیا اور ناہید اس دن کو کوسنے لگیں جب ان کے اکلوتے بھتیجے فراز کی شادی میں زوار نے اسے دیکھا تھا۔

"ہونہہ! میرے خوب صورت، صحت مند اور لائق فائق بیٹے کے لیے شوگر کی مریضہ لڑکی ہی رہ گئی ہے مریضنی کہیں کی۔" وہ سخت الجھن میں تھیں اور اس الجھے ہوئے معاملے کا سرا ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ دن یاد کرنے لگیں جب جوان ہونے کے بعد پہلی بار اسے دیکھا۔

☆☆☆

"زرسانگہ بیٹی! آپ بھی آگے آ جائیں۔ ابھی دولہا اور دلہن کی رسمیں شروع ہونے والی ہیں۔" نور بی بی نے اسے یوں اکیلا، چپ چاپ بیٹھا دیکھ کر بڑی محبت سے کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تو اس کی آنکھوں کے خالی پن سے گھبرا کر نور بی بی نے بے اختیار نظر جھکا لی۔

"نور بی بی! آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ مجھے یہ شور شرابا بالکل پسند نہیں۔ یہ تو بابا کی خواہش تھی کہ میں چچا احسان کے بیٹے کی شادی میں شرکت کروں، احسان چچا کو میں بچپن سے جانتی ہوں اس لیے اس شادی میں شرکت کے لیے تیار ہو گئی ورنہ مجھے تو اس ہنگامے میں شدید گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

وہ ہمیشہ نور بی بی کو اسی طرح مخاطب کرتی تھی

pklibrary.com

بابا ڈانٹتے کہ بڑوں کو آپا یا باجی کہتے ہیں تم اس طرح نوربی بی نہ کہا کرو لیکن وہ باز نہیں آتی تھی۔"

نوربی بی نے دیکھا اس کے چہرے پر اداسی یوں سایہ فگن تھی جیسے گھنے پیڑ تلے ستانی تتلی کے رنگین پروں پر ہوا کے جھونکوں سے ہلتے پتوں کا سایہ ہو۔

وہ خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ سجے سجائے رنگین روشنیوں والے ہال میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔ کچھ سرگوشیاں تھیں تو کچھ چنچل لڑکیاں ہنستے مسکراتے قہقہے لگاتی آجا رہی تھیں رنگ برنگے لہراتے ریشمی آنچل اور زلفوں کے پیچ وخم میں الجھی سلجھی ہر عمر کی خواتین اور لڑکیاں جیسے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے تیار ہوئی تھیں۔

زرسانگہ نے اکتائے ہوئے انداز میں موبائل فون میں ٹائم دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے خود کو ڈانٹ بھی پلا دی اس طرح بنا کسی اور سے جان پہچان کے شادی میں آجانے پر۔

"زرسانگہ بیٹا! آپ اسٹیج پر آجاؤ۔ فراز اور ہانیہ بیٹی کی شادی کی مختلف رسمیں ہو رہی ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ میری کوئی بیٹی نہیں ہے اس لیے میں آپ کو اپنی بیٹی بنا کر ان رسموں میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔" مسز احسان خود اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"احسان چچا! مجھے الجھن ہوتی ہے اس طرح کے فنکشنز میں۔ یقین کریں، میرا دل گھبرانے لگتا ہے زیادہ لوگوں میں۔" وہ یہ کہتے کہتے رک گئی سامنے کھڑے منتظر نظروں سے اسے دیکھتے باریش بزرگ کو انکار کرنا اسے اچھا نہیں لگا اور وہ بلا کچھ کہے سر ہلاتی ہوئی ان کے ساتھ چل پڑی

"میں نے انہیں کہا بھی کہ یہ رسمیں وغیرہ گھر جا کر پوری کرتے ہیں لیکن فراز کی ماں کہتی ہیں کہ مہمان سارے چلے جائیں گے تو رسمیں کیا ہم دونوں کریں گے؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بتاتے جا رہے تھے۔ وہ فراز کی امی کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

معاف کرنا بیٹا! میرے گھٹنے بہت درد کرتے ہیں اس لیے آپ کے پاس نہیں آسکی۔

احسان چچا کی بیوی نے معذرت کی تو وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ دولہا دلہن دونوں کے چہروں پر مسرت و شادمانی کے رنگوں نے ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر دل ہی دل میں دعاؤں کا تحفہ دینے لگی۔

"ارے اس لڑکی کی شکل تو دیکھو، یوں لگتا ہے جیسے مرنے والی ہے، شکل پر ہی لکھا ہے میں بیمار ہوں۔" اسٹیج پر اس کے پیچھے سے کسی مرد کی آواز سنائی دی تو بنا پیچھے مڑے ہی سمجھ گئی کہ حسب معمول اس کی شکل اور حالت کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

"ارے زوار! مت کیا کرو ایسی باتیں۔ کسی کی شکل صورت پر بلاوجہ کی تنقید اچھی نہیں ہوتی تم تو بنا سوچے سمجھے کچھ بھی کہہ دیتے ہو۔"

"یار! ایسے نمونے میرے سامنے آجاتے ہیں تو خواہ مخواہ ہی زبان پر کھجلی ہونے لگتی ہے بھئی اگر طبیعت خراب ہے تو گھر میں آرام سے لمبی تان کر سو جاؤ یہ کیا کہ دوسروں پر پر احسان کرتے ہوئے منہ بنا کر اسٹیج پر چڑھ جاؤ۔"

"اچھا چلو ڈانس کے لیے بلا رہے ہیں۔ فراز کے بھائی کی کمی بھی تو پوری کرنی ہے چھوڑو اس مریضنی کے ذکر کو۔"

زرسانگہ نے بے اختیار مڑ دیکھا اور اپنے بالکل قریب کھڑے اس لڑکے سے آنکھیں ملتے ہی اس نے منہ موڑ لیا وہ فقط اسے گھور کر رہ گئی۔ لفظ مریضنی پر اس کا دل دکھ کے شعلوں سے جھلس سا گیا تھا، دن میں کئی بار یہ لفظ اس کے دل پر چابک کی طرح لگتا تھا لیکن وہ سہہ رہی تھی کیونکہ اندر کے زخم کسی کو دکھائے نہیں جاتے بلکہ اندر تک دیکھنے والے خود ہی دیکھ لیتے ہیں اور اسے ابھی تک ایسا کوئی نہیں ملا تھا جو اندر تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس نے سوچوں سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں اس کے اندر جلنے والے بھانبھڑ کی تپش کسی اور

pklibrary.com

تک نہ پہنچ گئی ہو۔

لیکن سب اپنے ہلے گلے میں مگن تھے۔

وہ دونوں اسٹیج کی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے تو زرسانگہ نے بغور دیکھا۔ وہ دونوں ہم عمر لگ رہے تھے اسے مریضنی کہنے والا سفید شلوار قمیص اور ویسٹ کوٹ میں ملبوس تھا جبکہ دوسرا قدرے پستہ قامت اور کمزور جسامت والا تھا۔

''بیٹی! طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

احسان چچا کی مکمل توجہ اس کی طرف تھی۔ وہ بے دلی سے مسکرا دی۔

تو وہ بھی مطمئن ہو کر مہمانوں میں مگن ہو گئے۔

''بٹیا! میرا خیال ہے آپ یہاں سے اٹھ جائیں تو بہتر ہوگا۔ مجھے آپ کی طبیعت خراب لگ رہی ہے۔''

نور بی بی نے قریب آ کر کہا تو وہ تیزی سے اٹھی اور اسٹیج سے نیچے اتر کر اپنی کرسی کی طرف جانے لگی۔ ابھی ہال کے درمیان ڈانس فلور تک پہنچی ہی تھی کہ آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھا گئی۔

پل بھر میں روشنیاں گل ہو گئیں اور شور ہنگامے جیسے خاموش سے ہو گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پیشانی کو رگڑتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن گلا خشک ہو گیا تھا اور ایسا چکر آیا کہ وہ گرنے لگی۔ نور بی بی کے کمزور ہاتھوں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکام ہو گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ فرش پر گر کر زخمی ہو جاتی، قریب کھڑے زوار حسن نے اسے بے اختیار دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ چھ فٹ، تین انچ قد اور چوڑے شانوں والے زوار حسن کی بانہوں میں وہ ایک موم کی گڑیا کی طرح سمائی ہوئی تھی۔

''سب ہی تشویش بھری نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ منشی احسان نے یہ منظر پریشانی سے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر قریب گئے اور جلدی سے زوار کو اشارہ کیا تو وہ ماموں کے پیچھے پیچھے اسے بانہوں میں اٹھائے ان کے بیڈ روم میں لے آیا، نور بی بی بھی پھولی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ساتھ چل رہی تھیں۔

''نور بی بی! زرسانگہ بٹی کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟'' منشی احسان نے پریشانی سے اسے یوں بے جان سا لیٹا دیکھ کر پوچھا تو وہ رونے لگیں

''آپ کو تو پتا ہے پھر بھی پوچھ رہے ہیں؟ بیٹا جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لیں یا پھر ہسپتال لے جائیں لیکن جو بھی کرنا ہے، جلدی کریں، بٹیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔''

منشی احسان نے جلدی سے ڈاکٹر کا نمبر ملایا۔

زوار حسن نے دیکھا۔ اس لڑکی کی پیشانی عرق آلود تھی اور چہرے پر ہلکے ہلکے میک اپ کی تہہ سے زردی جھانک رہی تھی۔

اسے اپنے کچھ دیر پہلے والے طنزیہ جملے یاد آئے تو اندر ہی اندر ندامت کے احساس سے مغلوب ہو کر خود کو اس جاہلانہ رویے پر ملامت کرنے لگا۔

''جانے کیا مسئلہ ہے بے چاری کے ساتھ کہ یوں محفل میں گرنے لگی تھی؟''

'' قریبی ہاسپٹل سے پانچ منٹ میں ایمبولینس آ رہی ہے باہر پارکنگ سے گاڑی نکالنا آسان نہیں۔ زوار بیٹا! آپ زرسانگہ بٹی کو ایمبولینس تک لے جائیں میں گاڑی میں آتا ہوں میں نے صاحب کو بھی کہہ دیا ہے۔ وہ ہاسپٹل پہنچ رہے ہیں۔''

وہ ماموں کی بات سنتے ہی اسے گود میں اٹھا کر اتنی تیزی سے باہر نکل آیا کہ نور بی بی کو تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے جانا پڑا۔ اس کے لمبے سنہرے بالوں کا ریشمی ڈھیر اس کی کلائی سے ہو کر نیچے لٹکنے لگا تھا۔ آنکھیں بالکل بند تھیں اس کے لباس سے اٹھتی خوشبو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بندی بہت ہی باذوق ہے۔

''واہ خوشبو کا انتخاب تو کمال ہے اس کا۔''

اس نے ایمبولینس میں رکھے اسٹریچر پر اسے

pklibrary.com

لٹاتے ہوئے لمبی سی سانس لیتے ہوئے سوچا۔

اسے ایمرجنسی میں لے جایا گیا تو وہ ہال سے آنے والے اپنے ہم نواؤں کے فون کو نظر انداز کرتے ہوئے نور بی بی سے آگے آگے اسٹریچر کے ساتھ چل رہا تھا فون اس لیے آرہے تھے کہ وہی ان سب کے ڈانسز کی کوریوگرافی کرتا آیا تھا اور اب وہ نہیں تھا تو کسی کے پاؤں غلط پڑ رہے تھے اور کسی کے ہاتھ۔ لیکن الزام سب ہی نیر جے آنگن کو دے رہے تھے۔

"کیوں موت پڑ رہی ہے۔ اس بے چاری مریضنی کو ہاسپٹل میں پھینک آؤں کیونکہ میرے چیلے گرو کے بغیر تھیا تھیا ٹھیک سے نہیں کر پا رہے۔ بس اب بند کر۔" اس نے فون جیب میں رکھا ہی تھا کہ ماموں کے ساتھ ڈاکٹر اندر آگیا

"ٹیسٹ کے مطابق مریضہ کا شوگر لیول بہت ہائی ہے، انہیں فوری انسولین دینی پڑے گی 480 شوگر میں کچھ لوگ خود کو سنبھال لیتے ہیں لیکن بعض اوقات ول پاور کی کمی سے مریض بے ہوشی بلکہ کوما میں بھی جاسکتا ہے آپ لوگ میڈیسن اوائیڈ کرنے کے ساتھ احتیاط بھی نہیں کرا رہے ہیں مریضہ سے؟"

ڈاکٹر نے زرسانگہ کو انجکشن لگاتے ہوئے زوار اور منشی احسان سے کہا تو وہ سوالیہ انداز میں نور بی بی کی طرف دیکھنے لگے۔

"دوا تو اب باقاعدگی سے لیتی ہیں ڈاکٹر صاحب پہلے تو اسے دوائی سے جیسے چڑ تھی ایک بار تو میں نے گولیاں پیس کر سفوف بنایا اور دودھ میں ملا کر پینے کے لیے دیا لیکن میری شامت ہی آگئی تھی جب اسے پتا چل گیا مگر اب تو اتنی تکلیف میں ہے کہ بہت عرصے سے وقت پر دوا لے رہی ہے لیکن دوا سے فرق بالکل نہیں پڑ رہا۔"

نور بی بی رونے لگیں۔

اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔

"ارے معافی چاہتا ہوں منشی جی! آپ لوگوں کی خوشی کے رنگ میں بھنگ ڈال دی ہماری بیٹی کی بیماری نے۔"

زوار نے حیرانی سے اس اونچے لمبے سوٹڈ بوٹڈ شخص کی طرف دیکھا جو اس لڑکی کا باپ لگ رہا تھا۔ حیرانی اسے باپ پر نہیں ہوئی تھی بلکہ اس باپ کے چہرے پر پھیلے اطمینان پر ہوئی تھی۔

"ارے نہیں سر! ہم تو بیٹیا کے لیے پریشان ہوگئے ہیں بلکہ شرمندہ بھی کہ ہمارے اصرار پر ہی وہ ہمارے فنکشن میں شریک ہوئیں اور انہیں اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔"

منشی احسان کی بات سن کر وہ اس کے کندھے تھپک کر وہیں بیٹھ چکا تھا۔

زوار نے اب حیرانی کے ساتھ پریشانی سے بھی اس باپ کے اطمینان کو نوٹ کیا جو بے ہوش پڑی بیٹی کی طرف جا کر اسے دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔

"منشی جی! بہت شکریہ۔ آپ اب جائیں آپ کے اکلوتے بیٹے کی شادی کا فنکشن آپ کے بغیر ادھورا ہے۔"

وہ اس کے اصرار پر جانے لگے تو اس نے زوار کی طرف دیکھا۔

"یہ برخوردار کون ہیں؟" سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"ناہید آپا کا بیٹا ہے، زوار حسن نام ہے اس کا۔" وہ سر کے اشارے سے سلام کرتے ہوئے چلتا بنا۔

باہر ڈرائیور کھڑا تھا، منشی احسان ٹیکسی میں آئے تھے۔

"ماموں! اس لڑکی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

وہ پر تجسس انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"زرسانگہ بٹی شوگر کی مریضہ ہے اور یہ انکشاف ان سب پر کچھ سال پہلے اس وقت ہوا جب وہ کالج میں اسی طرح بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی اور ٹیسٹ ہوئے تو بلڈ میں شوگر بہت زیادہ تھی پہلے پہل تو یہ سب اس کے لیے ناقابل قبول رہا لیکن وقت کے ساتھ تکلیف کی شدت نے مل کر اسے یہ بات

سمجھادی ہے کہ اب اسے اس موذی بیماری کے خلاف لڑنا ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔"

ماموں کا افسردہ انداز میں کیا گیا انکشاف اسے بھی اداس کر گیا۔

"ماموں ان کی ماں کہاں ہیں؟"

"جب یہ بدقسمت بچی چند سال کی تھی تب وہ ایک موذی بیماری سے لڑتے لڑتے بالآخر خالق حقیقی سے جا ملیں۔ وہ بہت ہی اچھی خاتون تھیں ان کی موت کے کچھ عرصے بعد ہمارے خان صاحب نے اپنی پرسنل سیکرٹری سے دوسری شادی کرلی تھی اور اب ان کے دو بچے بھی ہیں۔"

اسے ماموں کی بات سن کر اس اجنبی لڑکی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ بات سمجھ میں آچکی تھی ہاسپٹل میں آنے والا شخص اس بے ہوش لڑکی کو جو اس کی بیٹی ہے دیکھ کر کیوں اس قدر مطمئن تھا۔ وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے ٹیکسی سے اترنے لگا۔ ہال میں ایک ہنگامہ اس کا منتظر تھا لیکن وہ اس اجنبی لڑکی کا دکھ محسوس کرتے ہوئے اداس تھا۔

☆☆☆

ہاسپٹل کے صاف ستھرے کمرے کے سفید بستر پر لیٹی وہ لڑکی خواب میں کہیں اور تھی۔

گھنے جنگل کے طویل سلسلے میں ہر طرف اونچے اونچے درخت تھے۔

اور ان درختوں کے درمیان بہتی ندی جس کے کنارے کھیلتے کھیلتے اس کی سنہری بالوں والی گڑیا پانی میں گر گئی اور اس نے روتے ہوئے مما کو پکارا۔

"مما جانی! میری گڑیا گر گئی ہے اسے درد ہو رہا ہوگا اسے نکال کر لائیں۔"

قریب ہی بچھی دری پر مما پاپا کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتے ہوئے چائے پی رہی تھیں۔ وہ کپ رکھ کر اٹھیں اور اپنی گڑیا کی خوشی کے لیے پانی میں اتر گئیں۔ دھیرے دھیرے وہ نظروں سے اوجھل ہو رہی تھیں لیکن بابا نے انہیں نہیں روکا نہ ہی وہ انہیں روک پائی تھی۔ دونوں میں سے کوئی پانی میں نہ اترا تھا۔

"بابا! مما جا رہی ہیں ہمیشہ کے لیے۔"

وہ چیخ رہی تھی مگر بابا ہاتھ میں چائے کا کپ لے کر اطمینان سے وہیں دری پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"رو ؤ مت زرسانگہ! ہم آپ کے لیے دوسری مما لے آئیں گے اس سے بہت اچھی والی مما۔"

اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

"میری مما سب سے اچھی ہیں، میری مما کو بچا لیں مجھے دوسری مما نہیں چاہیے۔" وہ سر کو ادھر ادھر نفی میں ہلا رہی تھی۔

ہوش میں آتے ہی اس نے خود پر جھکا ایک مہربان چہرہ دیکھا اور دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"جب بھی آنکھیں کھلتی ہیں، آپ کا چہرہ ہی سامنے آتا ہے۔ کتنی بورنگ بیماری ہے میری نہ کوئی اسمارٹ اور ڈیشنگ ڈاکٹر نہ ہی کوئی طرح دار ڈاکٹر حسینہ یہاں تک کوئی نازک اندام نرس بھی دکھائی نہیں دیتی۔"

نور بی بی نے اپنی نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور نمی کی اوٹ میں سے جھانکتی محبت کی چمک نے زرسانگہ کی متورم آنکھوں کو چندھیا دیا۔

"بابا جان کہاں ہیں؟" وہ اس سوال کا جواب اچھی طرح سے جانتی تھی، اس لیے نور بی بی نے جواب ہی نہ دیا۔

"مینو اور جگنو بھی نہیں آئے؟"

وہ اسے سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے۔ آہستگی سے بولیں۔

"نہیں! ماں نے منع کر دیا ہوگا، شاید آج اس کا بھی بی پی ہائی ہو یا پھر سر درد بخار کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

ورنہ صاحب اس طرح تمہیں بے ہوشی میں چھوڑ کر ہرگز نہ جاتے۔"

نور بی بی کے لہجے میں چبھن تھی۔

"ارے یہ بڑی بات ہے کہ وہ آئے تو تھے سو

ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں۔"
اس نے ہاسپٹل کی ہلکی آسمانی رنگ کی دیوار پر لگے پرانی طرز کے وال کلاک پر نظر دوڑائی تو ڈھائی بج چکے تھے۔
"ارے آج تو لگتا ہے، میں کئی گھنٹے بے ہوش رہی ہوں۔"
"ہاں اللہ بھلا کرے اس بچے کا جس نے تمہیں اٹھا کر جلدی سے ہاسپٹل پہنچا دیا ورنہ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔"
"بچہ کون سا بچہ؟" وہ چونکی اسے اتنا ہی یاد تھا کہ سر چکرانے سے گرنے لگی تھی کہ کسی نے بانہوں میں تھام لیا تھا۔
"اس بچے نے آپ کو گرنے سے بچا لیا تھا ورنہ تو آپ زخمی ہو جاتیں۔"
وہ شرمندہ سی سن رہی تھی اسے یہ بھی افسوس تھا کہ اس کی وجہ سے دوسروں کی خوشیوں میں خلل پڑا تھا۔ اس نے تکیے تلے ہاتھ مار کر ٹٹولا۔
"میرا فون کہاں ہے نور بی بی؟"
نور بی بی کو یاد آیا کہ وہ تو زوار حسن کی جیب میں تھا انہوں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر خود کو اپنی غلطی پر سرزنش کی۔
"میری مت ماری گئی تھی کہ جاتے وقت اس بچے سے فون نہ مانگا۔"
اس نے بے زاری سے انہیں دیکھا۔
"جسے آپ بچہ بچہ کہہ رہی ہیں نا وہ کوئی بچہ شچہ نہیں ہے۔ اسی لیے تو ڈیڑھ لاکھ کا آئی فون لے اڑا ہے۔
کوئی پاگل ہی ہوگا جو اس موقعے سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔"
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ نور بی بی نے آواز دی۔
"کون ہے؟"
باہر سے بڑے اطمینان سے کہا گیا۔
"جی۔ میں وہی پاگل بچہ ہوں، ڈیڑھ لاکھ کا فون واپس کرنے آیا ہوں۔"
دونوں کی نظریں بیک وقت اس پر جم چکی تھیں۔ وہ الجھے بالوں اور ملگجے کپڑوں میں ملبوس زوار حسن تھا جسے کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ اس بے ہوش لڑکی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ عجیب سا احساس دل میں جاگزیں ہو چکا تھا اور یہ احساس شاید شرمندگی کا تھا۔ شرمندگی اس بات کی کہ وہ لوگ اس کے ہوش میں آنے تک رکے نہ تھے۔
"تمہیں کیا مسئلہ ہے زوار حسن؟ اس کا باپ آ چکا تھا اس کے بعد تمہارا وہاں موجود رہنا غیر ضروری ہو گیا تھا اور تمہارے ماموں چاچے کی بیٹی ہوتی تو یہ فکر مندی بنتی بھی تھی۔"
فنکشن ختم ہوتے ہی وہ سب ماموں کے گھر پہنچے اور ہنسی مذاق میں فراز سے کافی پیسے وصول کرنے کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹا تو اپنے کپڑوں سے اس کے لباس والی خوشبو اٹھتی محسوس کی اور وہ اسے پھر یاد آ گئی۔ ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے اس نے یہ معطر سا احساس اندر اتارا اور سونے کی کوشش میں کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ ایک بار پھر غیر ارادی طور پر اس لڑکی کے بارے میں سوچتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک اسے وہ فون یاد آ گیا جو اس نے جیب میں رکھا ہوا تھا۔
"چلو اب تو وجہ مل گئی ہے وہاں جانے کی۔"
اس نے فون جیب میں ٹٹول کر دیکھا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر بائیک پر نکل گیا۔
"آ جاؤ بیٹا! میں ابھی تمہارا ذکر کر رہی تھی۔" نور بی بی نے اسے اندر بلایا تو زرسانگہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، کئی گھنٹوں کی بے ہوشی اور دواؤں کی وجہ سے سر بھاری ہو رہا تھا، اس لیے ایک دم سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔
"آپ لیٹی رہیں پلیز۔ میں بس یہ فون واپس کرنے آیا تھا اور آپ کی طبیعت کی فکر تھی کہ ہوش آیا ہوگا یا نہیں۔"
وہ فون نور بی بی کے ہاتھ میں پکڑا کر بولا تو اس

نے حیرانی سے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔
''میں جانتا ہوں، رات بہت ہوگئی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کام صبح پر بھی ٹالا جا سکتا تھا لیکن کوئی میرے لیے دل میں بدگمانی پالے چاہے چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی، یہ احساس میرے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔''
وہ شرمندہ سی نظریں جھکا چکی تھی۔
''بہت شکریہ آپ نے میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔'' اب وہاں رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، وہ اجازت طلب کرتے ہوئے باہر نکلا تو نور بی بی جلدی سے اس کے پیچھے نکل آئیں۔
''بیٹا! خیال سے جانا۔ شہر کے حالات اچھے نہیں ہیں۔'' وہ مسکرا دیا۔
''بہت شکریہ جی۔ خان صاحب نظر نہیں آرہے؟'' اس کے سوال پر وہ اداس ہوگئیں۔
''وہ ہمیں روم میں شفٹ کرا کے واپس چلے گئے تھے میں ہوں نا زرسانگہ بیٹی کا خیال رکھنے کے لیے۔'' وہ سر جھکائے بولیں تو زوار حسن بہت کچھ بنا سنے ہی سمجھ گیا۔
''جب سوتیلی ماں آجاتی ہے تو سگے رشتے بھی ویسے نہیں رہتے۔ ہمارے خان جی بہت اچھے انسان ہیں لیکن.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔
''جی۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔'' اس نے ساتھ چلتے ہوئے کہا تو وہ رک گئیں۔
''نہیں، کوئی اگر سمجھ سکتا ہے تو وہ وہی ہے جس پر گزرتی ہے۔ دوسرا کوئی اس کا درد نہیں سمجھ سکتا۔''
''آپ کا وجود بھی ان کے لیے ماں کا نعم البدل ہے۔''
''خوش رہو بیٹا!''
''میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ!''
وہ اندر آگئیں۔ ''اچھا بچہ ہے، باادب اور حساس۔''
''عجیب شخص ہے، ایک طرف تو ایک اجنبی لڑکی کے لیے رات کے آخری پہر بھاگتا ہوا آگیا کہ کہیں اس کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو جائے اور ایک طرف بنا کسی کو جانے اس کے لیے برے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے ذرا نہیں جھجکا۔'' لفظ مریضی اس کی سماعتوں کو تپا رہا تھا۔
وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

''ماموں! اس بے چاری لڑکی کے لیے دل اداس ہوگیا ہے۔''
وہ سب ناشتے کی میز پر بیٹھے تھے۔
''بیٹا! میں اور تمہاری مامی بھی کافی عرصے سے جانتی ہیں خان بھائی اور ان کی فیملی کو۔ زرسانگہ کی امی کی میت پر بھی گئے تھے ہم لوگ اور کئی بار ملاقات بھی ہوئی تھی ان سے۔ بڑی اچھی خاتون تھیں مرحومہ۔''
وہ چائے کے کپ سے اٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے چپ چاپ سب کی باتیں سن رہا تھا۔
''سچ کہتا ہوں، بڑی تیز قسم کی خاتون ہیں یہ مسز خان۔ اس بے چاری بیمار بچی کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی ہیں اور خان صاحب سمجھتے ہی نہیں۔''
ماموں کی بات سن کر اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔
''ماموں! آپ نے میری جاب کی بات کی تھی خان صاحب سے؟''
''جی بیٹا تم! پیر کے دن آفس آجانا۔ میں نے بات کر لی ہے ان سے۔ وہ بڑے متاثر ہوئے تمہاری سی وی دیکھ کر کہ بچہ اتنا لائق فائق ہے۔''
وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ ناہید بھی خوش ہوگئیں بیٹے کی تعریف سن کر۔

☆☆☆

''نور بی بی! اب چھوڑ بھی دو اس ہر وقت کی تیمارداری کو، پہلی بیمار تو بیمار نہیں ہوئی کہ تمہارے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے ہیں۔ ارے میں تو جب سے یہاں آئی ہوں۔ اسے ہوش میں کم بے ہوش

pklibrary.com

زیادہ دیکھا ہے۔"
زرسانگہ کی سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ تو ہر روز ہی انڈیلا جاتا تھا لیکن آج تو حد ہی ختم ہو گئی تھی۔ ہاسپٹل سے گھر آتے ہی اسے طعنوں کا زہر پینا پڑ گیا تھا

"مسز خان کو پتا ہے کہ مجھے شوگر کی بیماری ہے اس لیے کڑوی باتیں میرے لیے شفا ہوں گی۔"
وہ نور بی بی کی متغیر رنگت دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی تو نور بی بی نے بھی اسی انداز میں کہا۔
"ان کو شاید اندازہ نہیں ہے کہ شوگر کی بیماری میں زہر نہیں دیا جاتا۔"
"خبردار جو تم لوگ اس کے پاس گئے ابھی ہاسپٹل سے آئی ہے اور ہزاروں جراثیم ہوتے ہیں اسپتالوں میں۔"
مینو اور جگنو کو دیکھنے کے لیے اس کی آنکھیں ترس رہی تھیں وہی دو تو تھے نور بی بی کے علاوہ جو اس کے زندہ رہنے کی وجہ بن چکے تھے۔
دوپہر کو ماں کے سونے کے بعد وہ دونوں چپکے سے اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔
"بری بات ہے۔ مما کی بات مانتے ہیں انہوں نے منع کیا ہے تھا نا میرے پاس آنے سے، تو کیوں آئے؟"
وہ دونوں کو سینے سے لپٹائے بولی۔ جگنو ہنسنے لگا۔
"پھر خود سے دور کریں نا آپ تو ہمیں جراثیم لگا کر ہی چھوڑیں گی۔"
مینو چھوٹی تھی اور جگنو بڑا دونوں اسے بہت عزیز تھے اور یہ محبت دوطرفہ تھی۔
"آپ نہ میڈیسن لیتی ہیں اور نہ ہی پرہیز کرتی ہیں بیمار تو ہوں گی نا۔"
مینو سمجھدار بنی اسے سمجھا رہی تھی۔
"ارے چاہے کچھ بھی کر لے تمہاری آپی لیکن رہے گی تو مریضنی ہی نا؟"
اسے یہ لفظ اتنی بار اپنے لیے سننا پڑا تھا مسز خان سے کہ اپنا اصل نام بھی کبھی کبھی اجنبی سا لگنے لگتا جب کوئی کہتا "زرسانگہ" تو وہ پہلی بار میں جواب نہیں دیتی تھی۔
اپنی سوتیلی ماں جسے وہ شروع سے مسز خان ہی کہتی تھی۔ شروع سے ہی اسے پہلے تو دبے دبے لہجے میں پھر کھل کر مریضنی کہتی تھی اور اسے اس لفظ مریضنی سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہوتی تھی کہ بابا سب کچھ سن رہے ہوتے تھے لیکن کبھی انہوں نے اپنی بیوی کو اس لفظ سے منع نہیں کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بھی عادی ہو گئے تھے شاید پہلے پہل انہیں برا لگا بھی ہو یا کبھی تنہائی میں انہوں نے بیوی کو سرزنش بھی کی ہو گی لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی عادی ہو گئے تھے۔
"آپ مما کی طرح خود کو مریضنی نہ کہا کریں، مجھے اچھا نہیں لگتا آپ تو اینجل ہیں، فیری ہیں، پرنسس ہیں، تتلی ہیں۔"
مینو کی بات سن کر وہ اداسی سے بولی۔
"اک ایسی پری ہوں جس کے پر ٹوٹ گئے ہیں، اک ایسا فرشتہ ہوں جسے انسان سمجھ نہیں سکتے۔ اک ایسی شہزادی ہوں جس کی سلطنت ہی کوئی نہیں ہے۔ اک ایسی تتلی ہوں جس کے رنگ بارش نے دھو دیے ہیں۔" وہ دونوں سن کر منہ بنا رہے تھے۔
"چلو، مما اٹھ گئی ہیں اور آپ دونوں کا پوچھ بھی رہی ہیں۔" نور بی بی نے آ کر کہا۔
وہ خوف زدہ سے باہر نکل گئے تو زرسانگہ نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔
"یہ تمہاری مما ہیں بیٹی! انہیں اب یہاں رہنا ہے۔"
بابا نے اس اسمارٹ اور سٹائلش سی خاتون کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اسے ان کے ہاتھ میں اپنی مرحومہ ماں کی جگہ ان کا ہاتھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"خان جی! مجھے یہ مما شما کہلانا پسند نہیں ہے یہ مجھے آپی کہے تو ٹھیک لگے گا۔" اس کا ناک چڑھا کر اعتراض کرنا اس کے بابا کو برا نہیں لگا تھا۔ وہ اسی دن سمجھ گئی تھی کہ اب گھر میں مسز خان حکم دیں گی اور بابا

کو تعمیل کرنی ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔

''اٹھو بیٹا! یہ دوا لے لو تاکہ کچھ کھانے کے لیے لاؤں۔''

نور بی بی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''میرا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا۔''

وہ بے زار سا منہ بنا کر بولی تو نور بی بی نے پیار سے کہا۔

''میرا بچہ اب ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہے۔ میری بوڑھی ہڈیوں میں اب دم نہیں کہ اسپتالوں میں رلتی پھروں۔''

وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بالوں کا جوڑا بنا کر بولی۔

''ہاں جی۔ ماں، اللہ کے پاس چلی گئی۔ باپ مسز خان کے ہو گئے، ایک آپ رہتی تھیں آپ بھی تنگ ہو گئی ہیں میری بیماری سے؟''

وہ ان سنی کرتے ہوئے گولی اور پانی لے کر اس کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ منہ بنا کر اس نے گلاس پکڑ لیا۔

☆☆☆

''ارے آپ.....! یہاں کیسے؟''

وہ دوپہر کے کھانے کے بعد چالیس منٹ واک ضرور کرتی تھی۔ ڈاکٹرز نے اس کی بیماری کے پیش نظر پیدل چلنے کو زندگی کا لازمی حصہ کہہ کر سختی سے تاکید کر رکھی تھی کہ اس روٹین پر عمل کرے گی تو بیماری کا مقابلہ کر سکے گی۔

''جی۔ میں خان صاحب کے حکم پر ان کی چیک بک لینے آیا ہوں، جو وہ گھر ہی بھول گئے تھے۔ اور ایک پارٹی کو پے منٹ کرنی ہے۔''

زوار حسن نے سرخ ٹریک سوٹ کے ساتھ سفید جوگرز پہنے اونچی پونی والی اس نازک لڑکی کی طرف بغور دیکھا۔ اگر اس کے چہرے پر ہلکی سی زردی نہ ہوتی تو وہ کافی حسین و جمیل کہلائی جا سکتی تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہیں ایک مریضنی کے چہرے پر؟ شاید مرض تلاش کر رہے ہیں۔ ویسے اب تک آپ جان تو گئے ہوں گے کہ مجھے بلڈ شوگر ہے اور اسے عام زبان میں ذیبک کہتے ہیں جو انسان کو اندر سے ختم کر دیتی ہے اور وہ بعض اوقات اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ ایک لفظ مریضنی کی مار بھی نہیں سہہ سکتا اور عین شادی کے فنکشن میں ہال کے درمیان چکرا کر گر جاتا ہے۔''

زوار حسن کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کھینچ کر اپنے منہ پر ایک چماٹ لگا دے اور پھر خود کو مخاطب کر کے کہے۔

''تیری مت ماری گئی تھی جو ایک بیمار اور کمزور لڑکی کے بارے میں یہ گھٹیا الفاظ کہے تھے؟''

''الفاظ کے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو یہ گھاؤ جان ہی لے لیتے ہیں۔''

اس کا انداز افسردہ تھا۔

''معافی مانگ کر بھی میری شرمندگی دور نہیں ہو سکتی اور معافی پا کر بھی۔ اس لیے معافی مانگنا بے فائدہ ہے بس آپ کے لیے اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ بہت خاص ہیں کیونکہ جنہیں اللہ آزمائش کے لیے چن لیتا ہے، وہ کبھی عام نہیں ہو سکتا اور خاص لوگ ہر کسی کی بات کو دل پر نہیں لیتے۔'' اس کا انداز شرمندگی سے بھرپور تھا

وہ دونوں لان کے درمیان کھڑے تھے۔ اندر سے مسز خان نکل آئیں تو وہ اپنی واک جاری رکھے چل پڑی۔

''بڑی تعریف کر رہے تھے خان صاحب آپ کی۔'' وہ چیک بک اسے پکڑاتے ہوئے بولی تو زوار مسکرا دیا

''جی میری پوری کوشش ہے کہ آپ لوگ مجھ سے خوش اور مطمئن رہیں۔'' مسز خان نے اس کے انکار کے باوجود چائے منگوائی اور وہیں لان میں بیٹھ کر وہ دونوں چائے پینے لگے۔

کیاریوں کے ساتھ بنے واکنگ ٹریک پر چلتے ہوئے زرسانگہ نے حیرانی سے مسز خان کی خاطر

pklibrary.com

داری دیکھی۔

''بغیر شدید مطلب کے یہ کسی کو زیادہ منہ نہیں لگاتیں۔ اللہ خیر کرے اس بے چارے کی۔''

وہ چائے پیتے ہوئے اس سے باتیں بھی کر رہا تھا اور کن انکھیوں سے زرسانگہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

''جانے کیا ہے اس لڑکی میں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔''

''یہ بیٹی ہے خان صاحب کی، بچپن سے جوانی میں قدم رکھتے ہی یہ شوگر کی مریضہ ہوگئی۔ لڑکیاں جوان ہوتی ہیں تو ان کی شادی کرا کے ماں باپ کے سر کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے لیکن میں نے تو اس مریضنی کو مرتے دم تک بھگتنا ہے۔ آئے دن اس کا بے ہوش ہو کر گر جانا اور ہر وقت گھر میں بیماری کی نحوست نے پریشان کر رکھا ہے۔''

اس کے انداز میں اکتاہٹ اور بے زاری کے ساتھ نفرت کی آمیزش بھی تھی۔

زہریلے انداز میں لفظ مریضنی اس کی زبان سے سنتے ہوئے اسے شادی والا منظر یاد آ گیا۔

''جی میم! اللہ آپ کی مشکلیں آسان کرے۔ بہت شکریہ اتنی اچھی چائے کے لیے۔ سر انتظار کر رہے ہیں میں نے آفس پہنچنا ہے ادائیگی آج ہی ضروری ہے۔''

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''ہاں میں چند دن سے چھٹی پر ہوں ورنہ سارے کاروباری معاملات خود بھی دیکھتی ہوں۔''

وہ اجازت لے کر چل پڑا اور مسز خان اندر جانے لگی۔

''ہوشیار رہیے گا، یہ خاتون کسی کو ایویں ہی منہ نہیں لگاتیں۔''

وہ زرسانگہ کے قریب سے گزر رہا تھا تب ہی اس نے دھیرے سے کہا اور زوار کے قدم رک گئے۔ باوجود کوشش کے اس کا خود پر سے اختیار اٹھ گیا تھا۔

''آپ ہی کا ذکر ہو رہا تھا؟''

اس نے دھیرے سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''میرا ذکر؟'' زوار نے اثبات میں سر ہلایا

''مریضنی مریضنی کی رٹ لگی ہوگی۔ میرا ذکر تو وہ ہمیشہ یونہی کرتی ہیں۔'' وہ نم لہجے میں بولی تو وہ سر جھکا کر رہ گیا۔

''چلیں جی میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اجازت لے کر نکلنے لگا۔

''سنیے؟'' پیچھے سے اس نے پکارا تو وہ آواز سن کر کھل سا گیا۔

''جی؟'' نظریں اس کے سنہری بالوں کی پونی میں اٹک گئیں جو آگے آ کر شانے پر ریشم کے ڈھیر کی صورت سج گئی تھی۔

''اس کے بالوں اور گالوں کا رنگ بالکل ایک جیسا ہے جانے کیوں اس لڑکی کا چہرہ دیکھ کر پہلا خیال یہ ہی آتا ہے کہ اس کے زرد گالوں پر غازہ لگا دوں۔''

''جی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دن منشی احسان چچا کے فنکشن میں آپ نے میری مدد کی، اس کے لیے اور پھر رات کے آخری پہر میرا فون دینے آئے، اس کے لیے بھی بہت شکریہ۔''

وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

''ارے آپ تو یوں کہہ رہی ہیں جیسے یہ کوئی بہت بڑی بات ہو میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو میں بھی یہ ہی کرتا۔''

''اصل میں بھی کسی کا شکریہ ادا کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی نا، اس لیے مجھے ٹھیک سے شکریہ کرنا نہیں آتا۔ پتا ہے کیوں؟ کیوں کہ کبھی کسی نے میرے لیے کچھ کیا ہی نہیں تو شکریہ کیسے کہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں لیکن وہ پلکیں جھپک جھپک کر چھپا گئی۔

''کوئی بات نہیں جی اپنا خیال رکھا کریں۔ اللہ حافظ۔'' وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ آفس کی گاڑی گیٹ کے باہر ہی کھڑی تھی۔

وہ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

pklibrary.com

☆☆☆

''مما نے ٹیوشن کے لیے سر رکھ لیے ہیں اور آج سے وہ پڑھانے بھی آرہے ہیں۔''

مینو نے منہ بنا کر کہا تو جگنو نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار منہ بسور کر کیا۔

''اس میں قصور سر اسر تمہارا ہے نہ ایک پیپر میں فیل ہوتیں نہ ہی ٹیوشن والا آتا۔''

جگنو نے بہن کو آئینہ دکھایا تو زرسانگہ ہنسنے لگی۔

''اور وجہ تو سنو اس کے فیل ہونے کی۔ برا بھلا کہہ رہی ہے عنیزہ کو کیونکہ اس نے پیپر ٹھیک سے یاد نہیں کیا تھا اور اس کی ساری نقل ضائع ہوگئی۔ وہ غلط لکھ رہی تھی تو کچھ خیال کرنا تھا نا۔ سب کچھ نقل پر تو نہیں چھوڑتے کچھ خود بھی پڑھ لیتے ہیں۔'' وہ آپی کی گود میں سر رکھے لیٹی منہ بسورے جا رہی تھی اور زرسانگہ اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں گھما رہی تھی۔

''مجھے تو مکمل یقین ہے کہ اس نے جان بوجھ کر غلط پیپر کیا ہے تاکہ میں فیل ہو جاؤں، یہ بھی سوچا ہوگا کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو ضروری ہوتا ہے۔ اسے مجھ سے بدلہ بھی تو لینا تھا، اس دن برتھ ڈے پارٹی پر اس کے علاوہ سب ہی سہیلیوں کو لے جانے کا۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ پیپر میں مجھے اس کے ساتھ بیٹھنا ہوگا، باقی سب کے چانسز تھے ساتھ بیٹھنے کے اس لیے انہیں انوائیٹ کر لیا تھا۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ اس کی ایسی معصومیت پر۔ وہ اکثر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی تھی کہ یہ دونوں بچے اپنی ماں پر نہیں گئے۔ ایک عورت کا منفی رویہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا گھر میں۔ اگر ایسا رویہ تین افراد رکھتے تو وہ کیسے زندہ رہتی؟''

''توجہ سے پڑھنا ہے اور خوب محنت کرنی ہے اوکے؟''

جگنو نفی میں سر ہلا کر بولا۔

''آپی اسے یہ بھی بتا دو کہ محنت نقل پر نہیں کرنی بلکہ عقل پر کرنی ہے یہ ساری عقل نقل پر لگا دیتی ہے اور عین وقت پر عقل تو ہوتی ہے نقل نہیں ہوتی۔''

زرسانگہ نے عقل اور نقل کی گردان پر سر پکڑ لیا۔ تب ہی نور بی بی آ گئیں۔

''بچو! آپ کے سر آئے ہیں۔ مما کہہ رہی ہیں کہ انہیں جلدی سے سٹنگ روم میں بھیجو۔'' وہ دونوں منہ بناتے ہوئے نکل گئے

''توبہ ہے، پڑھائی سے تو ان دونوں کی جان جاتی ہے۔''

وہ منہ ہاتھ دھو کر بال بنانے لگی۔

''چائے لاؤں بٹیا؟'' نور بی بی کو ہر وقت اس کی خوراک کی فکر لگی رہتی تھی۔

''میں چائے لان میں بیٹھ کر پیوں گی اور ساتھ میں بسکٹ بھی لائیے گا۔'' وہ باہر نکل آئی

''جگنو! آپ نے کل یہ سارا کام مکمل کرنا ہے اور مینا آپ نے مجھے ان سوالوں کے جواب دینے ہیں۔''

آواز سماعتوں کو کچھ آشنا سی لگ رہی تھی۔

''سر! میری آپی کہتی ہیں، بڑوں کو جواب دینا اچھی بات نہیں اور میں اچھی بچی ہوں۔''

وہ مینو کی بات سن کر کھلکھلا کر ہنس دی۔ سٹنگ روم کے دروازے کے ساتھ سے گزر کر برآمدے کی طرف رستہ جاتا تھا۔ وہ باہر نکلتے نکلتے رک کر اندر جھانکنے لگی۔

''ارے آپ یہاں بھی؟ لگتا ہے مسز خان اور بابا کا کوئی کام آپ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔''

وہ اسے دروازے سے جھانکتا دیکھ کر احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے تو آپ پر ترس آ رہا ہے۔ آفس میں سر کھپا کر آئیں گے اور یہاں دیواروں سے ٹکریں مارنی پڑیں گی، ترس تو بنتا ہے۔''

وہ دونوں خوش تھے کہ پڑھائی سے جان چھوٹنے والی ہے۔

''سر! آپ آپی سے باتیں کریں، ہم چھٹی کر لیتے ہیں، فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے نا؟''

pklibrary.com

جگنو کی بات سن کر زرسانگہ کے گال تپ گئے۔ زوار بھی جھینپ گیا تھا۔

"یہ کس قسم کی فلمیں دیکھنے لگے ہو تم؟"

زرسانگہ نے آنکھیں نکال کر دونوں کی طرف دیکھا

"آج کا کام ویسے بھی ختم ہو گیا ہے، اب آپ کی چھٹی۔" زوار کے کہنے پر جگنو مسکراہٹ چھپا کر بولا

"سر! مجھے لگتا ہے کہ آپ بھی وہی فلمیں دیکھتے ہیں جو میں دیکھتا ہوں؟" وہ اسے گھورنے لگی۔

"سوری سر جی، یہ آج کل کے بچے بہت ہی تیز ہو گئے ہیں اور بدتمیز بھی۔" وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"سر جی؟"

"جی اتفاق کی بات ہے کہ اتنی بار ملنے کے باوجود مجھے آپ کا نام نہیں معلوم۔" وہ عام سے انداز میں بولی تو زوار سر کھجانے لگا۔

"میرا نام زوار حسن ہے اور میں احسان صاحب کا بھانجا ہوں، ان کی اکلوتی بہن کا اکلوتا بیٹا۔"

"اوہ! احسان چچا بہت اچھے انسان ہیں۔" وہ مسکرانے لگا

"اتفاق سے میں بھی بہت اچھا انسان ہوں، کبھی کبھی شادی بیاہ کے موقع پر شوخا ہو جاتا ہوں لیکن ویسے برا آدمی نہیں ہوں۔"

وہ اس کے مقابل کھڑا تھا اور اسے اس کے اونچے لمبے وجود کے سامنے اپنا آپ بہت چھوٹا سا لگ رہا تھا "توبہ کتنا لمبا ہے یہ شخص؟"

"ویسے اچھا انسان ہونے میں اور برا انسان نہ ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" وہ ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر بولا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو اتنا بتا دیں کہ آپ کون سا پرفیوم استعمال کرتی ہیں؟" وہ اس کے بے تکے سوال پر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی کہ اس کی دماغی حالت تو ٹھیک ہے۔

"وہ اصل میں میری امی ہمیشہ کہتی ہیں کہ مجھے کوئی ایسا پرفیوم لا کر دو جو جلدی اڑے نہیں اور آپ کا پرفیوم ایسا ہی ہے کہ میں نے کپڑے دھلوا بھی لیے لیکن ان میں سے آپ کی پرفیوم کی خوشبو نہیں گئی۔"

وہ شرم سے پیتے گالوں کو چھپانے کی کوشش میں سر جھکا کر رہ گئی

"میں آپ کی امی کے لیے گفٹ میں وہی پرفیوم لے کر آؤں گی آخر وہ ہمارے احسان چچا کی بہن ہیں۔"

باہر سے نور بی بی نے اسے آواز دی تو وہ بولی۔

"میری چائے کا ٹائم ہو گیا ہے اور نور بی بی کو ہر وقت میرے کھانے پینے کی فکر ہی لگی رہتی ہے۔"

"میں بھی اب اجازت چاہوں گا۔"

وہ نکلنے لگا

"اگر آپ پھیکی چائے اور چنے کی دال کے بسکٹ کھانا چاہتے ہیں تو آ جائیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی باہر نکلی۔

"نہیں بہت شکریہ۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی چائے پی چکا ہوں مسز خان نے بڑا اہتمام کیا تھا چائے کے ساتھ۔"

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کے جانے کے بعد نور بی بی نے اسے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"بڑا اچھا بچہ ہے یہ بیٹی احسان کا بھانجا ملنسار اور ہنس مکھ۔"

وہ ان سنی کر گئی۔

"بیگم صاحبہ بڑی خاطر داریاں کر رہی ہیں اس کی۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے ورنہ وہ کسی کو خواہ مخواہ اتنی عزت نہیں دیا کرتیں۔

وہ سامنے کیاریوں میں لگے گلاب کے پھولوں پر نظریں جمائے چائے پیتی رہی۔

☆☆☆

"زوار حسن بہت اچھا لڑکا ہے۔ محنتی اور قابل بھی۔ میرا ارادہ ہے کہ شیبا کے لیے اس سے مناسب لڑکا ہمیں نہیں مل سکتا۔"

pklibrary.com

وہ شوہر کے کان میں بات ڈال چکی تھی۔ آگے ہمیشہ کی طرح جو وہ چاہتی تھی وہی ہوتا تھا۔

"وہ اکلوتا بیٹا ہے ہوسکتا ہے، اس کی بات کہیں طے ہوچکی ہو۔" اکبر خان نے بیوی کی طرف پرسوچ نظروں سے دیکھ کر کہا تو وہ مسکرائی اور سوچا۔ "ہوگا تو وہی جو میں طے کرچکی ہوں۔"

وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ مینو اور جگنو کو بلانے کے لیے نور بی بی جاچکی۔

"زرسانگہ کو بھی بلا لاؤ نور بی بی! کتنے دنوں سے اسے دیکھا ہی نہیں۔" خان صاحب کی بات سن کر نور بی بی کا چہرہ کھل گیا۔

"ارے نہیں نور بی بی! اسے نہیں بلانا، آپ سمجھتے نہیں خان جی! ٹیبل پر کئی طرح کے میٹھے رکھے ہیں اور میٹھا اس کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ خواہ مخواہ دیکھ کر دل للچایا اور کھالیا تو طبیعت بگڑ جائے گی۔"

"چھوڑ دو نور بی بی! بیگم صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

اکبر خان کی بات نے نور بی بی کا دل دکھا دیا تھا لیکن وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بچوں کو بلانے چلی گئیں۔

اپنے بیڈروم سے نکلتی ہوئی زرسانگہ کی سماعتیں الفاظ کے زہر سے نیلی ہوچکی تھیں۔ وہ چکراتے سر کو ایک ہاتھ سے پکڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتے دھیرے دھیرے شکستہ قدموں سے واپس چلی گئی۔

"تو پھر میں شیبا کی بات کروں اس سے؟" وہ مشورہ لے رہی تھی

"دیکھ لو۔ لڑکا تو بہت ذہین ہے اور ایماندار گڈ لکنگ بھی، باپ کی اچھی خاصی زمین جائیداد بھی ہے اور خاندان بھی بہت اچھا ہے، ہر لحاظ سے آئیڈیل لڑکا ہے۔ اگر تم برا نہ مانو تو اس لڑکے اور زرسانگہ کے رشتے کے بارے میں سوچ لیتے ہیں۔" اکبر خان نے دل کی بات بالآخر کہہ ہی دی۔

وہ اندر سے تو غصے میں پھنکارنے لگی تھی لیکن چہرے سے پرسکون نظر آرہی تھی۔

"مجھے آپ سے زیادہ فکر ہے زرسانگہ کی۔ لیکن خان جی! سوچیں تو سہی، وہ بچپن سے بلڈ شوگر کی مریضہ ہے اور یہ مرض اندر سے ختم کردیتا ہے بندے کو۔ گردے دل اور دماغ بھی کمزور ہوجاتے اور شادی کے بعد اولاد پیدا کرنے کے قابل بھی تو نہیں ہے وہ، اور ادھر وہ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے جیسے تیسے شادی ہو بھی گئی تو دوسرے مہینے ہی بچوں کے بارے میں سوالات شروع ہوجاتے ہیں کہ کب سنا رہی ہو خوش خبری؟"

وہ یوں سر ہلانے لگے جیسے وہ بہت سمجھ داری کا مظاہرہ کررہی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ پھر تو میری قسمت میں بیٹی کی خوشی دیکھنی نہیں لکھی ہے۔"

وہ اپنا خوب صورت اور گداز سا نیل پالش سے سجا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر اسے تسلی دینے لگی اور اکبر خان اسے شکر گزار نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیے۔

"ہاں، اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہیے تم شیبا کے لیے کوشش کرو، وہ بھی تو ہماری بیٹیوں جیسی ہے۔"

وہ پرسکون انداز میں مسکرانے لگی۔

☆☆☆

"سر پلیز! آج مما گھر پر نہیں ہیں اور اتنا اچھا موسم بھی ہورہا ہے، آج چھٹی کرلیتے ہیں۔" مینو نے مسکین سی شکل بنا کر کہا تو زوار نے اسے گھور کر دیکھا

"ہرگز نہیں، کتابیں لے کر آؤ؟"

وہ منہ بسور کر جگنو کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہم سفارش کے لیے آپی کو بلا لیتے ہیں، ان کے سامنے تو آپ انکار نہیں کرسکیں گے۔"

وہ اندر آچکی تھی، یہ بات سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔ "کیوں بھئی میرا ادھار دینا ہے انہوں نے، جو

pklibrary.com

میری غلط بات بھی مانیں گے؟"

"آپی موقع اچھا ہے مما شیبا آنٹی کو لینے گئی ہوئی ہیں، آئیں ہم سب انجوائے کرتے ہیں۔ آپ بڑی ہیں اس لیے سر آپ کی بات مان لیں گے۔"

شیبا کی آمد کا سن کر اس کا دل سہم سا گیا تھا اس کی متغیر رنگت اور چہرے پر خدشات کے لہراتے سائے دیکھتے ہوئے جگنو نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر زور سے دباتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"ٹینشن نہیں لینی میں ہوں نا آپ کا گبھرو جوان بھائی۔"

وہ مسکرادی۔ "میں صدقے جاؤں گبھرو جوان سے۔"

"پلیز..... پلیز۔"

وہ دونوں منت پر اتر آئے تھے، اسی لیے زرسانگہ کا دل بھی پسیج گیا۔

"زوار صاحب آج ان بچوں کو چھٹی دے دیں، ان کا دل موسم انجوائے کرنے کے لیے بے تاب ہے، سو آپ ان بچوں کی دعا لینا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنی ہوگی اور پھر چائے بھی پینی ہوگی بمعہ ہمارے باورچی کے ہاتھ کے پکوڑوں کے۔"

وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر بولا

"دعائیں ایڈوانس میں لوں گا، کاروباری ذہنیت کا آدمی ہوں۔ مجھے ادھار پسند نہیں۔"

وہ سب لان کی طرف چل پڑے۔

"اللہ کرے آپ کی شادی ہوجائے کسی آپی جیسی اچھی لڑکی سے اور پھر بیوی آپ کو ٹیوشن کی اجازت نہ دے۔"

زرسانگہ کی آنکھیں حیا سے جھک گئیں اور زرد گالوں پر پلکوں کے سائے واضح نظر آنے لگے۔

زوار حسن کو خدشہ تھا کہ ایسی بات سن کر وہ بہن پر غصہ ہوگی لیکن وہ تو سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ چل رہا تھا۔

"کتنی اچھی لگتی ہے یہ پھیلی ہوئی سرخی اس کے زرد چہرے پر؟"

"یقین کریں، بہت اچھا لگا بڑے دنوں کے بعد میں اتنا ہنسی ہوں۔"

وہ سب چائے پی رہے تھے اور اس دوران جگنو بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔

"بس مما آنے والی ہیں میرے خیال میں جلدی جلدی فنش کرتے ہیں۔" وہ سب پکوڑے کھا رہے تھے۔

اسی اثناء میں گاڑی کا ہارن سن کر زرسانگہ گھبرا کر اٹھی۔

"آپی! جلدی بھاگیں یہاں سے، وہ آگئی ہیں۔"

وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی اندر کی طرف بھاگی، جگنو نے گھبرا کر اس کی چائے کی پیالی اٹھالی اور میز کے نیچے رکھ دی۔ زوار حیرانی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

"اوہ! اچھا ہوا آپ ابھی گئے نہیں ہیں زوار۔ ان سے ملیں، یہ میری اکلوتی بہن شیبا ہے کچھ دن ہمارے ساتھ رہے گی اور شیبو یہ ہیں زوار حسن جن کا ذکر میں نے کیا تھا۔"

وہ اسمارٹ اور ماڈرن سی لڑکی تھی ٹائیٹ کے ساتھ ٹاپ پہنے کھلے سلکی بالوں میں گلاسز ٹکائے اسٹائلش سا پرس گلے میں یوں لٹکا ہوا تھا جیسے مس ورلڈ یا یونیورس ہو۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" زوار کا یوں کہنا اسے۔ شاید پسند نہیں آیا تھا، اس نے بہن کی طرف یوں ناگواری سے دیکھا جیسے بزبان خاموشی کہہ رہی ہو۔ "دی! یہ تو اردو میڈیم ہے؟"

"نائس ٹو میٹ یو مسٹر زوار!"

اسے زوار پہلی نظر میں اچھا لگا تھا اور مسز خان بہن کی آنکھوں سے اندازہ لگا چکی تھی جو اسے دیکھ کر چمکنے لگی تھیں۔ ڈرائیور سامان اٹھائے اندر جانے لگا تو وہ قدرے آواز دبا کر جگنو سے پوچھنے لگی

"وہ مریضنی کدھر ہے؟ اسے کہو کہ کمرہ چھوڑ

دے کچھ عرصے کے لیے اور سمیع اللہ! جاؤ شیبو کا سامان زرسانگہ کے کمرے میں رکھ دو۔"

دونوں بچے خالہ سے مل رہے تھے۔ زوار نے اجازت لی اور باہر نکل آیا۔

لیکن وہ دل کا سکون ساتھ نہ لا سکا ایک بے نام سی اداسی واپسی میں اس کے ہمراہ تھی۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس اداسی کو کوئی نام، کوئی پہچان دینے کی کوشش کرتا رہا لیکن سوائے اس کے کچھ نہ سمجھ سکا کہ اسے اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے جسے خود اس نے پہلی ملاقات میں اپنے الفاظ کے تیر سے زخمی کیا تھا۔

☆☆☆

"جی سر یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ ششدر سا انہیں دیکھنے لگا۔ اکبر خان اور مسز خان دونوں نے اسے آفس میں اچھی کارکردگی کی بنیاد پر کافی اختیارات دے رکھے تھے اور ان ہی اختیارات کے استعمال کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ دفتری معاملات میں کافی گھپلے ہو رہے ہیں۔

اور اب وہ فنانس آفیسر و دیگر عملے سے معلومات کے بعد اکبر خان کے سامنے بیٹھا انہیں ان گھپلوں کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں سر! سارے ثبوتوں اور اس رپورٹ کے بعد بھی آپ کیسے ان نقصانات سے اس طرح آنکھیں چرا سکتے ہیں۔"

وہ سر جھکائے بیٹھے ٹیبل پر رکھے پیپر ویٹ سے کھیل رہے تھے۔

"میں سب جانتا ہوں اور پھر بھی چپ ہوں۔ درگزر سے کام لے رہا ہوں کیونکہ..... کیونکہ وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔ میرے نام سے اس کا نام جڑا ہے اور سب سے اہم یہ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے آنکھیں چرا رہے تھے تاکہ زوار کی آنکھوں میں پھیلی بے یقینی انہیں مزید شرمندہ نہ کر سکے۔

"لیکن سر! اس طرح آپ کے کاروبار کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔"

وہ اداس انداز میں بے دلی سے مسکرا دیے۔

"ویسے بھی تو سب کچھ اس کا اور اس کے بچوں کا ہی تو ہے، وہ بے وقوفی میں یہ سب کرتے ہوئے سمجھ نہیں رہی کہ اپنے ہی مال میں سے یہ سب نکال رہی ہے آج نہیں تو کل وہ سب کی مالک ہوگی بلکہ مالکن تو اب بھی وہی ہے۔"

وہ حیرانی سے انہیں دیکھ کر بولا۔ "لیکن سر! آپ کی بیٹی مس زرسانگہ بھی تو ہیں۔ آپ کی ہر چیز میں ان کا بھی حصہ ہے۔"

"وہ کب تک رہے گی، زیادہ سے زیادہ چند سال مزید اور وہ بھی ایک کمرے تک محدود۔ کئی بار تو اسے ہم نیم مردہ حالت میں ہاسپٹل لے کر جاتے ہیں اور ہمیں امید نہیں ہوتی کہ وہ واپس بھی آسکے گی اور وہ وقت زیادہ دور۔"

حیرت اور صدمے کی زیادتی سے زوار کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں

"کیا کوئی سگا باپ اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے؟" وہ الجھا ہوا تھا۔

"سر! معذرت چاہتا ہوں مجھے آپ کی بات سے اتفاق نہیں ہے وہ ماشاءاللہ ایک مکمل صحت مند لڑکی ہیں۔ پرہیز، اچھی ڈائیٹ وقت پر میڈیسن فزیکل ایکٹیویٹی رہنے سے وہ ایک نارمل زندگی گزار سکتی ہیں۔"

وہ مؤدب انداز میں بات ختم کر کے اکبر خان کے تاثرات دیکھنے لگا۔

"اچھا سنو زوار حسن! یہ بات اور کسی کے سامنے نہیں کرنا۔"

اسے دھچکا لگا یہ دیکھ کر کہ اس کی بات پر کوئی رد عمل نہیں تھا بلکہ باس نے تو یہ بات سرے سے ان سنی ہی کر دی تھی۔

"جی سر! میں یہ معاملہ آپ کے علم میں لانا چاہتا تھا، اس کے سوا میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔"

وہ سوچ رہا تھا بھاڑ میں جاؤ تم بھی اور تمہاری

pklibrary.com

بیوی بھی۔ مجھے کیا پڑی ہے اپنا دماغ خراب کرنے کی؟'' وہ باہر نکل آیا۔

اکبر خان کے چہرے پر گہری اداسی کے تاثرات تھے۔

''یہ سب سن کر میرے دل پر کیا بیت رہی ہے، میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ خود کو ان سارے معاملات سے آگاہ رکھنا میری مجبوری ہے۔ میں خود کو الو کا پٹھا ظاہر کرتا اس سے کہیں بہتر یہ تھا کہ میں یہ کہہ کر اپنی اور اپنی لاچی بیوی کی عزت بچا لیتا کہ مجھے ان سارے معاملات کا پہلے سے علم ہے، میرے لیے چیزیں اہمیت نہیں رکھتیں۔ لیکن اب مجھے بڑی سمجھ داری سے اس سارے معاملے کو ہینڈل کرنا پڑے گا۔''

وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے پرسوچ نظروں سے چھت کی طرف دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

''خان جی! آپ کچھ الجھے الجھے ہوئے سے نظر آرہے ہیں؟''

وہ کافی زیرک نگاہ رکھتی تھی۔ اس لیے شوہر کی پریشانی بھانپ لی تھی

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں بس آفس کی پریشانی ہے۔ اصل میں کچھ گھپلوں کی رپورٹ ملی ہے اور یہ آج سے نہیں کافی عرصہ سے ہو رہا ہے۔ لیکن گھپلے کرنے والا چاہے جتنا بھی چالاک ہو، بچ نہیں سکتا کبھی نہ کبھی گرفت میں آ ہی جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ چند ہی دنوں میں میں اس تک پہنچ جاؤں گا۔''

اکبر خان نے دزدیدہ نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''جب ایسے لوگ پکڑے جاتے ہیں تو آپ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟'' اس کے لہجے کی لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''ظاہر سی بات ہے کہ ہمیشہ کے لیے اپنے کاروبار اور اعتبار سے باہر کر دیتا ہوں اور کبھی کبھی اگر وہ چرایا ہوا پیسہ واپس نہیں کرتا تو پولیس کے حوالے بھی کر دیتا ہوں۔'' وہ چپ ہو کر اپنے ناخنوں کی پالش کھرچنے لگی۔

''ارے یہ سب میں نے تمہیں اس لیے تو نہیں بتایا کہ تم منہ بنا کر بیٹھ جاؤ۔ چلو کوئی اچھی بات کرتے ہیں، یہ بتاؤ کہ شیبا کے رشتے کے سلسلے میں زوار حسن سے کب بات کرنی ہے؟''

وہ سمجھ چکے تھے کہ اب اکیلے پریشان نہیں ہوں گے بلکہ جواب کی پریشانی کی وجہ بنی ہوئی ہے وہ بھی اس پریشانی میں شامل ہو گئی ہے۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ کل رات کی دعوت رکھ لیتے ہیں جس میں زوار حسن اور اس کی والدہ کو انوائٹ کرتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟''

وہ بے خیالی میں بولی تو وہ کہنے لگے۔ ''میرا مشورہ تو یہ ہے کہ منشی احسان کے بیٹے کی شادی ہوئی ہے تو اس بہانے ان لوگوں کو بھی انوائٹ کر لیتے ہیں پھر موقع دیکھ کر تم ان کی بہن سے بات کر لینا۔''

وہ سر ہلا کر رضامندی دے چکی تو اکبر خان نے احسان کا نمبر ملا کر انہیں دعوت کے لیے مدعو کر لیا لیکن ان کی نظروں کا محور بیوی کا دھواں دھواں چہرہ تھا۔

☆☆☆

''آج تو کافی چہل پہل ہے گھر میں، مجھے لگتا ہے کہ کوئی خاص مہمان آنے والے ہیں؟''

زرسانگہ، مسز خان کے حکم پر شیبا کے لیے اپنا کمرہ خالی کر کے ان دنوں نور بی بی کے کمرے میں شفٹ ہو چکی تھی۔ نور بی بی کا کمرہ اوپر والی منزل پر تھا جس کے ساتھ ایک دوسرا کمرہ بھی تھا لیکن وہ مسز خان کے خاص مہمانوں کے لیے تھا جس کی چابی بھی صفائی کے لیے نور بی بی کو دی جاتی تھی پھر اس کے بعد اسے بند کر دیا جاتا تھا۔

وہ اپنے ہی باپ کے گھر ایک نوکرانی کے کمرے میں رہنے پر مجبور ہو جائے، یہ مسز خان کا پروگرام تھا لیکن وہ وہاں بہت خوشی سے رہ رہی تھی۔

pklibrary.com

نور بی بی کے مہربان وجود سے اسے ایک ماں کی خوشبو آتی تھی۔ جگنو اور مینو بھی ماں کے گھر سے نکلتے ہی اوپر آجاتے تھے۔

''بھلا ہو تمہاری خالہ کا کہ میرے کمرے میں بھی اس کی وجہ سے رونق آگئی ہے۔''

جگنو نے منہ پھلا کر نور بی بی کی طرف دیکھا۔

''آپ نے پھر ڈنڈی ماردی نا؟ صرف آپی کو رونق کہا ہے، ہم دونوں کو شامل کرتیں تو یہ رونقیں بن جاتیں۔''

وہ تینوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دعا کر رہی تھیں کہ اللہ یہ محبتیں سلامت رکھے۔

''آج شام کو سرزوار اور احسان صاحب کی فیملی کی دعوت ہے۔ دلہن بھی آرہی ہے دعوت پر۔''

نور بی بی کے کہنے پر وہ مسکرادی۔

''چلیں، مجھے کس نے بلانا ہے جو مجھے بتایا جاتا؟''

نور بی بی باہر نکلیں تو مینو، زرسانگہ کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولی۔

''ایک راز کی بات آپ کو بتانی ہے۔ میں نے مما اور شیبو آنٹی کی باتیں سنی ہیں ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ سرزوار سے شیبو آنٹی کی شادی کرادی جائے۔ آج دعوت میں مما نے شیبو آنٹی کو ان سے ملانا ہے اور پھر سر کی امی سے رشتے کی بات بھی کرنی ہے۔''

مینو اور جگنو دونوں اپنی اپنی معلومات دے رہے تھے۔

جانے کیوں پل بھر کے لیے اسے لگا کہ جیسے اس کے نازک سے دل پر کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہے لیکن اگلے ہی لمحے وہ اس بوجھ کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرادی۔

''بہت اچھی جوڑی ہوگی شیبا اور سر کی۔''

دونوں بہن بھائی منہ بنا کر اسے دیکھنے لگے

''ویسے آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ سر اچھے ہیں۔''

وہ جگنو کی بات سن کر مسکراہٹ ہونٹوں میں چھپا گئی اور سر نفی کی۔

''جگنو، خالہ کے لیے ایسا نہیں بولتے۔''

''شیبو خالہ ماڈرن ہیں اسٹائلش ہیں۔ اردو انہیں نہیں آتی۔ بس انگلش بولتی ہیں اور لڑاکا بھی ہیں جبکہ سر اس سے بالکل مختلف ہیں۔''

وہ کہنا چاہتی تھی کہ شیبا میں بہت سی دیگر برائیاں بھی ہیں جن کا مجھے پتا ہے کیونکہ ان منفی رویوں کو میں نے بھگتا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' جگنو کے سوال پر مینو جلدی سے بول پڑی

''شیبو آنٹی کی منگنی پر کون سا سوٹ پہنیں گی یہ سوچ رہی ہیں۔''

''اے خبردار! میری منگنی پر کسی ایرے غیرے کو مدعو کیا تو خیر نہیں ہوگی۔''

شیبا کی آمد اور تلخ جملے نے سب کی رنگت متغیر کردی۔ انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ کوئی ان کی آپی سے بدتمیزی کرے جب کہ شیبا اکثر کرتی تھی۔

''کیا مطلب ایرے غیرے؟''

جگنو نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''مطلب کہ مریضنی، رونی صورت والی اور ترسی ہوئی بندی۔ ایسے لوگوں کی نظر لگ جاتی ہے ہم جیسے ہنستے کھیلتے صحت منداور خوش باش لوگوں کو۔''

اس کی نم آنکھیں مینو سے برداشت نہ ہوئیں

''شیبو آنٹی! بیمار ہونے، خوشیاں چھن جانے اور ہنسی مسکراہٹ آنسوؤں میں بدل جانے میں ٹائم ہی کتنا لگتا ہے۔ یہ تو پل میں انسان سے چھن بھی سکتا ہے اور اسے مل بھی سکتا ہے۔''

وہ اونچی سی پونی ہلاتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

''آپی تم لوگوں کو بلا رہی ہیں مہمان آنے والے ہیں سو فوری طور پر نیچے آجاؤ۔ اور ہاں سنو! اکیلے آنا ساتھ بیماری کی پوٹ کو نہ اٹھا لانا۔''

وہ نظریں جھکائے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ دونوں بہن بھائی ناگواری سے اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔

pklibrary.com

"جانے کیوں آج دل بہت اداس ہے، امی بھی بہت یاد آرہی ہیں جن کے ہونے سے بابا بھی میرے تھے اور خوشیاں بھی۔"

وہ نیچے سے آتی ہنسی مذاق کی آوازیں نہ چاہتے ہوئے بھی سننے پر مجبور تھی۔ جب انسان کے اندر دکھ کا مکمل اندھیرا پھیل چکا ہو تو دوسروں کی خوشیوں کی روشنیاں آنکھوں کو اچھی نہیں لگتیں لیکن وہ ایسی نہ تھی دوسروں کی خوشیوں سے اسے کبھی حسد محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن آج کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ مسلسل یہ ہی سوچ رہی تھی کہ ایک بار بھی کسی نے نہیں پوچھا نہ کسی نے کہا کہ نیچے آکر مہمانوں سے مل لو۔ وہ اکیلی بیٹھے بیٹھے شدید اکتاہٹ اور مایوسی کا شکار ہو چکی تھی۔

"ایک نظر دیکھتی ہوں کہ شیبا کیسی لگ رہی ہے۔ اوپر سے دیکھ لوں گی کسی کی نظر بھی مجھ پر نہیں پڑے گی جانے ان لوگوں سے کیا بہانا کیا ہوگا مسز خان نے؟"

اس نے بالکونی سے نیچے جھانکا۔

نیچے بڑے سے لاونج کے ایک کونے میں ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا تھا جس پر سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ بالکل سامنے والی کرسی پر زوار حسن بیٹھا شاید سویٹ ڈش سے انصاف کر رہا تھا۔ زرسانگہ نے دیکھا اس کی قریبی کرسی پر شیبا بیٹھی تھی، تروتازہ اور ہنستی مسکراتی۔ اس نے شیشے کے باؤل سے مزید سویٹ اسے پیش کی اور اصرار کرنے لگی کہ کچھ اور بھی لیں

اسی لمحے زوار حسن کی نظریں اٹھیں اور زرسانگہ کے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ پیچھے ہونا چاہتی تھی لیکن ان نظروں کا مقناطیسی اثر اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ بمشکل پیچھے ہٹی اور کمرے میں آکر نوربی بی کے پلنگ کے ساتھ رکھے پرانے سے صوفے پر خود کو گرا دیا۔

"کتنی کم مایہ ہو گئی ہوں میں اس شخص کی نظروں میں۔ کیا سوچتا ہوگا یہ میرے بارے میں کہ مجھے کوئی ڈائننگ ٹیبل پر بھی نہیں بلاتا، ماں تو چلو سوتیلی ہی ہے مگر باپ تو سگا ہے نا۔ انواع و اقسام کے کھانے سامنے رکھے ہوں تو اولاد کے بغیر نوالہ کیسے حلق سے اترتا ہوگا؟"

اسے اپنی بدقسمتی پر رونا آرہا تھا اور اگلے ہی پل آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا اور وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ ہمیشہ تکیے کے حوالے آنسوؤں کے موتی کرتی آئی تھی۔

☆☆☆

"جی جی! ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ آپ کی بہن کا رشتہ ہمارے بیٹے سے ہو جائے۔"

منشی احسان جو فیکٹری کے بہت سارے کام سنبھالتے تھے۔ وہ اکبر خان کے منہ سے یہ سن کر کھل سے گئے تھے جبکہ ناہید بھی اس رشتے پر دل سے راضی لگ رہی تھیں۔ ہاں البتہ فراز اور اس کی دلہن نے پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ ان دونوں کو شیبا کا انداز بہت عامیانہ سا لگ رہا تھا۔ بغیر دوپٹے اور چھوٹی آستینوں والی قدرے کھلے گلے والی شرٹ میں ملبوس شیبا کہیں سے بھی اس قابل نہیں لگی کہ زوار جیسے لڑکے سے اس کی شادی ہوتی لیکن ان سے کس نے پوچھنا تھا جو وہ کچھ کہتے۔

اور وہ تو ساکت سا کبھی سب بزرگوں کو دیکھتا، کبھی شیبا کو۔ یہ سب بالکل غیر متوقع تھا اس کے لیے۔

"ارے احسان صاحب! فیصلے میں جلدی نہ کریں اطمینان سے گھر جا کر زوار سے بھی مشورہ کریں۔ نیا دور ہے بچوں کی مرضی کے بغیر ان پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کرنے چاہئیں جو کام باہمی ہم آہنگی سے تکمیل تک پہنچے وہی بہتر ہے۔"

مسز خان کی بات میں وزن تھا۔ سب سر ہلانے لگے۔ احسان اور ناہید اپنی جلد بازی پر خفت محسوس کر رہے تھے جبکہ شیبا نے بڑبڑاتے ہوئے بہن کی طرف دیکھا "تم تو اردو میڈیم ہی رہنا دی۔"

pklibrary.com

زوار نے اطمینان کی سانس لی جبکہ سامنے صوفے پر بیٹھی شیبا اسے بار بار زبردستی کی شرمیلی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ناہید کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اچھے خاصے امیر اور حسب نسب والے لوگ خود بیٹی کا رشتہ دے رہے تھے۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

زوار کی نظریں بار بار بالکنی کی طرف اٹھتیں اور افسردہ سی واپس آجاتیں۔ اسے اس گھر کے ہر فرد پر غصہ تھا جو ایک جیتے جاگتے وجود کو مردہ سمجھ کر بھول چکے تھے۔

"جگنو، مینو! اپنی آپی کو کھانا دے دیا ہے؟" زوار نے چپکے سے پوچھا تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"سوری سر! مجھے تو پتا نہیں ہے نور بی بی ہی انہیں کھانا دیتی ہیں۔"

لاونج کے بالکل سامنے اوپر کی طرف سیڑھیاں جاتی تھیں اور ابھی تک نور بی بی یا کوئی اوپر جاتا نظر نہیں آیا تھا۔ اسے فکر ہونے لگی تھی۔

"کوئی پالتو جانور بھی بھوکا ہو تو گھر والوں کو فکر ہوتی ہے لیکن اس کی حیثیت تو پالتو جانور جتنی بھی نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں ان کے لیے کھانا اوپر لے جاتا ہوں۔" جگنو اس کی پیشانی کی شکنوں تلے لکھی فکر پڑھ چکا تھا۔ اسی لیے وہ غیر محسوس انداز میں اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا اور زوار نے اطمینان کی سانس لے کر اسے ٹرے پکڑے اوپر جاتے دیکھا۔ اچھا تھا کہ مسز خان کی اس طرف پشت تھی۔

☆☆☆

"میں نے اس لڑکی سے کسی صورت شادی نہیں کرنی وہ مجھے چند منٹ برداشت نہیں ہوتی۔ میں عمر بھر کے لیے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈلوا سکتا۔"

اس کی باتیں ناہید کو غصہ دلا رہی تھیں "خوب صورت ہے، پڑھی لکھی ہے اور سب سے بڑھ کر مال دار بھی ہے۔ دو ہی بہنیں ہیں۔ سوچو کہ تمہیں کتنی عزت، دولت اور جاب میں بھی مقام ملنے والا ہے۔"

ناہید کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"مسز خان کہہ رہی تھیں کہ ان کا ایک گھر کراچی میں اور ایک اسلام آباد میں ہے اور کینیڈا کی شہریت بھی ہے، دونوں ماں بیٹا کینیڈا شفٹ ہو جائیں گے اس سے بڑی خوشی کیا ہوگی؟"

وہ انہیں گھورنے لگا تھا۔

"کہیں مکہ مدینہ شریف شفٹ ہونے کی خوشی دکھائی دیتی نا آپ کے چہرے پر تو دل خوش ہوتا لیکن آپ تو کینیڈا کے لیے اتنی خوش ہو رہی ہیں؟ جانتی بھی ہیں یہاں کسی فلم یا ڈرامے میں کسی کردار نے الٹا سیدھا لباس پہنا تو توبہ توبہ کرتے ہوئے چینل بدل دیتی ہیں۔ کینیڈا میں تو لوگ کپڑوں کے معاملے میں اس قدر کنجوس ہیں کہ بتا نہیں سکتا اور آپ کو یہ خوش فہمی دل سے نکال دینی چاہیے کہ وہ مغرور لڑکی آپ کو ساتھ لے جائے گی۔"

اب کے ماں کی رنگت متغیر ہوئی۔

"چلو، میں نہیں جاؤں گی لیکن میری اولاد تو کچھ بن جائے گی نا۔" وہ افسوس سے سر ہلانے لگا۔

"دس منٹ لیٹ ہوتا ہوں آفس سے تو بیس فون آجاتے ہیں۔ کیسے رہیں گی میرے بغیر؟" وہ ماں کو ڈرا رہا تھا لیکن اتنے بڑے لوگوں میں رشتہ قسمت والوں کو ملتا ہے۔ یہ ہی سوچ سوچ کر وہ کھلی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

"بیٹا جلدی سے اوپر آؤ۔ بٹیا کی حالت بہت خراب ہے۔"

وہ بچوں کو پڑھا رہا تھا کہ نور بی بی پریشان حال تقریباً بھاگتے ہوئے اندر آئیں تو وہ تینوں گھبرا کر اٹھ گئے۔

وہ پھولی سانسوں سے اوپر پہنچا۔

تو دکھ سے اس کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی

pklibrary.com

اکبر خان کی بیٹی ملگجے سے لباس میں ملبوس نیم تاریک کمرے کے پلنگ پر یوں پڑی تھی جیسے کسی دہاڑی والے کی بیٹی ہو۔ زوار نے دیکھا پلنگ کی اڑے ہوئے رنگ کی چادر پر دوسرے رنگ کا تکیہ پڑا تھا جس کا غلاف اتنا پرانا تھا کہ اس میں سے روئی نکل رہی تھی سامان کے نام پر ایک دری زمین پر پڑی تھی اور ایک کونے میں اسی دری پر ایک جانماز تہہ کر کے رکھی تھی۔ دو ٹوٹی پھوٹی سی کرسیاں بھی نظر آئیں جن پر کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ کپڑے دیوار پر لگی کھونٹیوں پر ٹنگے ہوئے تھے جو یقیناً زرسانگہ اور نور بی بی کے مشترکہ تھے

''امی..... امی!'' اس کی پیشانی عرق آلود تھی اور آنکھیں مکمل بند لیکن زبان سے مسلسل ماں کو پکار رہی تھی۔

جگنو اور مینو نے اسے مدد کے لیے کہا تو وہ ایک بار پھر سے اسے بانہوں میں اٹھا کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ جگنو بھی اس کے ساتھ تھا۔

''ان کے ڈاکٹر قریب ہی ہیں سر! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

وہ اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر نور بی بی کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی اور جگنو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

''مما، بابا دونوں شیبا آنٹی کو شاپنگ کرانے لے گئے ہیں۔ سوری سر آپ کو تکلیف دی؟''

جگنو بڑوں کی طرح بات کر رہا تھا اور وہ پریشان سا شیشے میں اس کی بند آنکھوں سے پھسل کر گالوں پر گرتے آنسوؤں کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب! ان کے خون میں شوگر کی زیادتی کی وجوہات کیا ہیں؟'' وہ انجکشن لگا کر اسے کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کا کہہ رہے تھے کہ اس نے سوال کیا۔

''میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کی وجوہات کیا ہیں ہم نے کئی ٹیسٹ کیے میڈیسن بھی بدل کر دیکھیں لیکن میڈیسن ان پر اثر ہی نہیں کرتیں انسولین یہ لینا نہیں چاہتیں ان کا پچھلے تین ماہ کا رزلٹ دس سے بھی اوپر جا رہا ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے، آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ میڈیسن اس قدر بے اثر ثابت ہوئی ہوں۔ جو ہم دے رہے ہیں ان میڈیسن سے مریض بدپرہیزی بھی کرے تب بھی شوگر اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی اور ٹائپ ٹو ڈایابیٹس میں اس عمر میں میڈیسن کے باوجود ایسی حالت ہم نے پہلے نہیں دیکھی۔''

زوار کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

''نور بی بی! زرسانگہ باقاعدگی سے میڈیسن لیتی ہیں؟ اور ان کے لیے میڈیسن کون لاتا ہے؟''

ڈاکٹر کے جانے کے بعد کیبن پڑھتی نور بی بی سے اس نے پرسوچ انداز میں پوچھا تو وہ جلدی سے بولیں۔

''جی بیٹا! کبھی کبھی اس کا موڈ خراب ہو تو دوائیوں میں ناغہ کر لیتی ہے لیکن جو بھی ہو میں اسے دوائی ضرور کھلاتی ہوں جبکہ وہ کہتی ہے جب کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تو میں دوا کیوں کھاؤں؟''

جگنو سر جھکائے اداس بیٹھا تھا۔

''اچھا یہ بتائیں کہ ان کے لیے دوائیں کون لے کر آتا ہے؟'' اس نے دوبارہ وہی سوال کیا وہ اپنے شک کو یقین میں بدلنے کے لیے ہی سوال کر رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا، یقین ہو گا تو تحقیق بھی ہو گی۔

''بڑی بی بی لاتی ہیں۔ باقی کسی معاملے میں زرسانگہ بٹی کا کوئی خیال نہیں رکھتیں لیکن دوا کے معاملے میں کسی اور پر بھروسا نہیں کرتیں۔''

وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا لیکن مکمل تصدیق کے بغیر کچھ بھی کہنا قبل از وقت تھا۔ اس لیے زرسانگہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔

''کس نے کہا تھا کہ تم لوگ اسے ہاسپٹل لے جاؤ؟''

گھر آتے ہی مسز خان کا شور شروع ہو گیا تھا۔

''زوار حسن! آپ ان کی باتوں میں نہ آیا کریں، یہ بیماری روزانہ کا معمول ہے مجھے تو جہیز میں پہلا تحفہ ہی اس ٹینشن کا ملا تھا لیکن میں نے صبر شکر کے ساتھ اس تحفے کو قبول کر لیا تھا۔''

وہ اب رشتے دار بننے والا تھا اس سے کیسا پردہ؟ یہ سوچ کر وہ بلا جھجک شروع ہوگئی تھی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھے جارہا تھا۔

''شیبو! تم نے بھی انہیں روکا نہیں۔ یہ دیکھو ہاسپٹل کا بل وہ لوگ تو بہانا ڈھونڈتے ہیں پیسے بٹورنے کا؟'' شیبا نے کندھے اچکا کر مجھے کیا کا اشارہ کیا۔

''آپ کے بچے اور یہ آپ کے فیورٹ زوار حسن کسی کی کب سنتے ہیں۔''

''سوری میم! آئندہ خیال رکھوں گا۔'' اس نے معذرت کر لی تھی جبکہ جگنو اور مینو کی شامت جاری رہی۔

☆☆☆

''دیکھ لو بیٹا! یہ رشتہ تمہارا مستقبل سنوار دے گا، ہر لحاظ سے بہترین رشتہ ہے۔'' ماموں نے بہن کے کہنے پر اسے گھر بلا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

''دل پر ہاتھ رکھ کر کہیں ماموں! کہ ہر لحاظ سے بہترین ہے یا صرف دولت کے لحاظ سے؟'' وہ پل بھر کے لیے چپ ہوگئے۔

''بیٹا! کہیں نہیں لکھا کہ دولت مند لڑکی کو اپنی ترجیحات میں شامل نہیں رکھ سکتے بلکہ اس بات کی اجازت ہے کہ رشتے میں کردار کے ساتھ ساتھ شکل و صورت اور حیثیت بھی دیکھنی چاہیے۔''

''ماموں آپ کی ساری باتوں سے مجھے اتفاق ہے لیکن آپ خود سوچیں کہ وہ لڑکی ہمارے ماحول سے ذرا سی بھی مطابقت رکھتی ہے؟ دو مختلف ماحول اور مزاج کے لوگ ایک دوسرے کو آسانی سے نہیں اپنا سکتے۔ میں ساری زندگی تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے نہیں گزار سکتا۔ شادی شادر ہنے کا نام ہے ناشادر ہنے کا نام نہیں ہے۔''

ماموں پوری کوشش کرتے رہے کہ کسی طریقے سے وہ اس رشتے پر مان جائے، وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس وقت اگر تابع داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہا تو وہ اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر اس کی زندگی برباد کر دیں گے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر ماں اور ماموں کی بات نہ مانی تو ان کی ناراضی کا بوجھ اپنے دل پر اٹھانا پڑے گا اور اسے اپنے دل پر یہ بوجھ کسی صورت منظور نہیں تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے اسے بتا دیا تھا کہ جو میڈیسن زرسانگہ لے رہی ہے، اس سے اچھی دوا اس بیماری میں دوسری کوئی نہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ دوا ان پر کیوں بے اثر ہے؟

نور بی بی سے کہہ کر اس نے زرسانگہ کی دوا کی ڈبیا منگوائی اور وہ لے کر اپنے ایک فارماسیوٹیکل کمپنی کے مالک دیرینہ دوست کے پاس لے گیا۔

''یہ تو عجیب ہی معاملہ ہوگیا ہے، اس دوا کی ڈبیا تو شوگر پیشنٹ کی میڈیسن کی ہے لیکن اس میں جو ٹیبلٹ رکھی گئی ہیں۔ وہ مسلز ریلیکس کی ہیں۔ ان دواؤں سے پیشنٹ زیادہ تر غنودگی میں ہی رہتا ہے اور شوگر پیشنٹ کے لیے یہ دوا مناسب نہیں۔ کیوں کہ اس کے لیے میڈیسن سے بھی زیادہ جسمانی نقل و حرکت اہم ہے۔ اگر ایک شوگر پیشنٹ میڈیسن بھی نہ لے اور جسمانی طور پر متحرک بھی نہ ہو تو اس کے لیے بہت خطرناک ہے یہ سب۔''

اسے پہلے ہی شک نہیں تھا بلکہ یقین ہو چکا تھا اور اس وقت جب دوست نے اس یقین کی تصدیق کر دی تو اسے زرسانگہ پر بہت ترس آنے لگا تھا۔

''کس قدر مظلوم اور بدنصیب ہے یہ لڑکی جس نے ماں اور باپ دونوں کو کھو دیا ہے اور ایک خطرناک عورت کے رحم و کرم پر پڑی ہوئی ہے جو ایسے طریقوں سے اسے مارنے کی کوشش کر رہی ہے جس سے اس پر کوئی الزام بھی نہ آئے اور اس کے راستے کی رکاوٹ بھی دور ہو جائے۔''

وہ گھر آکر کئی گھنٹوں سے مسلسل ٹہل رہا تھا، عجیب قسم کی بے قراری تھی جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جو راز اس پر کھل چکا ہے وہ اسے کس کے سامنے افشا کرے؟

کیا اکبر خان اور مسز خان تک یہ بات پہنچنی

pklibrary.com

چاہیے؟ یا پھر اس بے خبر لڑکی کو جا کر ہوشیار کرے، کیسے زرسانگہ تک یہ سب پہنچائے، کیسے اسے اس گہری سازش سے بچائے؟ اگر وہ اپنے باس کو یہ سب بتا بھی دیتا تو بظاہر کوئی فائدہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"مگر مجھے ہر صورت اس معصوم لڑکی کو بچانا ہے، اسے یہ بتانا ہے کہ اس کی زندگی کو کتنا بڑا خطرہ لاحق ہے۔"

وہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے کہ اگر تم نے اس رشتے کے لیے ہاں نہ کی تو مسز خان تمہیں اس نوکری سے نکلوا دے گی اور اتنی اچھی جاب تمہیں کہیں اور نہیں مل سکتی۔"

ماں کے سارے حربے جب نا کام ہو گئے تو انہوں نے زوار حسن کو اس طریقے سے راضی کرنا چاہا، اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ بیٹا اس نوکری سے بہت خوش اور مطمئن ہے۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ چاہتی ہیں بس ویسا کرنے کے لیے تیار ہوں اور یہ فیصلہ میں نوکری کے لیے نہیں کر رہا بلکہ آپ کی اس قدر دلچسپی دیکھ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ آپ کی خوشی میں مجھے خوش رہنا چاہیے۔"

زوار نے پرسوچ نظروں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

"یقین کرو بیٹا! تم نے مجھے اتنی بڑی خوشی دی ہے کہ مجھ سے یہ خوشی سنبھالی ہی نہیں جا رہی، یوں سمجھو کہ میری دلی مراد بر آئی ہے۔"

وہ ماں کے کندھے پر سر ٹکائے اپنے آپ کو اس چالاکی پر شاباش دے رہا تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

ماں نے خوشی خوشی ماموں کا نمبر ملایا اور انہیں بھی یہ خوش خبری سنائی۔ زوار جانتا تھا کہ ماموں نے اسی وقت فون کر کے اکبر خان کو بھی رضامندی دے دی ہوگی۔

"چل بیٹا ڈٹ جا اگلے محاذ پر لڑنے کے لیے۔"

اس نے خود کو مخاطب کیا۔ اور تیار ہونے چل دیا۔

☆☆☆

"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے تو آپ کی بات پر یقین ہی نہیں آ رہا۔"

زرسانگہ کی متغیر رنگت اور بھرائی ہوئی آواز اسے اداس کر گئی۔

"یہ میڈیسن لیں اور انہیں چھپا کر رکھیں اور جو دوا وہ لاتی ہیں، اس میں سے دوا نہیں لینی۔" وہ بار بار اسے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔

نور بی بی بھی نم آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ آج وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر چند منٹ کے لیے اوپر چڑھ آیا تھا۔

آج تو مسز خان کے انداز ہی نرالے تھے۔ وہ اور شیبا مسلسل اپنے فنکشن اور آنے والے وقت کی پلاننگ کر رہی تھیں۔ وہ عدم دلچسپی سے سب سن رہا تھا۔

"رہنا تو یقیناً آپ نے میرے ساتھ باہر ہے اور میری طرف سے پوری اجازت ہوگی کہ سال دو سال میں آپ اپنی ماں سے ملنے آ جایا کرنا۔"

وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ "الو کی...... میں تیری خاطر اپنی ماں کو چھوڑوں گا؟" لیکن بظاہر ایک نرم مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

"جو اور جیسا آپ کہیں، وہی ہوا کرے گا میری طرف سے بھی اختلاف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

وہ پرتکلف سی چائے اکٹھے پی کر جب باہر نکلیں تو زوار نے ایک لمبی سی سکھ کی سانس اندر کھینچی تو دونوں بہن بھائی مسکرا دیے۔

"اک چھوٹا سا کام ہے تم لوگوں سے اگر یہ کام کر دو تو بڑا احسان ہوگا۔" جگنو کے لبوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے آپ ہماری خالہ کو کہیں باہر لے جانا چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس میں آپ کو ہماری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان سے کہیں، وہ خوشی خوشی ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں گی۔"

وہ گڑبڑا سا گیا۔

"نہیں یار! میں آپ کی آپی سے ملنا چاہتا ہوں ایک بہت ضروری اور اہم بات ہے اور اس میں ان کا ہی فائدہ ہے۔"

pklibrary.com

"وہ تو کئی دن سے نیچے نہیں اتریں۔ ہماری خالہ کو ان کی شکل پسند نہیں ہے، اس لیے مما نے ان کو نیچے اترنے سے منع کر دیا ہے۔"

وہ افسوس سے بتا رہا تھا۔

زوار کو افسوس ہونے لگا۔

"سر! آپ اس بات پر غور کریں کہ شادی کے بعد اگر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ انہیں آپ کی شکل پسند نہیں تو پھر آپ کہاں جائیں گے؟"

جگنو کے سوال پر وہ تو چپ رہ گیا لیکن مینو جلدی سے بولی۔

"کیوں ان کی شکل پسند نہیں ہوگی اتنے پیارے تو ہیں ہمارے سر!"

"تو تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری آپی پیاری نہیں ہیں۔"

جگنو نے پتے کی بات پوچھی تو وہ خفیف سی ہو کر چپ ہوگئی۔

"ٹھیک ہے سر! مما اور خالہ اپنے کمرے میں ہیں۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں ان لوگوں کو لگے گا کہ ہم یہاں پڑھ رہے ہیں۔ اگر کوئی ادھر آ گیا تو ہم کہہ دیں گے کہ آپ واش روم میں ہیں آپ بالکل فکر مت کریں۔"

"بیٹا! یہ جگہ اس بچی کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر آپ کے بس میں کچھ ہے تو کسی طرح سے خان صاحب کو یہ بات سمجھا دیں کہ اسے اس کی حیثیت کے مطابق جگہ دیں۔" وہ دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھ کر بولیں۔

"لگتا ہے آپ بھی مجھ سے تنگ ہوگئی ہیں۔ بابا کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، یہ تو میری قسمت ہی ایسی ہے۔ لوگ بیٹیوں کے جوان ہوتے ہی ان کے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں لیکن میرا وجود تو ساری عمر کے لیے ان کے کندھوں کا بوجھ بنا رہے گا۔"

زوار حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اللہ نے بہت اچھا رکھا ہوگا اور آپ جس گھر میں جائیں گی وہاں آپ کو قدر دان ملیں گے۔"

زوار کے دل میں اس کے لیے ہمدردی تھی۔

"کس گھر؟" وہ طنزیہ انداز میں بولی تو نور بی بی سے اس کا درد برداشت نہ ہوا اور وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"ارے وہی گھر جس میں آپ کی شادی ہوگی، آپ کے شوہر اور سسرال والا گھر اور کون سا گھر۔"

وہ بے یقین نظروں سے اسے گھور کر بولی۔

"آپ نے کبھی دیکھی ہے کسی ایسی لڑکی کی شادی ہوتے جو چھوٹی عمر سے شوگر کی مریضہ ہو؟" وہ کڑبڑا کر اسے دیکھنے لگا۔

"اگر ایسا پہلے نہیں ہوتا تھا تو اب ان شاء اللہ ہوگا اور آپ اپنا گھر بسائیں گی۔ اس قید خانے سے نکل کر زندگی کا اصل مفہوم سمجھیں گی، لطف اٹھائیں گی اس حسین زندگی کی خوشیوں سے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تلخی سے بولی۔

"آپ نکال سکتے ہیں مجھے اس قید خانے سے؟ آپ کر سکتے ہیں میرے جیسی لڑکی کے ساتھ شادی؟"

وہ اس سوال پر ساکت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"اب چپ کیوں ہیں، آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے نا؟ میں جانتی تھی کہ میرا وجود ایک سوال ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں خود میرے پاس بھی نہیں، خیر شیبا سے منگنی مبارک ہو آپ کو، میں تو ویسے ہی فرسٹریشن نکال رہی تھی۔ آپ سامنے نہ ہوتے تو خود پر ہی نکال لیتی۔"

وہ چپ چاپ تھکے ہوئے قدموں سے وہاں سے اٹھ کر نیچے آ گیا۔ نور بی بی کو بھی اچھی طرح سے میڈیسن کے بارے میں سمجھا دیا تھا۔

"سر آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟" جگنو کافی سمجھ دار تھا۔ اس نے زوار کی آنکھوں میں اداسی دیکھ لی تھی۔

"مجھے پتا ہے، سر کیوں پریشان ہیں؟" مینو کے یوں کہنے پر وہ دونوں سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

"آپ اپنی منگنی پر خوش نہیں ہیں، شیبا آنٹی سے جو بھی منگنی کرتا ہے، وہ خوش نہیں ہوتا۔"

pklibrary.com

زوار اس کی بات سن کر چونک گیا۔
''کیا مطلب جو بھی منگنی کرتا ہے، اس سے پہلے بھی ان کی کوئی منگنی ہو چکی ہے؟'' جگنو نے بہن کی طرف آنکھیں نکالیں لیکن وہ معصوم سمجھ ہی نہ سکی۔
''آپ کو مما نے ساری بات نہیں بتائی؟'' اب زوار تجسس اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔
''اس سے پہلے ان کی تین منگنیاں ہو چکی ہیں، یہ ان کی چوتھی منگنی ہے اور مما کل کہہ رہی تھیں کہ خدا کے لیے شیبو اب اس لڑکے کو ہاتھ سے نکلنے نہ دینا، بڑی مشکلوں سے اسے قابو کیا ہے۔''
جگنو کا چہرہ بھی متغیر ہو گیا تھا زوار کے چہرے کی طرح۔
''مینو! مما غصہ ہوں گی۔'' جگنو نے دبی دبی آواز میں اسے منع کرنا چاہا لیکن وہ ماننے والی نہیں تھی۔
''پتا ہے سر! مما اور شیبو آنٹی باتیں کر رہی تھیں کہ ایک لڑکا ان کی پارٹی ڈانس پر منگنی توڑ گیا، دوسرے کو ان کے بوائے فرینڈز سے چڑ تھی اور پچھلے ماہ جو منگنی ہوئی تھی نا اس کا نہیں پتا کہ کیسے ٹوٹی لیکن مجھے لگتا ہے کہ آپ کے ساتھ بھی ان کی منگنی زیادہ نہیں چلے گی۔''
بے شک مینو، جگنو سے چھوٹی تھی لیکن اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ یہ باتیں نہ سمجھ سکتی۔ دونوں لڑکپن اور جوانی کے سنگم پر تھے۔
وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔
اس نے سنا جگنو بہن کو ڈانٹ رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ مما کو یہ ساری باتیں مت بتانا، تمہیں ڈانٹ پڑے گی۔ وہ باہر نکلا تو شیبا لان میں بیٹھی کسی سے باتیں کر رہی تھی اور مکمل انہماک سے یہ گفتگو ہو رہی تھی۔
قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا اسکرین پر کوئی ماڈرن سا لڑکا تھا وہ کچھ سوچتے ہوئے کار پورچ کی طرف بڑھ گیا۔
☆☆☆
رات کو بستر پر لیٹتے ہی اس کا اداس چہرہ اور بھیگی آنکھیں زوار کے تصور میں آ گئیں۔
''آپ کریں گے میرے ساتھ شادی؟ میں ایک ایسا سوال ہوں جس کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں خود میرے پاس بھی نہیں۔''
''عجیب گورکھ دھندے میں پھنس چکا ہوں۔ میں کیسے نکلوں گا اس میں سے؟''
وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ کر سوچ رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''جی امی؟'' ماں کو کمرے میں آتے دیکھ کر وہ سمجھ چکا تھا کہ منگنی کی تقریب کے سلسلے میں کوئی مشورہ ہی لینا ہوگا۔
''میں چاہ رہی تھی کہ دلہن کے لیے جا کر کپڑے لے آؤں لیکن مسز خان نے کہا کہ شیبا، زوار کے ساتھ جا کر اپنی پسند کی شاپنگ کرنا چاہتی ہے تو ایسا کرو کہ کل تم اسے ساتھ لے جا کر شاپنگ کرا دو۔ ٹھیک ہی کہتی ہے وہ۔ ہم پرانے زمانے کے لوگ ان چیزوں کو کیا سمجھتے ہیں۔''
وہ پلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ماں کی طرف حیرانی سے دیکھ رہا تھا کہ یہ وہی ماں ہے جو کچھ دن پہلے ہونے والی بھتیجی کی شادی کی ساری شاپنگ کرتی رہی ہیں۔ باوجود اس کے ہونے والی دلہن ڈاکٹر تھی لیکن رواج کے مطابق وہ اسے ساتھ لے کر بھی نہیں گئی تھیں۔
''ٹھیک ہے امی! جیسا آپ کا حکم ہوگا، میں وہی کروں گا۔'' وہ مسکراتی ہوئی کھلے کھلے چہرے سے باہر نکل گئیں اور زوار نے مرجھائے ہوئے دل سے اسے سوچنا شروع کر دیا جسے سوچنا اچھا لگتا تھا۔
☆☆☆
''ارے یہ کیا؟'' وہ صدمے کی شدت سے بے ہوش ہونے لگا تھا۔
''یار! یہ تو ہماری سوسائٹی کا فیشن ہے اس دھوئیں کی عادت آپ کو ڈالنی ہوگی اپنی تو زندگی ہی یہ دھواں ہے۔'' اس نے خالصتاً فلمی اسٹائل میں کہا تو وہ اس کے انداز سے گھبراتے ہوئے باہر دیکھنے لگا۔
اسے بادل نخواستہ گھر سے پک کر کے ابھی وہ نکلے ہی تھے کہ شیبا نے سگریٹ نکال کر منہ میں رکھی اور پھر

pklibrary.com

پرس میں سے نکالے ہوئے لائٹر سے سگریٹ سلگا کر اک ادا سے دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ چند منٹ لگے اسے اپنے آپ پر قابو پانے میں۔

"مجھے سگریٹ کے دھوئیں سے الرجی ہے نہ میں خود سگریٹ پیتا ہوں اور نہ ہی سگریٹ پینے والوں کے قریب جاتا ہوں۔"

وہ لاپرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لے کر بولی۔

"بدقسمتی سے قریب تو آپ میرے آ ہی گئے ہیں۔ اب اس مسئلے کا حل الرجی کی ایک گولی روزانہ لینی ہے۔ بس لیکن یہ نہیں پوچھنا کہ بدقسمتی کس کی ہے میری نہیں اس لیے میں بتاؤں گی بھی نہیں۔"

وہ الجھن میں سے نکل آیا تھا۔

"مطلب آپ کیا کہنا چاہتی ہیں کہ میں خود کو بدلوں گا تو ہی یہ رشتہ آگے چلے گا؟"

وہ ہنسنے لگی۔ "آپ تو بہت سمجھ دار نکلے مسٹر زوار حسن مجھے جس نے بدلنے کی کوشش کی ہے، میں نے اسے ہری جھنڈی دکھا کر زندگی سے نکال باہر کیا ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس کی کسی بات کا جواب دیتا۔ اسے چھینکیں شروع ہو گئیں اور اگلے ہی منٹ آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور سر میں شدید درد بھی ہونے لگا۔

"اوہو آپ کا کیس تو کچھ زیادہ ہی سیریس لگ رہا ہے، آپ کو ایک گولی نہیں بلکہ دو گولیاں لینی پڑیں گی۔"

بغیر شاپنگ کے واپسی کا فیصلہ اسی کا تھا۔

"چلیں، ایک دو دن میں جب آپ سنبھل جائیں گے تو شاپنگ کرنے چلیں گے۔ لیکن یاد رکھنا کہ شاپنگ پر جانے سے پہلے الرجی کی گولی ضرور کھانی ہے۔ اگر گولی سے کام نہ چلے تو انجکشن ضرور لینا ہے اوکے۔"

وہ اس کی ہدایات سن کر سیخ پا ہوا لیکن خاموش رہا۔ وہ جب ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کرتا گھر واپس آیا تو ماں کو حیرت ہوئی۔

"ارے کیا ہوا بیٹا تم تو شیبا بیٹی کو شاپنگ پر لے کر گئے تھے؟"

وہ سر دباتے ہوئے بولا۔ "ماں آپ کی شیبا بیٹی اصل میں بیٹا نکل آئی ہے اور میں اس صدمے کو برداشت نہیں کر پایا۔"

وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ تو جانتی ہیں کہ مجھے سگریٹ کے دھوئیں سے شدید الرجی ہے۔ گاڑی میں اتنا دھواں تھا کہ میرے لیے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔" وہ پھر نہ سمجھنے والے انداز میں اسے گھورے جا رہی تھیں۔

"گاڑی کے شیشے بند کرنے تھے فضائی آلودگی حد سے بڑھ گئی ہے۔"

وہ گرنے والے انداز میں تخت پر بیٹھ گیا۔

"فضائی آلودگی کے تو ہم عادی ہو چکے ہیں یہ ذہنی پراگندگی ہے۔"

وہ کچھ نہ سمجھیں۔

"گاڑی میں ڈرائیور تھا؟"

وہ ناک ٹشو سے صاف کرتے ہوئے بولا۔

"جی نہیں آپ کی ہونے والی بہو سگریٹ پیتی ہے۔" وہ یہ الفاظ سنتے ہی قریبی صوفے پر ڈھے سی گئیں۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی بیٹا!"

"نہیں۔ یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ وہ سرعام یہ شوق پورا کرتی ہے۔"

وہ خود کو سنبھال کر بولیں۔

"ابھی بچی ہے اور تمہاری محبت ملے گی تو یہ سب چھوڑ دے گی اسے سمجھانے اور سیدھی راہ پر چلنے کی نصیحت کرنے والا کوئی نہ تھا اس لیے بگڑ گئی۔"

وہ ایسی باتیں کریں گی اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں شادی کر رہا ہوں، کوئی اسکول نہیں چلا رہا اور دوسری بات یہ کہ آپ کی خام خیالی ہے میں اسے چھوڑوں نہ چھوڑوں وہ مجھے چھوڑ دے گی۔ مجھ سے پہلے تین کو چھوڑ چکی ہے۔" اماں جو بمشکل صوفے سے اٹھی تھیں پھر سے گر گئیں۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی

pklibrary.com

پہلے تین منگنیاں ٹوٹ چکی ہیں؟" وہ مشکوک نظر آرہی تھیں۔

"جی امی! آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ اس لڑکی میں سوائے پیسے کے اور کچھ بھی نہیں ہے لیکن آپ کو اس رشتے پر اب بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیوں کہ آپ کے لیے اہمیت صرف اور صرف پیسے کی ہے اور پیسے کے معاملے میں بھی کچھ زیادہ امید لگانی اچھی نہیں کیونکہ اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔" ماں نے اسے گھور کر دیکھا

"تم صاف لفظوں میں مجھے لالچی کہہ رہے ہو۔" وہ اطمینان سے بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ میں نے تو نہیں کہا آپ خود ہی کہہ رہی ہیں۔"

"میں بھیا سے بات کرتی ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں اس معاملے میں۔"

وہ جل کر بولا۔ "ظاہری سی بات ہے، وہ اپنی برسوں پرانی نوکری بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ اس شادی کو ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ لڑکی سگریٹ پیتی ہے۔ کوئی چرس یا شراب تو نہیں پیتی۔ لڑکی کی تین منگنیاں ٹوٹی ہیں کوئی شادی تو نہیں ٹوٹی۔ لڑکی ہمارے بچے کو لے کر باہر چلی جائے گی لیکن ہمیشہ کے لیے تو نہیں سال دو سال میں آتا جاتا رہے گا۔"

وہ ماموں کے انداز میں بولتے ہوئے ان کی نقل اتار رہا تھا۔

"ہاں۔ اگر وہ ایسا کہتے ہیں تو ٹھیک کہیں گے۔ تم ان کے ملازم ہو اور وہ تمہیں اتنی عزت دے رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر ماموں سے کہیے گا کہ یہ بات کنفرم کروالیں کہ لڑکی صرف سگریٹ پیتی ہے شراب اور چرس نہیں پیتی یا لڑکی کا صرف منگنی کا رشتہ ٹوٹا ہے شادی نہیں ٹوٹی اور یہ بھی کہ سال دو سال بعد مجھے پاکستان آنے دے گی یا ساری زندگی باہر رہنا پڑے گا۔"

ناہید پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

اسے امید تھی کہ وہ یہ سب سن کر پیچھے ہٹ جائیں گی لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔

☆☆☆

کچھ طبیعت کے بوجھل پن کی وجہ سے اور کچھ دل کے خالی پن کو لے کر وہ مسلسل تین دن سے اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ آفس سے چھٹی لے لی تھی اور ٹیوشن کے لیے بھی چھٹی کا کہہ دیا تھا۔ سے بڑی بے چینی ہو رہی تھی کہ کسی طرح سے زرسانگہ کی طبیعت کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔

شیبا کی کال دو بار آئی تھی لیکن اس نے میسج کر دیا تھا کہ میری طبیعت خراب ہے، میں بات نہیں کر سکتا۔ اچانک ذہن میں خیال آیا اور اس نے جلدی سے جگنو کا نمبر ملا دیا۔

"جی سر! میں آپ کی طبیعت پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن مجھے آنٹی نے کہا کہ آپ بات نہیں کر سکتے۔"

"جگنو! یہ بتاؤ کہ آپ کی آپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

دوسری طرف سے جگنو نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔

"سر! وہ بہت بہتر ہیں۔ اب تو طبیعت ہر وقت ٹھیک رہتی ہے، کھانا پیتی بھی ہیں اور چلتی پھرتی بھی ہیں۔ ہم اوپر چھت پر چڑھ کر واک کرتے ہیں اور ان کا شوگر لیول نارمل آرہا ہے۔"

زوار نے اطمینان کی سانس لی اور شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

"کس کا فون تھا جگنو؟"

زرسانگہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا "سر کا فون تھا اور وہ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے بتا دیا کہ آپ کی طبیعت اب بہت بہتر ہے۔"

اس کے چہرے پر ہلکی سی لالی نظر آئی لیکن جگنو کو نہیں بلکہ نور بی بی کو۔

"وہ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آرہے کیا تم لوگوں نے چھٹیاں لی ہوئی ہیں؟" نور بی بی نے وہ

pklibrary.com

سوال پوچھ لیا جو زرسانگہ پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن پوچھتے ہوئے جھجک رہی تھی

"جی نہیں۔ سر بیمار ہیں۔"

مینو نیچے جانے لگی تو اس نے جگنو کی طرف ہریشانی سے دیکھا۔

"انہیں کیا ہوا ہے؟"

وہ کندھے اچکا کر بولا۔ "مجھے زیادہ پتا نہیں مما اور شیبا آنٹی نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔"

نور بی بی نے جگنو سے کہا۔

"مجھے زوار بیٹے کا نمبر دو۔ میں اس کی طبیعت پوچھوں گی۔"

جگنو نے نمبر لکھ دیا۔ نور بی بی نے نمبر والا کاغذ اپنے دوپٹے کے پلو سے باندھ لیا۔ جگنو کے جانے کے بعد وہ اس کے پاس آئیں اور پلو کی گانٹھ کھول کر وہ نمبر والا کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ نمبر لے لیں اور ابھی اس کو فون کریں۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور ایک طرح سے آپ کی زندگی اس کی وجہ سے ہی بچی ہے۔ ورنہ اس سفاک عورت نے تو آپ کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مجھے بھی حیرانی ہوتی تھی کہ اور کسی چیز کی فکر نہیں اس عورت کو، صرف آپ کی دوائیوں کی فکر ہے اور دیکھ لیں کہ اس نے کیسے کیسے ستم ڈھائے ہیں آپ پر، میری تو روح کانپ جاتی ہے بن ماں کی بچی کے ساتھ یہ سب ہوتا دیکھ کر؟"

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی تھی۔

"وہ شیبا کا منگیتر ہے اور اگر ان دونوں بہنوں کو اس بات کی خبر ہوگئی کہ میں نے فون کر کے ان کی طبیعت پوچھی ہے تو وہ دونوں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔" اس کی آواز میں خوف تھا۔

"ہم نے کون سا اس کو اصل صورت حال سے باخبر کرنا ہے۔ آپ نے یہ تو نہیں بتانا ہے کہ اس سے چوتھی منگنی رچائی جا رہی ہے، نہ ہی نشے کی لت کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔ اسی لیے تو ان دونوں نے آپ کو چھت تک محدود کر دیا ہے کہ کہیں غلطی سے بھی آپ کا سامنا اس سے نہ ہو۔ ویسے ہم سب بھی زوار کی بربادی کی سازش میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔"

وہ پرسوچ نظروں سے فرش کو گھورے جا رہی تھی۔

"کسی نہ کسی طرح ان کے کان میں یہ باتیں ڈالنی چاہئیں۔" وہ کسی فیصلے پر پہنچ کر سر ہلانے لگی۔

"جی کون؟" دوسری طرف سے پوچھنے والے نے خاموشی کے جواب میں کہا۔ "اگر آپ بات نہیں کرنا چاہ رہی ہیں تو پھر فون کیوں کیا ہے؟"

نور بی بی جان بوجھ کر نیچے چلی گئی تھیں زرسانگہ کے چہرے کی لالی چغلی کھا رہی تھی کہ یہ لمحہ اس کے لیے کس قدر اہم ہے۔

"اصل میں..... مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا بات کروں؟"

وہ دھیرے سے بولی تو زوار اس کی آواز کی نرمی اور خوب صورتی میں جیسے کھو سا گیا۔

"میں بتاتا ہوں۔ پہلے میری طبیعت پوچھیں اور اتنے دن غیر حاضری کی وجہ بھی۔ پھر کچھ گھریلو ٹوٹکے بتائیں اور اگر اس کے علاوہ بھی کچھ کہنا ہے تو میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس کی آواز میں شوخی تھی۔

"آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی۔ آپ کی وجہ سے مجھے احساس ہوا ہے کہ درد اور تکلیف کے بغیر زندگی کیسی ہوتی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ یہ درد اور تکلیف اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ انسانوں کی طرف سے آپ کو مل رہی تھی اور اس بیماری کو خود پر طاری نہ کرنا ہی اس کا علاج ہے۔ آپ اکیلی نہیں ہیں۔ ہمارے ملک میں لاکھوں لوگ ہر سال اس بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں اور سب سے زیادہ کم عمر لوگوں کا اس بیماری میں مبتلا ہونا ریکارڈ میں آ رہا ہے۔"

"کیا میں کبھی نارمل لڑکیوں کی طرح جی سکوں گی؟" وہ مایوس تھی۔

وہ اس کا درد اپنے سینے میں محسوس کر کے جیسے

pklibrary.com

تڑپ اٹھا۔
"یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ ایک نارمل زندگی ضرور جئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔"
ضبط کا یارا نہ رہا اور وہ بے اختیار سسک اٹھی۔
"کیسے؟"
"اس سوال کا جواب اس وقت میرے پاس نہیں ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ میں ہمیشہ ہی لاجواب رہوں۔"
"کئی دنوں سے میں یہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح آپ نے میری زندگی بچائی ہے۔ مجھے بھی آپ کی زندگی کی بہتری کے لیے کچھ ضرور کرنا چاہیے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ڈر جاتی ہوں کہ کہیں مجھے۔ مجھے اس کی سزا نہ ملے، آپ نہیں ڈرتے نا؟ وہ اس لیے کہ آپ کی ماں سوتیلی نہیں، نہ ہی آپ اکیلے ہیں اور الحمدللہ آپ بیمار بھی نہیں ہیں۔" وہ خاموش رہا۔ "میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ..... آپ اس لڑکی کو ٹھیک طرح سے نہیں جانتے۔ وہ کسی صورت بھی آپ کے قابل نہیں ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔
"ارے میری ٹینشن نہ لو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ سگریٹ پیتی ہے اور تین جگہ سے اس کی منگنی ٹوٹ چکی ہے۔ شادی کے بعد میرا میری ماں کے ساتھ رہنا بھی منظور نہیں ہے۔ بے شک میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔ لیکن آپ کو میرے ساتھ یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ اس منگنی کے ٹوٹنے کے بعد آپ میرے لیے لڑکی دیکھیں گی۔"
وہ سنجیدگی سے بولا تو زرسانگہ پل بھر کے لیے چپ سی ہوگئی۔
"کیسی لڑکی چاہیے آپ کو؟" وہ اس سوال پر بے اختیار بول پڑا
"آپ جیسی۔"
وہ چپ ہوگئی۔ "ارے آپ چپ کیوں ہوگئیں۔ کہیں شرما تو نہیں رہیں؟"
وہ بھی جواباً سنجیدہ ہوئی۔
"میں کیوں شرماؤں گی آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ ہی ہوں۔ آپ نے تو یہ کہا ہے کہ آپ جیسی ہو۔"
وہ چپ ہو کر اس کی حاضر جوابی پر سر کھجانے لگا۔ "سنیں زرسانگہ میں کہنے پر نہیں کرنے پر یقین رکھتا ہوں۔" وہ بات بدلنے کے لیے اس کی طبیعت کا پوچھنے لگی۔
"مجھے سگریٹ کے اور باقی ہر چیز کے دھوئیں سے بھی شدید الرجی ہے۔"
"اللہ خیر کرے آپ کی۔" زوار نے شوخی سے کہا۔
"آرڈر دیا ہے شیبا بی بی نے کہ الرجی کی گولی کھانی شروع کردوں، وہ سگریٹ پینا نہیں چھوڑیں گی۔ مطلب ان کی طرف سے میں جاؤں بھاڑ میں۔"
وہ ہنسنے لگی "آپ نسوار استعمال کرنا شروع کردیں معاملہ برابر ہو جائے گا۔ اچھا فون بند کرتی ہوں مسز خان آرہی ہیں۔" اس نے سہم کر کہا اور فون بند کردیا۔
زوار نے چند پل فون کی طرف دیکھتے ہوئے ایک آہ بھری اور مسکرا کر آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

"ارے آج آپ اتنی جلدی آگئے۔ خیریت تو ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟"
مسز خان نے خان صاحب کو خلاف معمول جلدی آتے دیکھ کر کہا۔
خان صاحب خاموش رہے۔ ان کا چہرہ شدت ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے قریب آکر ان کے ہاتھ سے بریف کیس لیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بخار چیک کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تیزی سے ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ پریشان سی انہیں دیکھنے لگی۔
"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس کچھ چہروں سے نقاب ہٹ گیا ہے۔ اور جو چہرے سامنے آئے ہیں وہ اس قدر مکروہ ہیں کہ انہیں برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہے۔"
"آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے۔"
"سب سمجھ میں آجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ زرسانگہ

pklibrary.com

کی اس ماہ کی دوائیں لے آئی ہو؟"

"جی لے آئی ہوں۔ مجھے پتا ہے شوگر کے مریض کو پابندی سے دوا لینا ضروری ہے۔ اس لیے میں اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتی۔ ہر ماہ بڑی باقاعدگی سے اس کی دوا لے کر آتی ہوں۔"

یہ دیکھیے۔ اس نے الماری سے دواؤں کا پیکٹ نکال کر انہیں دکھایا۔

خان صاحب نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"میں آج ڈاکٹر ہمدانی کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے ایک کاغذ نکال کر اسے پکڑا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔ اور جوں جوں وہ پڑھتی جا رہی تھی اس کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔

"شمسہ.....! میں نے تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے خاندان کو بھی کھلے ہاتھ سے پیسہ دیتا رہا۔ تم نے فیکٹری میں لاکھوں کا گھپلا کیا۔ میں جانتا تھا لیکن میں نے چشم پوشی کی۔ میں سوچتا تھا۔ جو کچھ میرا ہے۔ سب تمہارا ہی ہے۔ لیکن تم نے اس کے بدلے میں مجھے کیا دیا؟"

اس کا سر جھک گیا۔

"تم نے میری بیٹی کی جان لینے کی کوشش کی۔ تم کو ایک لمحہ کے لیے اس معصوم پر رحم نہ آیا جو بیماری کی اذیت جھیل رہی تھی۔ تم نے جو کچھ کیا ہے۔ تم پر پولیس کیس بنتا ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں لیکن مجبوری یہ ہے کہ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے بچوں پر انگلی اٹھائے۔"

مسز خان کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ بے اختیار روتے ہوئے خان صاحب کے قدموں میں جھک گئی۔

"میں لالچ اور جلن میں اندھی ہو گئی تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔"

پیسہ، گھر، جائیداد سب کچھ تو تمہارا تھا پھر لالچ کیسا؟ اور جلن حسد کس سے؟ ایک معصوم بچی سے جو پہلے ہی ایک ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہے۔"

خان صاحب نے تاسف سے کہا۔

"قصور صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی ہے۔ مجھے تم پر اندھا بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خصوصاً اپنی بیٹی کے معاملے میں تم پر بھروسا کر کے میں نے غلطی نہیں بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن تمہاری محبت نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔"

"میں اپنی ساری غلطیوں، سب گناہوں کی تلافی کر دوں گی۔ بس آپ مجھے ایک موقع دے دیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"میں نے تمہیں بہت موقع دیے۔ ہر بار فیکٹری کے گھپلوں کے بارے میں آ کر تمہیں بتاتا تھا کہ شاید تم باز آ جاؤ لیکن تمہارا دل تو سیاہ ہو چکا تھا۔ اس پر کیا اثر ہونا تھا۔ میں نے فیکٹری کے معاملات میں چشم پوشی اختیار کی لیکن تم نے زرسانگہ کو اذیت دی، اس کی جان لینے کی کوشش کی یہ جرم ناقابل معافی ہے۔"

"خان صاحب! آپ مجھے طلاق نہ دیجیے گا۔ میں اس گھر میں ملازمہ بن کر رہ لوں گی۔" شمسہ گڑگڑائی۔

"اطمینان رکھو۔ اپنے بچوں کی خاطر میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا لیکن ایک بات یاد رکھو۔ اب تم میری زندگی میں کہیں نہیں ہو۔ تم ایکسی میں اپنا انتظام کر لو۔ میں تمہاری صورت کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم اتنی بے رحم، اتنی سفاک ہو کہ میں اس گھر میں تمہارا وجود بھی مشکل سے برداشت کروں گا۔

شمسہ سر جھکائے روتی رہی۔ خان صاحب نے جو آئینہ اس کو دکھایا تھا۔ اس میں اس کا چہرہ بہت بھیانک نظر آ رہا تھا۔

ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ شیبا اور زوار کے رشتے کو تو اب تم بھول ہی جاؤ۔ زوار سب کچھ جان چکا ہے۔ شیبا کے بارے میں بھی اور تمہاری اصلیت بھی..... درحقیقت اسی نے مجھے یہ سب کچھ بتایا ہے۔ وہ زرسانگہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں

pklibrary.com

اس کی شادی زرسانگہ سے کررہا ہوں۔"
خان صاحب یہ کہہ کر کمرے میں نہیں رکے تھے۔ وہ سکتہ کے عالم میں وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

چند دنوں میں ہی سب کچھ بدل چکا تھا۔ شیبا بھی واپس جا چکی تھی اس کے جاتے ہی نوری بی نے زرسانگہ کا کمرہ صاف کروایا۔

☆☆☆

"یہ لڑکا تو پاگل ہوگیا ہے لیکن آپ تو سمجھ دار ہیں پھر کیوں اس کی سفارش کررہے ہیں؟"
ناہید نے بھائی سے شکایت کی۔
"وہ ملک چھوڑ کر جارہا ہے اور میرے خیال میں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دو۔" وہ بھائی کی طرف پرسوچ نظروں سے دیکھنے لگیں۔
"وہ مریضنی نسل کیا بڑھائے گی، اس کی تو دوائیاں پوری کرتے کرتے میرا بچہ بوڑھا ہو جائے گا روشن خالہ کی بہو یاد ہے نا؟ حمل کا پورا وقت اسے انسولین کے ٹیکے لگتے رہے ہیں پھر بھی بچہ بڑے آپریشن سے پیدا ہوا اور ڈاکٹر نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ پھر ماں نہیں بن سکتی۔"
کچھ سال بعد وہ مر بھی تو گئی تھی نا؟" منشی احسان نے معنی خیز انداز میں بہن کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا تو ناہید ان کی بات کی تہہ تک پہنچ کر سوچ میں پڑ گئیں۔
"ہاں یہ بات تو سوچنے والی ہے کہ کچھ ایسا ہو جائے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"
وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ناہید بیگم کی آنکھوں میں چمک تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

☆☆☆

"مجھ سے نہیں سنبھالے جاتے یہ آفت بچے۔ انہیں تم ہی رکھو کمرے میں۔" ناہید بیگم چھ سالہ صفیر کو گود میں اٹھائے کمرے میں آئیں جہاں زرسانگہ صفت اور صفورہ کو سلانے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ دونوں دادی کی آواز سن کر اٹھ بیٹھے تھے۔
"جانے زوار کہاں رہ گئے ہیں۔ جڑواں بچوں کو سلاؤں تو بڑا اٹھ جاتا ہے بڑے کو چپ کراتی ہوں تو دونوں چھوٹے رونے لگتے ہیں۔"
وہ فریاد کرنے لگی۔
"اے بہو! اس میں میرا یا میرے زوار کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے بھی تو سات سال میں تین بچے پیدا کیے اوپر تلے۔ نہ اپنی صحت کا خیال ہے نہ ہی میرے بچے کے آرام چین کی فکر۔ گھر میں کوئی جگہ ایسی نہیں بچی جہاں بچوں کے کھلونے کپڑے نہ پڑے ہوں۔"
ناہید نے تو سوچ رکھا تھا کہ روشن خالہ کی بہو کی طرح وہ چند سال میں ہی اللہ کے پاس چلی جائے گی مگر زرسانگہ کو تو زوار کی محبت اور توجہ نے نئی زندگی بخش دی تھی۔
وہ روزانہ اسے واک پر لے کر جاتا تھا۔ چکی سے ایک خاص آٹا پسوا کر لاتا جس میں چنے، گندم، جو اور بیسن ملا ہوتا ہے۔ میٹھا گھر میں بالکل بند کررکھا تھا چاول مہینے میں صرف ایک دن۔ سبزیاں اور دالیں ہی کھائی جاتیں۔ کولڈ ڈرنک پر مکمل پابندی تھی اور پریگننسی کے دوران زرسانگہ کی خوراک اور انسولین کا بھی بھرپور خیال رکھا تھا۔ نو ماہ وہ انسولین لگاتی صحت مندانہ انداز زندگی نے اسے مکمل فٹ رکھا ہوا تھا گھر میں گلوکومیٹر سے اس کے شوگر لیول پر نظر رکھی جاتی تھی۔ اور شوگر کی میڈیسن وقت پر کھانے سے وہ نارمل زندگی گزار رہی تھی۔
وہ کبھی کبھی حیرت سے زوار کی طرف دیکھ کر سوچتی کتنا مخلص اور سچا ہے یہ شخص۔ ایسی محبت کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے تو مجھے زندگی کا مفہوم صحیح معنوں میں سمجھا دیا ہے۔
"کیا سوچ رہی ہے میری رانی؟" وہ بڑا سا پیکٹ ہاتھ میں پکڑے اس کے سر پر کھڑا تھا۔
"آپ کی کنیز آپ کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتی بادشاہ سلامت!" وہ شوخی سے بولی تو زوار نے بیٹے کو اٹھا کر سینے سے لگالیا۔

pklibrary.com

''گھر میں گھستے ہی امی کی شکایتیں شروع ہوجاتی ہیں۔ بچے شور کرتے ہیں۔ بچے گند ڈالتے ہیں۔ بچے شریر ہیں، بچے سونے نہیں دیتے وغیرہ۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''آپ نے بھی تو ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے آگے پیچھے پوتوں پوتی کی لائن لگادی ہے۔''

وہ معنی خیز انداز میں اسے دیکھ کر بولا ''ان کا کہنا تھا شوگر کی مریضہ عورت بچے پیدا نہیں کرے گی اور گھر کا سکوت توڑنے والے نہیں ہوں گے تو دیکھ لو اللہ نے ہمیں کتنا نوازا ہے۔''

باہر کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ناہید کی تیز تیز آواز بھی سنائی دینے لگی۔ دونوں مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''ہمیں چند فرسودہ سوچیں بنی بنائی مل جاتی ہیں اور ہم ان پر خود کبھی غور نہیں کرتے میں اس سوچ میں بدلاؤ لانا چاہتا ہوں کہ ہم شوگر پیشنٹ کو کچھ عرصے کا مہمان سمجھنا چھوڑ کر انہیں مکمل صحت مند انسان سمجھنے لگیں۔

وہ اسے دیکھنے لگی۔

''میں تو سمجھتی رہی کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟'' وہ گلہ کررہی تھی۔

''محبت؟ یہ غلط فہمی تمہیں کیسے ہوگئی زرسانگہ؟''

وہ ہونق شکل لیے اسے مایوسی سے دیکھنے لگی۔

''اوہ آپ تو مجھے مریضہ سمجھ کر فقط ہمدردی میں بیاہ لائے ہیں نا؟''

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کر قریب آیا۔ اس کے نازک ہاتھ سے فیڈر لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ ذرا سا کھینچ کر نرمی سے بولا۔

''مجھے کبھی بھی تم سے محبت نہیں تھی۔'' اس نے بھیگی آنکھوں سے زوار کی آنکھوں میں شکایتی انداز سے دیکھا۔

''اتنے سالوں سے مجھے دھوکے میں کیوں رکھا، سچ بتایا بھی تو اتنے برسوں کے بعد؟'' اس نے آنسو چھپانے کے لیے سر جھکالیا تھا۔

وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو ٹھوڑی پکڑ کر اونچا کرتے ہوئے بولا۔

''پگلی تم مریضنی نہیں ہو، مریض تو میں ہوں اور وہ بھی اس مرض میں مبتلا مریض جسے لاعلاج مرض کہتے ہیں۔''

اس نے گھبرا کر بھیگی پلکیں جھپکتے ہوئے اپنی سرخ ناک دوپٹے سے پونچھی اور اسے دیکھنے لگی۔

وہ بھی اس کے چہرے کی لالی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ ''کبھی بالکل پیلی زرد ہوا کرتی تھی یہ لڑکی۔''

وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔ ''آپ کو خدانخواستہ کون سا مرض لگ گیا ہے؟''

وہ مخمور نظریں اس پر جما کر بولا۔

''میں مریض عشق ہوں پاگل اور اس مرض کی شفا ہے نہ دوا''

وہ آستینیں چڑھاتے ہوئے بولی۔ ''کون ہے وہ کلموہی جس کے عشق کا مرض لاحق ہوگیا ہے آپ کو؟ مجھ مریضنی کو کمزور نہ سمجھیں۔ میں آپ کو تو کچھ نہیں کہوں گی لیکن اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکوں گی؟'' وہ اس کی شکل دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا

''چلو میں تمہیں اس سے ملواتا ہوں۔''

وہ اسے بازو سے پکڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے لے گیا اور روئی روئی آنکھوں والی اس معصوم لڑکی کے کندھے پر پیچھے سے دونوں ہاتھ رکھ کر اسے آئینے کے روبرو کھڑا کیا۔

''دیکھ لو اسے جس کے عشق کا لاعلاج روگ مجھے لگ چکا ہے۔''

وہ اس کی بات سمجھ کر شرمانے کے بجائے پیچھے مڑی اور اس کے سینے پر مکے مارتے ہوئے بولی۔

''ابھی تو اعتراف کیا تھا کہ مجھ سے محبت نہیں ہے۔''

وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نرمی سے اپنے سینے پر سجاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں تو ٹھیک ہی کہا ہے نا، عشق کو محبت کا نام کیسے دے دوں؟''

دونوں مسکرا دیے تھے۔

pklibrary.com

pklibrary.com

منشا محسن علی

برکت

"سانچے کیسے ٹوٹتے ہیں؟ انسانوں کے؟ نظریات کے؟ سوچ کے؟"

کوئی ضرب، ہلکی سی چوٹ سے مگر یہاں تو کسی نے بلڈوزر چلا کر سب ہی کچھ تہس نہس اور تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔"

سکندر کی نانی کی بتیسی تو مل کر نہ دی، ڈھونڈ

ڈھونڈ کر تھک ہاری تھیں۔ عینک بھی اپنے ٹھکانے سے غائب تھی۔ یہ تو چیزیں تھیں۔ گم جائیں تو مل جاتی ہیں کبھی دیر سے تو کبھی سویر سے۔

مسئلہ تو انسان کا ہے ناں کہ انسان کا سانچہ تڑخ نہ جائے۔ دھڑام اور سب ختم، جیسے سکندر نانی کا سانچہ آج تڑخ گیا تھا۔ شکورن نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ دوپہر کے بادل آسمان پر ٹہل ٹہل کر شام کے آس پاس برسے تھے۔ دال کو تڑکا لگنے کی مہک، بیسن کے حلوے کی اشتہا انگیز خوشبو۔ بچوں کی ہاہا کار۔

وہیں شکورن آدھمکی تھی۔ بے چاری کئی سالوں سے وہ بے وقت کی راگنی سن سن کر تھک گئی تھی کب تک سنی جائے؟ برداشت کی جائے؟"

"شکورن! منحوس گھر ہے یہ، برکت اٹھتی جا رہی ہے یہاں سے۔"

شکورن لشکتے، پشکتے گھر، بودوں پھولوں سے آراستہ اس گھر کو ہو کے بھر کر دیکھتی تھیں۔

"ایں ایسے ہی اینکھن ہوتی ہے بڑھیا کو تو بھرے پرے گھر میں سکون سے بڑھاپا کاٹے۔ کاہے برکت کا پہاڑہ پڑھتے ہوئے دوسروں کو عذاب میں ڈالتی ہے۔ اناج ختم نہیں ہوتا، پکی لینٹر والی چھتیں ہیں، چھت کا زور بار ہے مگر نہیں سب بھرے پیٹ کے چونچلے ہیں ہماری طرح ہر ایک کے سامنے کاسہ پکڑیں، یہ بنگلوں والے تو مت آجائے مگر نہیں۔"

آج تبھی شکورن کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا تھا اور اس نے کھری کھری داغی تھیں۔ لفظوں کے نشانے شکورن کے کبھی بھی خطا نہیں ہوتے تھے۔ اب کی بار بھی نہیں ہوئے تھے۔

میں نے سکندر نانی کے چہرے کے رنگوں کو دھنک کے سات رنگوں سے باری باری گزرتے دیکھا تھا۔ آخری رنگ سیاہ تھا۔

☆☆☆

پرانی رام گلی میں یہ میرے ننھیال والوں کا گھر ہے جہاں میں پچھلے چار سال سے قیام پذیر ہوں۔ امی کی وفات کے بعد نانی مجھے خوشی خوشی اور باقی ننھیال والے ناخوشی سے ادھر لے آئے تھے۔ ابا بھی اللہ میاں کو پیارے ہو چکے تھے، امی بھی چل بسیں تو مجھے بھی اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑ ہی گیا تھا۔

دادا، دادی بھی حیات نہ تھے۔ چچا لوگوں کی فیملیاں تھیں مگر وہاں میری جگہ کسی طور نہ بن سکی تھی تو سکندر نانی مجھے ادھر لے آئی تھیں۔ پرانی رام گلی میں یہ پرانی قدیم طرز کی حویلی تھی جس کے دروازوں کی چٹخنیاں کبھی بھی سلامت نہیں رہی تھیں، یہ آزمائی ہوئی بات ہے۔ سخت آندھی اور بادوباراں کے دوران بھی اس حویلی کے پٹ منہ پھاڑے کھلے ہی رہتے ہیں۔ تین ماموں تھے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ بچوں کی فوج کافی زیادہ ہے تو تعارف کراتے کراتے ٹرین پلیٹ فارم چھوڑ دے گی۔ جن کا ذکر ضروری ہوگا آپ خود ہی جان لیجیے گا۔

اوپر تلے بنے ان تین پورشنز میں نانی ہر گھر میں کچھ مخصوص دنوں تک رہتی تھیں اور پھر اگلے بیٹے کے گھر سدھارتیں۔ کبھی کہیں کچھ اچھا مزے دار کھانا پک گیا تو ان کا حصہ ان تک پہنچ جاتا تھا۔ تین پورشن تھے اور تینوں ہی کھلے کھلے، ہوادار مشرقی جانب کی ٹھنڈی ہوائیں خوب گزرتی تھیں۔ برآمدوں میں تخت پڑے رہتے جہاں کبھی کبھار کوئی محفل لگ جاتی۔ زیادہ تر یہ تخت بچوں کی لڑائی میں پنچایت بٹھانے کے کام آتے تھے۔ آپا دھاپی کی فضا کئی کئی دن برقرار رہتی۔ تینوں پورشنوں میں ان دنوں میں برتن زور زور سے پٹخے جاتے مگر خاک اثر نہیں ہوتا۔

بچے لڑ جھگڑ کر اگلے سے جگری یار ہو جاتے تھے مگر ماؤں کی دشمنیاں اگلی عید تک جاری رہتیں۔ سکندر نانی فی الحال اپنے حصے کی زمین اپنے کسی بیٹے کے نام منتقل کرنے کے لیے راضی نہیں تھیں۔

شکورن نے یہی بات کچھ دنوں پہلے کہی تھی تو بھڑک اٹھی تھیں۔

plibrary.com

"اڑی نگوڑی گھاس چرنی، تجھے کیا پتا آج کل کی ناخلف اور ناقدری اولاد کا، ماؤں کو چوٹیوں سے پکڑ کر نیلم بلاک کے نالے میں پھینک آتے ہیں۔ یہ جو پیٹھے کے حلوے اور ستو کے شربت غٹا غٹ پی رہی ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ سب میرے نام ہے جس دن بھی پونجی لٹا بیٹھی جو سب گیا۔ شوربے کو بھی ترسوں گی۔ میرے بوڑھے وجود کو دیسی مرغی کا شوربہ بڑا ضروری ہے۔"

شکورن نے تھل تھل کرتے ان کے صحت مند وجود کو نظروں سے تولا اور دوپٹے میں منہ دے کر ہنس دی تھی۔

"اجمل میاں کا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ بے چارے نے اتنے برے دن دیکھے، آپ سے اتنا نہ ہوا کہ دکانوں کے کرائے کی رقم میں سے کچھ ان کے ہاتھ پہ رکھ دیتیں۔"

"بڑی آئی تو حاتم طائی کی نند، اس کو دیتی تو باقی دو بھی آ جاتے۔ میرے مرنے کے بعد تو سب کچھ ان ہی کا ہو گا۔"

شکورن نے املی چاٹتے ہوئے نانی کو ٹوکا۔

"تو کب مرنے کے ارادے ہیں؟"

نانی تو جیسے غیض و غضب سے انگارہ ہو گئیں۔

"اے دفعان ہو جا ابھی کے ابھی، میں کیوں مروں، مریں میرے دشمن۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ یہ جو کل دو دن سے مجھے چکر آ رہے ہیں ناں ضرور تیری نظر لگی ہے مجھے۔"

وہ پچھلے دو دنوں سے چکر، سر گھومنے اور غشی کے دورے پڑنے کی شکایت کر رہی تھیں۔ بقول ان کے ان کی ہر بیماری کی وجہ بے چاری شکورن ہی ہوتی تھی۔

"مجھے تو جیسے خبر نہیں۔ گاؤں سے آیا دیسی گھی جو کھا رہی ہیں حلوے میں ڈال ڈال کر تو ایسا ہی ہو گا ناں۔ عمر ہے آپ کی ایسی چیزیں کھانے کی توبہ۔"

جب تک وہ لاٹھی گھماتیں۔ شکورن رفو چکر ہو چکی تھی۔

☆☆☆

میں ایک بار پھر شان دار طریقے سے میٹرک کے امتحان میں فیل ہو کر نانی کے گھٹنے سے لگی زارو قطار رو رہی تھی۔ سارا گھر اکٹھا تھا۔ نانی بار بار ماموں پر برس رہی تھیں۔

"ہائے ظالمو! اپنے بچوں کو تو پڑھاتی رہی ہو مگر میری اکلوتی یتیم نواسی کی طرف ذرا دھیان نہیں دیا۔ اللہ کا خوف بھی نہ آیا تمہیں۔ میری کلثوم کی نشانی ہائے، میں اگلے جہاں میں اس نمانی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔"

نانی زارو قطار روتے ہوئے مجھے سینے سے لگائے خوب واویلا کر رہی تھیں۔ میں ان سے چپک کر بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی۔ امتحان کے دنوں میں، میں نے بھی تو کھیل کود میں خوب موجیں کی تھیں۔ گلی ڈنڈا، شٹاپو، گڑیا کی شادی کوئی بھی کھیل میں نے نہیں چھوڑا تھا۔ آج وہ سب رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔

اجمل ماموں کا چھوٹا انیس مجھے چڑا رہا تھا۔

"دادی! یہ خود نکمی ہے۔ پڑھتی وڑھتی کچھ نہیں۔ سارا دن اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ شٹاپو کھیلتی ہے۔ ایک بار تو میں نے اسے اسکول کے احاطے میں لگے درخت سے کیریاں چوری کرتے ہوئے بھی پکڑا تھا۔ خوب پھینٹی پڑی تھی میڈم ربیعہ سے۔ نمرہ باجی بھی تو ہیں۔ انہوں نے پوزیشن لی ہے۔ وہ تو ایسی حرکتیں نہیں کرتی تھیں اور سارا دھیان پڑھنے میں تھا مگر نوشی باجی تو ہیں ہی نکمی اور نالائق۔"

میرا دل چاہا اس کا گلا دبا دوں جو میرے کرتوت سب کو بتا رہا تھا۔ مینڈک کہیں کا۔

"اے، ڈھائی فٹ کے لونڈے ادھر آ۔ کس کی زبان بول رہا ہے تو، یہ باتیں کہاں سے کرنی آ گئیں تجھے۔ آج کرتی ہوں میں تیرے باوا سے بات۔"

حالات میں عجیب سنگینی سی آ گئی تھی۔ چھپ

pklibrary.com

چھپ کر پلر سے جھانکتی نمرہ کی میٹرک میں پوزیشن کی خوشی تھمی جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی تھی۔

''دادی ہر بار ایسے کیوں کرتی ہیں۔ ان سے کسی کی خوشی برداشت کیوں نہیں ہوتی۔''

شام کو پھر عدالت لگی۔ جہاں مجھے ماموں لوگوں نے اپنے پاس بٹھایا اور خوب لیکچر دیے کہ ناکامی ہی کامیابی کے رستے کھولتی ہے۔ میں آئس کریم کھاتے ہوئے ان کے سامنے مؤدب بنی بیٹھی تھی۔ ایک بار پھر سے سب کا دھیان نمرہ کی خوشی سے ہٹ گیا تھا۔

''ارے ہماری نوشی بچہ تو بہت ذہین ہے۔ بس کبھی کبھی ہو جاتا ہے مگر آگے جا کر ہمیں پورا یقین ہے کہ تم ہمارا نام روشن کرو گی۔ آج سے تمہارا جیب خرچ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ اب خوب دل سے پڑھائی کرنا تم۔''

سکندر نانی مسکراتے ہوئے تسبیح کے دانے پھیرتی رہیں۔ رضیہ مامی چپ چاپ کھانے کے برتن اٹھا رہی تھیں۔ نمرہ کھانے کی میز پر نہیں آئی تھی۔ سارے میں عجیب بوجھل پن آ کر بیٹھ گیا تھا۔ پلروں سے جیسے وحشت ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ آنگن میں لگے نیم کے پتے تک اپنی جگہ ساکت تھے۔

''ارے میری نوشی تو بہت مبارک قدموں والی ہے، اپنی ماں کلثوم کی طرح اجمل، اکمل میں تو ہزار بار کہوں گی کہ اسی کی وجہ سے تمہارے کاروبار کو بھاگ لگے ہوئے ہیں۔ ورنہ تو اس گھر میں ہمیشہ بے برکتی ہی رہی۔ برکت ہی اٹھ گئی ہے۔''

''جی اماں! آپ بجا فرما رہی ہیں۔ میں آپ سے مکمل متفق ہوں۔''

اجمل نے ماں کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ ہر بار یہی ہوتا تھا۔ سکندر نانی جتنی اہم تھیں، اتنی ہی اہمیت مجھے بھی اس گھر میں ملا کرتی تھی۔ جسے میں اعزاز سمجھ کر وصول کیا کرتی تھی۔ کبھی بھی مجھے اس پر کوئی شرمندگی یا احساس ندامت نہیں ہوا تھا۔

''ارے، آج تو نمرہ کا بھی نتیجہ تھا ناں؟''

اجمل ماموں کو اچانک یاد آیا تھا۔ زندگی اور کاروباری بھاگ دوڑ میں انہوں نے مجھے اور نانی کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ مگر انہیں اپنی اولاد بھول جاتی تھی۔

''وہ پاس ہو گئی ہے، تم فکر مت کرو۔''

نانی نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ کچن میں کھیر کا پیالہ تھامے ماں کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتی نمرہ کے دل میں کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

مٹھائی کا ڈبہ سلیب پر ویسے کا ویسا کھلا پڑا تھا، جس کی طرف مکوڑوں نے قطاریں باندھ لی تھیں۔

☆☆☆

زندگی یونہی گزر رہی تھی چھوٹے اور کچھ بڑے مسئلوں کے ساتھ جو اچانک ہی ہماری زندگیوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ رام گلی کی اس حویلی سے کبھی مسئلے ختم نہیں ہوتے تھے۔ مسئلوں کے بارے میں تو جیسے وہ خود کفیل ہی تھے۔

نمرہ کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ مامی نے کچن اور امور خانہ داری کی تربیت دینا بھی شروع کر دی تھی۔ وہ کچھ بدیسی کھانوں کے ساتھ ساتھ دیسی کھانے بنانے میں بھی طاق ہو گئی تھی۔ کھانے کی میز پر ہر بار کوئی نہ کوئی چیز نمرہ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی جس کی سب تعریف کرتے تھے۔ جانے کیوں مجھے کبھی کبھی یہ بات اچھی نہ لگتی تھی۔ ہوتا ہے ناں کہ کبھی کبھی آپ کا دل خیر کا ساتھ چھوڑ کر شر کی راہ دیکھ چل رہا ہوتا ہے۔ مجھے لگتا تھا میرے دل نے بھی شر کی راہ دیکھ لی ہے جس سے پلٹنا مشکل ہے۔

مامی بلقیس نے نانی سے ایک بار میرے بارے میں کہا تھا۔

''اماں! نوشی کو بھی کچن کے کام میں ہاتھ بٹانا چاہیے، لڑکیاں بالیاں تو گھر داری میں ہی سوہنی لگتی ہیں۔ اگلے گھر جا کر آسانی ہو جاتی ہے۔ اب رضیہ کی

"نمرہ کو دیکھیں، کتنا اچھا کھانا بناتی ہے، چپاتی تو ایسی گول اور خوب صورت ہوتی ہے کہ اسے دیکھ کر ہی بھوک لگ جاتی ہے۔"

مامیوں سے ساری زندگی اختلاف رکھنے کے باوجود جانے کیوں اور کیسے سکندر نانی کے دماغ کے کسی کونے میں ان کی یہ بات بیٹھ گئی تھی اور انہوں نے مجھے پاس بٹھالیا تھا۔

"دیکھ میری بچی! تیری ماں کا سایہ نہیں ہے سر پر اور نہ ہی باپ سلامت ہے۔ جب تک میں ہوں تو اس گھر کی چھت تیرے لیے راحت اور سلامت ہے مگر جس دن مجھے اوپر والے نے بلا لیا تو پھر تیری دیکھ ریکھ ان لوگوں نے ہی کرنی ہے۔ تجھے اگلے گھر کا بھی کرنا ہے تو میں چاہتی ہوں تو بھی نمرہ کی طرح چپاتی بنانا اور ہانڈی بنانا سیکھ لے تاکہ اگلے گھر جا کر تجھے کوئی ملامت نہ ملے۔"

میں نانی کی بات پر بس سر ہی ہلا سکی تھی۔ میرے اندر دل میں جیسے کوئی سوچ راسخ ہو رہی تھی کہ نمرہ نے آہستہ آہستہ اپنی نرم مزاجی اور مہربان فطرت سے سب ہی کے دل میں جگہ بنانا شروع کر دی تھی اور میں کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ جب مخالف کی دوڑ اور حوصلہ واضح نظر آ رہا ہو تو انسان کو اپنے ہتھیاروں کی فکر لازمی ہوتی ہے جو کہ مجھے بھی ہو گئی تھی۔

وہ سخت گرمیوں والے ہاڑ کے دن تھے۔ جب سر کی چوٹی سے لے کر پیر کے انگوٹھے تک بندہ پسینے سے شرابور ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسے میں کچن کے گرم ماحول میں کھانا بنانا ایک اذیت سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔

دوپٹے کے پلو سے پسینہ بار بار پونچھتی نمرہ مجھے بہت پرسکون لگی تھی جیسے اسے گرمی، حبس، پسینے کسی بھی چیز سے فرق نہ پڑتا ہو۔ لہسن ادرک کوٹتی، کیبنٹ بار بار کھولتی، بند کرتی، مسالوں والے ڈبوں کی استعمال کے بعد ترتیب درست کرتی وہ مجھے ناقابل شکست لگی تھی۔

جبکہ میں چائے کے کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈالتی پسینے میں نہا چکی تھی۔ نمرہ نے میرا یہ حال دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔

"نوشین! میں چائے بنا دیتی ہوں، تمہیں گرمی لگ رہی ہے تم باہر چلی جاؤ۔" میں نے ضد میں آ کر ڈٹے رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے چائے بنانا نہیں آتی؟ صرف تم ہی ہو جسے سب کچھ بنانا آتا ہے۔" کڑاہی میں چمچ چلاتے ہوئے وہ سخت حیران ہوئی تھی۔

"ارے نہیں، میں نے اس لیے تو نہیں کہا میں تو تمہاری آسانی کے لیے ہی کہہ رہی تھی کہ تمہیں گرمی محسوس نہ ہو۔ میں معذرت کرتی ہوں اگر تمہیں برا لگا ہو تو۔"

"ہونہہ..... برا لگا ہو تو۔"

میں چائے کپ میں انڈیلتی باہر آ گئی تھی اور برآمدے کے پلر کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔ صحن میں رکھی چارپائی پر سرخ مرچیں سوکھ رہی تھیں، اچار کے کچھ مرتبان پڑے تھے۔ آم اور سیب کے مربے کے جار بھی پڑے تھے۔ اور یہ سب کچھ نمرہ نے تیار کیا تھا۔ گورنمنٹ کالج سے انٹر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان چیزوں پر بھی مکمل توجہ دے رہی تھی۔ میرے دل میں کہیں اندھیرے چھا رہے تھے۔

"ہر کوئی آگے نکل رہا ہے، میرا کیا ہوگا۔ کیا میں یہیں کی یہیں رہ جاؤں گی۔ نامراد، خالی ہاتھ اور بے بس۔"

☆☆☆

انسان کی سوچ بڑی چیز ہوتی ہے۔ پتھر سونا کر دیتی ہے اور سونے کو پتھر میں بدل دیتی ہے مجھے لگا تھا مجھ میں بس ایک ہی وصف ہے سونے کو پتھر کرنا اور میں اس چیز کو بدل نہیں سکتی۔ کون اچھا نہیں بننا چاہتا؟ کون مرکز نگاہ نہیں بننا چاہتا؟

"ہر کوئی چاہتا ہے۔ ہم سب..... میں بھی تو چاہتی ہوں۔"

☆☆☆

رمضان شروع ہوا تو نمرہ نے سحری اور افطاری کی ذمہ داری لے لی۔

اس بار تو میں بھی حیران رہ گئی تھی، بل دار پراٹھے، چائی کی کسی، ذائقہ دار کڑک چائے۔

افطاری میں پکوڑے، کچوریاں، دہی بڑے، مختلف قسم کے مشروب، ماموں لوگوں کے دوستوں کی افطاریاں نمرہ نے بہت سلیقے سے نبھائیں۔ محلے کے گھروں میں بھی افطار کا سامان بھیجا جاتا رہا۔

غیر محسوس طریقے سے نمرہ ہر منظر نامے پر چھا گئی تھی۔ میں کبھی سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ کچھ لوگوں کے شوق بھی بہت دیالو اور زرخیز ہوتے ہیں جو پورے ہوتے ہوئے ان کے حصے میں عزت اور نیک نامی ڈالتے رہتے ہیں، یہی چیز نمرہ کے شوق میں تھی۔ رزق ہنسی خوشی پکانا اور کھلانا یہ عام بات نہیں تھی۔ مگر مجھے پہلے پہل عام سی لگی تھی۔

میں نے آملیٹ بنانے کی کوشش کی تھی اور میرے بازو پر تیل کے چھینٹے پڑ گئے تھے۔ تب میری سمجھ میں آیا تھا۔ لڑکیوں کی زندگی کیوں کٹھن ہوتی ہے۔

بازو ہلکا سا جھلسا تھا مگر درد بہت زیادہ ہوا تھا۔ روح کو چھو گیا تھا۔

نانی نے برآمدے کے تخت پوش پر ہمیشہ کی طرح عدالت لگالی تھی۔

''ارے دیکھتی نہیں ہو، بچی جھلس گئی ہے۔ کسی کو خیال ہی نہیں۔ جب پتا ہے، وہ کھانا پکانا نہیں جانتی تو اسے باورچی خانے میں بھیجا ہی کیوں۔ کل کلاں کو اگلے جہاں کلثوم نے میرا گریبان پکڑ لیا تو؟''

نانی کو اگلے جہاں میں اپنے اعمال سے کہیں زیادہ بیٹی کے سامنے کا خوف تھا۔ یہ انسان بھی ناں، جانے کیسے کیسے خوف پالتا رہتا ہے۔ بے مقصد اور بے کار۔

بلقیس مامی کو نانی کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

''بس بھی کرو اماں! ذرا سا تیل کا چھینٹا ہی تو پڑا ہے۔ پچھلے دنوں نمرہ پر پورا فرائی پین ہی الٹ گیا تھا تب تو آپ کو ذرا خیال نہ آیا، اور نوشین کو میں نے برنال لگا دی ہے کچھ ہی دیر میں کھرنڈ آ جائے گا۔ لڑکیاں ہیں۔ آج یہ چھوٹی سی تکلیف نہیں جھیلیں گی تو کل کلاں بھرے پُرے گھر کیسے سنبھال پائیں گی۔''

میں چپکی بیٹھی رہی تھی۔ مرچوں کی دھونی بڑھ گئی تھی۔

''تمہاری زبان خوب چلنے لگی ہے بلقیس! پرائی امانت ہے۔ میں خیال نہ رکھوں تو تم لوگ لاوارث ہی چھوڑ دو۔''

موڑھے پر بیٹھی بلقیس مامی پھلیاں صاف کرتے ہوئے سخت کبیدہ خاطر ہوئی تھیں۔

''اماں! انصاف کی بات کیا کریں۔ آگے ہم نے بھی اللہ کو منہ دکھانا ہے۔ پوچھ لیں نواسی سے۔ آج تک اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر اسے اچھا کھلایا پلایا ہے، پہنایا ہے۔ اپنی ضرورتیں مار کر اس کی ضرورتیں پوری کی ہیں۔ آج تک کوئی فرمائش رد نہیں کی۔ اگر آپ یہی کچھ کرتی رہیں گی تو بچی کا اپنا دل بھی ہماری طرف سے برا ہوگا۔''

اس دوپہر شکورن بھی آدھمکی تھی۔ گھمسان کا رن پڑا تھا۔ نانی تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے مسلسل بولتی رہیں، مامیوں کی فوج نے بھی جی بھر کر مقابلہ کیا تھا۔ بہت دیر بعد جا کر کہیں کچھ ٹھنڈا پڑا تھا۔

سکندر نانی نے ہو کے بھر بھر کر شکورن کو اپنی خود نوشت سے آگاہ کیا تھا۔ شکورن مکئی کے بھٹے کھاتی مسلسل افسوس میں سر ہلاتی رہی تھی۔

''بس شکورن! سب بے وفائی کی باتیں ہیں۔ بار بار تجھے کہتی ہوں، رشتوں سے برکت اٹھتی جا رہی ہے۔ سب ختم ہوتا جا رہا ہے۔ چھوٹے بڑے کسی کو کوئی سمجھ تمیز ہی نہیں ہے۔''

☆☆☆

دن ایسے ہی گزرتے جا رہے تھے، عمر رواں کا سفر بھی جاری و ساری تھا۔ میں نے اپنی تعلیم چھوڑ دی

تھی کہ مرمر کے میٹرک کرنے کے بعد دل ہی نہ لگتا تھا۔ زندگی برآمدوں میں محلے والیوں کی محفلوں میں گزر جاتی تھی۔ گزرتی جارہی تھی۔

ان ہی دنوں میں حویلی پھر سے ناگہانی حالات کا شکار ہوگئی تھی جب اکمل ماموں کو کاروبار میں گھاٹا ہوا تھا۔ انہیں شدید قسم کا دل کا دورہ پڑا تھا۔

گھر کے بڑوں کی صحت جب خراب ہوتو ماحول عجیب سی اداسیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ سکندر نانی بھی بولائی بولائی سی پھرا کرتی تھیں۔ ڈاکٹر نے ماموں کو مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا تو وہ آج کل گھر پر ہی رہتے تھے۔ برآمدے میں بیٹھے کبھی اخبار پڑھ رہے ہیں، تو کبھی محلے کے کچھ بندوں کے ساتھ بیٹھک میں تاش کا کھیل، کھیل رہے ہیں۔ یونہی دل کے بہلاوے ہوتے ہیں۔

بلقیس ممانی جیسے چپ سی ہوگئی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے چیزیں بھول جانے کی بیماری ہوگئی تھی انہیں۔

ان دنوں نانی کا رویہ بہت عجیب تھا۔ جیسے انہیں کسی بات سے فرق نہ پڑتا ہو۔ جیسے وہ خود کو کسی مضبوط عمارت میں ڈھال چکی ہوں۔ جو اپنی بنیادوں پر کھڑی رہتی ہے۔

"نوشین! میں نہ کہتی تھی کہ اس گھر سے برکت اٹھ گئی ہے۔ اب دیکھ لو۔"

"نانی! برکت کیوں اٹھ جاتی ہے؟"

"بس کبھی کبھار انسان وجہ بن جاتے ہیں۔ ان کی سوچ، ان کے کرم....."

جانے کس کی سوچ تھی؟

جانے کس کے کرم تھے؟

☆☆☆

آدھی رات کو لک چھپ کر بادل گھر گھر آئے اور پل بھر میں سارے میں جل تھل کر کے رکھ دیا۔ میں نے کہا تھا ناں کہ حویلی کی چٹخنیاں سلامت نہیں ہیں۔ یہ گر جاتی ہیں۔ یہ گر گئی تھیں۔ نیم کی کچھ شاخیں تڑاخے مار مار کر ٹوٹنے لگی تھیں۔ غضب کا خوف پیدا ہوگیا تھا۔ سکندر نانی کی سرگوشی اس رات کے پہلو میں کسی صور کی مانند پھیل گئی تھی۔

"یہ جو اولاد ہوتی ہے ناں یہ بڑی ڈرامے باز ہوتی ہے۔ مرد کو عورت اداکار بنا دیتی ہے جیسے تیرے ماموں کو تیری ماموؤں، نکڑ والے حاجی صاحب کو بھی ان کی اولاد نے اداکاری کا نشانہ بنایا، بہانے بازیاں کر کے ان سے سب زر ہتھیا لیا۔ سچ کہوں تو ہم بوڑھوں کے پاس بس یہی ترکہ تو ہوتا ہے جس کے لالچ میں ہم اولاد سے بڑھاپے میں خدمت کروا سکتے ہیں۔ ورنہ حاجی صاحب کی اولاد کی طرح یہ مجھے بھی نکال باہر کریں۔"

میں نانی کی باتیں سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ موسم کے خوف سے کہیں زیادہ خوف ان کی باتوں میں تھا۔ وہ کیسی ماں تھیں جنہیں اپنی اولاد پر یقین نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ صبح قیامت کے لبادے میں لپٹی ہوئی تھی، جب در و دیوار نے بلقیس مامی کے زور زور سے بین کرنے کی آواز سنی تھی۔ خوف حقیقت کا روپ دھار کر اب دانت نکوس رہا تھا۔

سکندر نانی کو غش آنے لگے تھے۔ جوان بیٹے کی موت نے انہیں ادھ موا سا کر دیا تھا۔

لوگ آتے جاتے رہے، زندگی سے بچھڑنے کی رسومات جاری رہیں۔ بچھڑنے والے یونہی بچھڑ جاتے ہیں۔ تاش کے پتے اڑتے پھر رہے تھے۔ نیم کی جڑیں تک باہر آ گئی تھیں۔ کئی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ چکے تھے۔

اکمل ماموں ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے، زندگی پھر کبھی بھی معمول پر نہیں آ سکی تھی۔ ناشتے کے وقت میز پر چپ چاپ ناشتہ کر لیا جاتا، کھانے کے وقت کھانا کھا لیا جاتا تھا۔ یہی معمول تھا۔

بس ایک دن ذرا معمول کے خلاف ابھرا تھا کہ جب نانی نے وکیل کو بلا کر سب کے حصے سب کو بانٹ دیے تھے۔ اور خود نانی اپنے کمرے میں کچھ وقت کے

pklibrary.com

لیے روپوش ہوگئی تھیں۔ پانچ وقت کی نماز کی وہ پابند تھیں مگر سوچ کے الٹ پھیر نے ان سے عبادتوں کے بھرم بھی جیسے چھین لیے تھے۔

ہر کوئی اپنی اپنی جنگ لڑ رہا تھا۔ نمرہ کی ایم اے کی کلاسیں شروع ہوئی تھیں تو میں نے باورچی خانہ سنبھال لیا تھا۔ سارے کام رضیہ مامی کرتی تھیں، میں تو بس ادھر ادھر کے کچھ کام کر لیتی تھی۔ پھر ایک دن میرے بازو پر بھی فرائی پین الٹ گیا تھا۔ مجھے اپنے اندر نمرہ کی تکلیف زندہ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

میں کچن کی سلیب سے لگی برنال لگاتے ہوئے اکیلی روتی رہی تھی۔ زندگی نے کچھ سمجھانا ہو، تو وہ اتنا وقت کیوں لیتی ہے؟

زمانے کیوں لگ جاتے ہیں؟ جیسے مجھے لگ گئے تھے۔ نانی نے کچھ دن کے لیے ڈیرہ کمرے میں ہی لگالیا تھا۔

"رضیہ نے مجھے لوکی کا سالن بھیجا ہے؟ کہیں آج قورمہ تو نہیں پکا تھا؟"

"یہ نمرہ بڑے کالج جاتی ہے ناں، ذرا اس کی سہیلیوں پر نظر رکھا کرو۔ کہیں ایسی ویسی تو نہیں ہیں۔ نمرہ خود بھی تو اپنی ماں جیسی ہے۔"

"اور یہ کمال کا دلاور، باپ کے مرنے کے بعد بالکل ہاتھ سے نکل تو نہیں گیا؟ مجھے یہی ڈر ہے۔"

میں چپ چاپ اپنی چائے کی پیالی میں رسک کو ڈوبتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

"دیکھا۔ سب اینٹھ لیا ہے ناں مجھ سے، تو اب کیوں خبر لیں گے، کون لے گا، کہتی تھی ناں برکت ختم ہوگئی ہے اس گھر سے، ہائے ہائے۔"

سنگت انسان کے اندر اثر چھوڑتی ہے۔ میرے اندر بھی نانی کی سنگت نے سوال چھوڑ دیے تھے۔ میں جلے پیر کی بلی کی طرح دبے پاؤں گھومتی رہتی ہو کہ کہیں نمرہ نے کچھ ایسا ویسا کرنے کی نہ ٹھان لی ہو۔ میں اس کے کمرے کی کھڑکیوں، دروازوں کے پاس گھنٹوں چپ چاپ سن گن لینے کو کھڑی رہتی ہو کہ کہیں، کچھ ہے تو نہیں؟ جو قابل گرفت ہو، جو نظر سے گرا کر رکھ دے؟

دلاور کی ٹوہ میں، میں نے راتوں کو دیر سے سونا شروع کر دیا تھا۔ اس عمر کے لڑکے اتنی دیر تک باہر کیا کرتے پھرتے ہیں؟

رضیہ مامی میرے باورچی خانے سے نکل جانے کے بعد فروزن چیزیں تو تل تل کر نہیں کھاتیں؟ کیا خبر ہم دونوں کو لوکی اور دالوں پر زندہ رکھا ہو اور خود وہ کچھ اچھا اور لذیذ کھاتی ہوں جیسے گاجر کا حلوہ اور کوفتے؟

☆☆☆

دو ہفتوں بعد میں نے سکندر نانی کے سوالوں کا جواب انہیں پہنچا دیا تھا۔

"نمرہ کا کمرہ اکثر بند رہتا ہے۔"

"دلاور کبھی آدھی رات کو دیوار پھاند کر گھر آتا ہے۔"

"ایک رات چھوٹے سلنڈر پر رضیہ مامی نگٹس فرائی کر رہی تھیں۔"

سکندر نانی کا چہرہ جیسے لٹھے کی مانند سفید ہوتا چلا گیا۔

وہ حویلی ان کے رعب سے چلتی تھی۔ وہ ٹھسے والی عورت تھیں۔ اپنی راجدھانی کو آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھیں۔ عرصے بعد حویلی کے برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھ کر انہوں نے سینہ کوبی کرتے ہوئے ساروں کو کوسا تھا۔

"آئے ہائے لعنت پڑے۔ پھٹکار برسے، میری غیر موجودگی میں کیا کیا ہوتا رہا ہے۔ ساری جائیداد دے کر اب میں فارغ اور ناکارہ ہوگئی ہوں۔"

بہوویں سر جھکائے ہمیشہ کی طرح کھڑی رہیں۔ نمرہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دلاور پلر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ رضیہ مامی چاول چن رہی تھیں۔

"یہ نمرہ کمرہ بند کر کے کیا کرتی رہتی ہے؟"

pklibrary.com

یہ جملہ آگ میں جھلستا ہوا تھا جس نے نمیرہ کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ تکلیف پیر کے انگوٹھے سے ہوتی ہوئی سر تک پہنچ گئی تھی۔

''دادی! اتنا تو اعتبار کیا ہوتا مجھ پر، میں باہر کے ملک میں بچوں کو آن لائن پڑھاتی ہوں۔ اس لیے کمر بند رکھتی ہوں۔'' منہ پر ہاتھ رکھتی وہ پلٹ گئی تھی۔

دوسرا ملزم دلاور تھا جو دانت بھینچے کھڑا تھا۔

''دادی! آپ کا ترکہ کسی کو نہیں چاہیے۔ آپ اپنے پاس رکھیں۔ جب میرے ابو کی زندگی میں کام نہیں آیا تو اب بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی، میں نے مزدوری شروع کر دی ہے۔''

دلاور کمال جس کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں اس کے نازک ہاتھ کسی مزدور کے ہاتھوں جیسے تھے۔ بلقیس الگنی سے کپڑے اتارتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

سکندر نانی کے دل پر بوجھ پڑ گیا تھا۔ کھانسی نے ادھ موا کر دیا تھا۔ رضیہ ممانی بھاگ کر گلوکوز لے آئی تھیں۔

''تو راتوں کو چوری چوری نگٹس بنا کر کھاتی ہے ناں رجو؟'' رضیہ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

''اے اوپر والے! یہ تو نے ہمارے بزرگوں کو بچوں جیسا کیوں بنا دیا ہے؟''

''نہیں اماں! میں نگٹس نہیں بناتی جو بناتی ہوں آپ کا حصہ ضرور بھیجتی ہوں آپ کو۔''

حویلی کے برآمدے میں اوپری اوپری سی ہوائیں چلتی رہیں۔ سب گھر والوں نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا تھا جیسے اماں تو بوڑھی ہیں، کیا سے کیا سوچ لیتی ہیں مگر نوشین تم تو؟

☆☆☆

''زندگی کے ڈھنگ کبھی بھی سہل اور سیدھے نہیں ہو سکتے، آزمائی ہوئی سی بات لگتی ہے۔ انسان ہیں، فطرتیں بھی تو الگ الگ رکھتے ہیں۔ ہر کسی کے اپنے بھید، اپنے ضابطے۔''

شام کی چادر تلے تھکے ماندے جسموں کے ساتھ وہ دونوں ویرانیاں سیڑھیوں پر آن بیٹھی تھیں۔

''سکندر ساس جیسی عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی، اللہ نے بھی تو کیسے کیسے انسان بنا رکھے ہیں۔ کیا کریں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے رام گلی کی یہ پرانی گلی ہی میری اور تمہاری آزمائش ہے جس کی چکی میں ہمیں خوب خوب پیسا جا رہا ہے۔ مجھے تو مجھو سل بٹے پر پیس کر رکھ دیا گیا ہے۔''

''تم نے یہ خوب کہی، دل اداس ہو رہا ہے کیا؟''

رضیہ نے بلقیس کے دل کو جانچنے کی کوشش کی تھی۔ ایک لمبی سی تھکن آمیز سانس خارج ہوئی تھی ان کے منہ سے، وہ دور خلاؤں میں دیکھ رہی تھیں۔

''اب تو لگتا ہے دل ہے بھی یا نہیں۔ کبھی تو یقین تک نہیں آتا جو کہ ہم جیے جا رہے ہیں۔ شادی کے شروع دن سے ہی اس حویلی میں میرا دم گھٹ گیا تھا۔ کبھی تم نے دمہ کے مریض دیکھے ہیں۔ وہ بے بسی کی اعلیٰ تصویر ہوتے ہیں۔ میں بھی وہی بے بسی محسوس کرتی ہوں۔ شوہر ملا تو آدھا ادھورا، سکندر ساس نے اکمل کو اولاد نہیں کٹھ پتلی بنا کر رکھا تھا۔ حویلی اسٹیج تھی۔ جہاں تماشے ہوتے تھے۔ جانے میں کیا تھی؟ ڈور یا پھر تماشائی مگر تماشے تو میرے بھی بنتے تھے۔ میرے خاندان میں میرے پکائے ہوئے کھانوں کی دھوم ہوتی تھی، صحیح میں انگلیاں چاٹ لی جاتی تھیں۔ مگر یہاں حویلی میں تو کہتے ہیں، میں نمک، مرچ کا تناسب نہیں جانتی۔ دم پختہ اور شعلہ مجھے نہیں پکانا آتا۔ اس سوچ پر ہنستی ہوں کہ کاش پچھلی ساری زندگی باورچی خانے میں جھک نہ ماری ہوتی اور سب کچھ یہاں آ کر سکندر ساس کی نگرانی میں سیکھ لیتی۔ میرے آملیٹ سے ہمیشہ باس آتی ہے، چائے میری کچی ہوتی ہے۔ قورمے کا رنگ میں کالا کر دیتی ہوں، چاول مجھ سے کھڑے

pklibrary.com

کھڑے نہیں ہنتے۔ کانچ کے برتن اٹھانے کی مجھے اجازت نہیں تھی کہ میرے ہاتھوں میں بڑے سوراخ تھے، کانچ گر سکتا ہے، ٹوٹ سکتا ہے۔ سوراخ تو اس حویلی کے مکینوں میں ہیں جو انسان کو گرا دیتے ہیں کہ اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی دنیا آسکر حاصل کر لیتی ہے، یہ ایوارڈ تو ہم بہوؤں بیٹیوں کو بجتا ہے جو کانچ توڑتی ہیں، تناسب میں اناڑی ہیں، چاول جوڑ دیتی ہیں۔"

شام کے پہلو میں کھڑی اداسی نے حویلی کے گرد حاشیے سے کھینچ دیے تھے۔ بلقیس مامی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ دل تھا کہ سارے غبار سے آزادی چاہ رہا تھا۔ روح الگ وزن میں تھی۔

"ہائے بھابھی! چپ کر جائیں، جہاں اتنی عمر گزار لی، وہاں اب بھی چپ کر جائیں۔"

برآمدے کے پلروں کے سائے جانے کب کے ختم ہو چکے تھے۔ ہوا میں حبس بڑھنا شروع ہو چکا تھا۔

"کیسے کر جاؤں، آج کل کی اولاد چپ نہیں رہتی، صبر نہیں رکھتی، دلاور دادی کے آگے زبان چلانے سے باز نہ آئے گا۔" انہوں نے رضیہ مامی نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

"بھابھی! سمجھ جائے گا، ابھی بچہ ہے۔"

"رضیہ تم نہیں سمجھو گی۔ زبان کی مار بڑی بری چیز ہوتی ہے، میں نہیں چاہتی، سکندر اماں کو اس بڑھاپے میں اپنی اولاد کی اولاد سے کچھ سننا پڑ جائے۔"

حبس کا دور دھیرے دھیرے ٹوٹ رہا تھا۔ ہوا نیم کے پتوں سے راستے نکالتی گزرنے لگی تھی۔

"اماں کہتی ہیں گھر میں برکت نہیں ہے۔ چوبیس گھنٹے یہی بات، برکت کیا ہوتی ہے؟ سکون کیا ہوتا ہے؟ کہاں ہوتا ہے؟ رزق میں برکت نہیں، رشتوں میں برکت نہیں، عبادتوں میں برکت نہیں تو کہاں ہے تو کیوں نہیں ہے؟" دونوں

دیورانیوں کا کتھارسس یونہی ان ہی پانچ قدموں والی سیڑھیوں پر ہی ہوتا تھا۔ دل کے بوجھ کو سیڑھیاں برداشت کر لیتی ہیں۔ اب بھی کر گئی تھیں۔

مگر ایک شخصیت پر یہ "بوجھ" سارے کا سارا پڑ گیا تھا۔

"وہ "میں" تھی جو پلر کے ساتھ ٹیک لگائے گم صم سی آسمان پر آندھی کے آثار دیکھ رہی تھی۔"

یہ ہواؤں والی آندھی نہ تھی۔ یہ کچھ اور تھی، ناگہانی..... سکندر نانی کے وجود پر بھاری.....!

☆☆☆

شکورن کو جب زبان لگ جائے تو وہ بہت تھڑدلی اور عجیب ہو جاتی تھی۔ توپ کی طرح گولے داغتی، ایسے لوگ آئینے لے کر گھومتے ہیں، آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

بس ایک بار ان کا پھٹ پڑنا ضروری ہوتا ہے جیسے شکورن کا پھٹ پڑنا آخر کار ضروری ہو ہی گیا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہی تھی۔

کہ سکندر نانی کا چہرہ سیاہ رنگ میں ڈھل چکا ہے، وہ حق دق، گم صم ہیں۔ زبان کھو بیٹھی ہیں۔ حالت کاٹو تو بدن میں لہو تک نہیں۔ دل ہے کہ پریشر ککر کی سیٹی کی طرح بج رہا ہے اور مسلسل بجتا ہی جا رہا ہے۔

"ارے سکندر! سچ بات کہوں، دل کو لگتی بات کہوں گی۔ تیرے دل میں کھوٹ ہے، تیری عبادت میں، تیری سوچ اور خیال میں۔ اپنا دل صاف کر۔ تجھے برکت نظر نہیں آتی۔ ناشکری کا کیڑا بہت مہلک ہوتا ہے، انسان کو ساری عمر چاٹتا رہتا ہے، تجھے بھی اس کیڑے نے ہولے ہولے چاٹ لیا ہے، اور ایک بات سمجھ لے۔ پتے کی بات ہے، اس کیڑے کو دانا پانی، کھاد دے کر تو نے خود ہی سینچا ہے جو آج اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ تیری اولاد کا سکون بھی کھاتا جا رہا ہے، بہویں بری ہیں، بیٹے برے ہیں۔ جورو کے غلام ہیں۔ اتنا چھوٹا دل تھا تو

pklibrary.com

ساری زندگی اولاد کو دوپٹے کے پلو سے باندھ کر رکھتی، شریفوں کی بیٹیوں کو ایسے اوکھے وخت نہیں ڈالتے۔ ان کا پکایا ہوا رزق تجھے زہر لگتا ہے۔ تو ان کے پکے میں مین میخ نکال نکال کر رزق سے برکت کھو رہی ہے، بہوؤں کو محلے میں تو نہیں جانے دیتی کہ تیری باتیں آگے اگلیں گی ناں تو کوئی بیماری کلنتن ہے، جو باہر دنیا تیرا اوکھا سوکھا سننے کو مری جا رہی ہے، آج کی دنیا کو اپنی پڑی ہے سکندر رے! تو کہتی ہے کہ تجھ سے جائیداد لے کر تجھے گھر سے باہر کریں گے۔ ہائے نمانیے اولاد پر تو اعتبار کرتی اور تیرے نام کون سے مربعے ہیں کہ وہ تخت پر چڑھ جائیں گے۔ سوچ کا پھیر ہے، دل کو ٹوہ لگی ہے تیرے۔ ٹوہ بہت بڑا گناہ ہے انسان کے رشتوں سے برکت ختم کر دیتی ہے۔ گناہ خود پلے میں بھر کر دنیا میں دیکھتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ پہلے اپنا اندر دیکھ۔ ساری سمجھ آجائے گی۔ باقی میں تو کمین بندی ہوں کسی کو کیا کہہ سکتی ہوں۔ خیرات نہ بھی ملی تو در بہتیرے۔ اتنا لکھ لے، اس گھر میں برکت صرف تیری سوچ کی وجہ سے نہیں ہے۔"

وہ دن قیامت کے جیسا تھا، جس نے سکندر نانی کے مرض کی تشخیص کر کے انہیں ایک اور نئے مرض میں، عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ ٹھنڈے پسینے پھوٹ پڑے۔ ساری رات کھڑکی میں کھڑی رہیں۔ جیسے کچھ تول رہی ہوں، وزن کر رہی ہوں، بعد میں پتا چلا وہ اتنی ہلکی ہیں کہ معیار پر پوری اتریں گی ہی نہیں۔ وہ مجھے جھنجھوڑ کر نیند میں پوچھتی رہیں۔

"انوشو بیٹی! برکت دل کے اندر ہوتی ہے، دل میں ہے تو ہر ہر شے میں ہے ورنہ سارا جہان دھرتی کھنگال ڈالو، ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔"

وہ رات چکن کے پھول دار دوپٹے میں سسکیاں لے کر آنسو پونچھنے اور تڑپنے کی رات تھی۔

☆☆☆

پرانی رام گلی کی وہ حویلی اپنی حیثیت میں مکمل آج بھی وہیں کی وہیں ہے، یہی ہوتا آیا ہے حویلیاں، دیواریں، جگہیں وہیں کی وہیں کھڑی رہتی ہیں، بس انسان کھسک جاتے ہیں۔ ایک جہاں سے اور جہان......!

کھانوں کا تناسب ٹھیک ہو گیا ہے، نمک مرچ برابر ڈالا جاتا ہے، بس کبھی کبھار جان بوجھ کر کسی کی یاد میں نمک کم کر دیا جاتا ہے۔ کانچ کے برتن اکثر ٹوٹ جاتے ہیں، رشتوں میں مضبوطی آ گئی ہے، باورچی خانے کا راشن بھی جلدی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ شکورن کو ملنے والی خیرات اس گھر سے کبھی بھی ختم نہ ہوئی تھی جو آج تک جاری ہے۔

برکت بڑھ گئی ہے، مگر برکت کے آنے تک، سکندر نانی کھسک گئی ہیں، انسان جو تھیں حویلی ہوتیں یا حویلی کی کوئی دیوار تو ابھی تک یہیں ایستادہ ہوتیں۔ نیم کے پیڑ کے آس پاس، بہت چپ ہو گئی تھیں وہ، جیسے کچھ کھو دیا ہو، آنکھیں کچھ ڈھونڈنے والوں جیسی ہو گئی تھیں، سب پوچھتے پھرتے تھے۔

"اماں، کیا ڈھونڈتی ہیں؟"

"عینک ڈھونڈتی ہوں۔"

"عینک تو آپ نے پہن رکھی ہے۔"

"اوہ، اچھا۔"

منٹ منٹ بعد باورچی خانے کا چکر لگانے والی نے پھر باورچی خانے میں قدم تک نہ رکھا۔ جو ملا، جو پکا چپ کر کے کھا لیا۔ مجھے ٹوک دیتیں۔

"کھانے کے بعد شکر پڑھا کر۔" میں سر ہلا دیتی تھی۔ کبھی کبھی نمرہ کو بلا کر باتیں کرتی تھیں۔ ایسے ہی بے معنی، یونہی سی۔

"کچھ نئے اسکارف لے لیتیں، یہ سردی کا موسم ہے۔ اون والا کوئی۔"

"کبھی کچھ باہر سے کھا لیا کرو، گھر کے کھانے کے علاوہ بھی تو دل باہر کی چٹ پٹی چیز پر لپک جاتا ہے۔"

pklibrary.com

''بلقیس! بچوں کو جاپان والے چینی کے ڈنر سیٹ میں چاول نکال دے، برتن کی عمر پوری ہوجائے تو ٹوٹ جاتے ہیں۔ انسان کی عمر پوری ہوجائے تو مرجاتے ہیں۔ جیسے سب کے دلوں میں عجیب اپنائیت اور شفقت کا احساس جگا کر وہ برکت کا پہاڑہ پڑھنے والی سکندر نانی مرگئی تھیں۔

رام گلی میں ماتم چھا گیا تھا۔ شکورن بین کر کر کے روئی تھی۔

''ہائے سکندر! مجھ نمانی کی بات تو دل پر نہیں لے بیٹھیں تم۔'' دونوں دیورانیوں کا سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونا شروع ہوگیا تھا۔ جیسے ملک حاکم بغیر بے یارو مددگار ہوجاتے ہیں ویسے ہی حویلی سکندر نانی کی وفات کے بعد ہوگئی تھی۔

میں نے سب دیکھا تھا۔ اب سمجھ میں آرہا تھا زندگی، رشتے، ناتے، کیا ہوتے ہیں؟ کیوں ہوتے ہیں؟ ضروری ہیں یا اشد ضروری؟

☆☆☆

میں نے مصروف رہنے کے لیے سلائی سینٹر میں داخلہ لے لیا تھا، میرا ہاتھ صاف تھا اور ذہن اس معاملے میں زرخیز۔ جلد میں نے دھاگوں، سوئیوں کی زبان سیکھ لی تھی، جیسے یہ ہنر میں شروع سے ہی جانتی تھی مگر سب میں نے ان ہی دنوں میں سیکھا تھا، وہ بھی نمرہ کے مشورے پر، مجھے اپنے آپ پر بھروسا نہیں تھا۔ جیسے میں کوئی ایسے ہی ہوں، بے وقعت مگر انسان اپنی قیمت کہاں لگا سکتا ہے، یادام گرادے گا یا اتنے اٹھادے گا کہ خریدسے باہر..... میں برآمدے میں تخت پر سلائی مشین پر سر دیے دھاگے، نلکیاں بکھرائے بیٹھی ہوتی تھی۔ دلاور کبھی کبھی الجھ جاتا تھا۔

''تم لڑکیاں قسم سے عجیب ہوتی ہو۔''

''عجیب کیا ہوتا ہے؟''

''ناسمجھ۔''

''تم ہوناں عقل مند، بس ہمیں کافی ہو۔''

میں دھاگے کو تندتوڑتے ہوئے مسکراتی تھی۔

رام گلی کے سارے کپڑے سلائی ہونے میرے پاس آنے لگے تھے اور میں مصروف ہوگئی تھی۔ نانی کے جانے کے بعد کافی عرصہ دل کو دھڑکا لگا رہا تھا کہ کہیں شاید اہمیت نہ ملے، پرائی چھت ہے مگر شاید ہم خود بہت کچھ سوچ لیتے ہیں۔

''یہ دنیا، زندگی کاروبار ہی تو ہے جہاں محبت اور محبت سے کمایا جاتا ہے ورنہ کچھ نہیں بکے گا۔''

اجمل ماموں صبح میرے ہاتھ سے بنے بل دار پراٹھے ناشتے میں کھا کر جاتے تھے۔

گرمیوں کا سوکھا ساگ اور تندور کی روٹی بھی میرے ذمہ ہوتی تھی۔ دلاور کے کپڑوں کو نیل میں لگاتی تھی۔ نمرہ اور اس کی دوستوں کا ہر جوڑا میرے ہاتھوں سے سل کر جاتا تھا۔

یہی کچھ میں نے کمایا تھا۔ ایسے ہی ہاتھ نہیں آیا۔ بہت محنت کی، ریاضت کی تو پھر کہیں جا کر.....!

دلاور کو کلرک کی نوکری مل گئی تھی، شادی کی باتیں شروع ہوگئی تھیں۔ حویلی میں ہلچل مچی تھی۔ دلاور نے کہہ دیا تھا۔

''میں نوشین سے شادی کروں گا۔''

میں زندگی میں کبھی یہ نہیں سوچ سکتی تھی، مجھ میں تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ دل اور آنکھیں ایک ساتھ بھر آئی تھیں۔ نمرہ نے مجھے گول گول گھما دیا تھا۔

''اچھا تو اس لیے تخت سنبھال کر لوگ دھاگے سے سب کو قیدی بناتے تھے۔ آہم۔''

میں پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔ ظرف کا ماپ نہیں ہوتا، حویلی والوں کا نہیں تھا۔ میں نے ماضی میں کئی غلطیاں کی تھیں۔ وہ سب بھول گئے تھے۔

اتنا آسان ہوتا ہے کیا بھولنا؟

☆☆☆

تڑتڑاتی ہوئی بارشوں کے سلسلے شروع ہوگئے تھے، ہر طرف جل تھل ہوجاتا تھا۔ رام گلی کی گلیوں میں پانی کی نہریں چل پڑتی تھیں۔

یہاں صرف باہر نہیں اندر بھی بارش تھی۔

میں نے مامی بلقیس کو پکڑ لیا تھا۔

''مامی! ایسے کیسے؟ آپ جانتی ہیں، میں کیسی ہوں۔ کوڑھ مغز ہوں۔ پھر نانی اور میں نے.....'' میرا لہجہ رندھ گیا تھا۔ بارشوں میں پھر سے حویلی کی چٹخنیاں کھل گئی تھیں، پھوار اندر آ گئی تھی۔

''سب بھول جاؤ نوشین.....! سب کچھ میں دلاور کی ماں ہوں اور اپنے بیٹے کی پسند میں خوش بھی ہوں میں نے پرکھا ہے تمہیں، تول چکی ہوں۔ مطمئن ہوں۔ ماضی میں کیا ہوا۔ تم سب بھول جاؤ۔''

میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی رہی تھی۔ شام تک بارش برستی رہی، نیم کی کئی ٹہنیاں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ میں نے بادلوں بھرے آسمان کو دیکھا، جہاں دور، ہاتھ کے اشارے کے پاس کہیں سکندر نانی آج بھی مجھے دیکھتی تھیں۔

''نانی! دیکھیں سب بدل گیا ہے۔ آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کی کمی محسوس کی جاتی ہے، آپ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ جمعراتوں کو پیٹھے کے حلوے کا درود آپ کو پہنچتا تو ہوگا۔ برکت پڑ گئی ہے رام گلی کی اس حویلی میں۔ آپ ہمیشہ برکت کے کم ہونے کی پریشانی میں مبتلا ہیں مگر آج کاش آپ دیکھتیں برکت دلوں میں بھر گئی ہے، باورچی خانے کے رزق میں، رشتوں میں، دلوں میں۔ مجھے لگا ہم سب وقت کھو کر ہی قدر پاتے ہیں مگر ہر بار ایسا بھی تو نہیں ہوتا ناں، نہیں ہوا اس بار نہیں ہوا۔

میری شادی کے دن رکھے جا چکے تھے، باورچی خانے کے کام نمرہ نے اپنے ذمے لیے تھے۔ میں آرام کر رہی تھی، بری تیار ہو چکی تھی۔

نمرہ نے آلو کے چپس بناتے ہوئے ہاتھ جلا لیا تھا اور میں برنال لگاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''یہ وہی لڑکی ہے جس کے بازو پر فرائنگ پین الٹ گیا تھا تو مجھے رتی برابر بھی پروا نہ ہوئی تھی مگر آج اس کی ذرا سی تکلیف پر میری جان نکال رہی ہے، میں نے یہی تو کمایا ہے میری عمر بھر کی کمائی شاید یہی رشتے ہوں۔''

☆☆☆

شادی کے بعد میں نے اور دلاور نے وہ سیڑھیاں سنبھال لی تھیں جہاں کسی زمانے میں ممانی رضیہ اور ممانی بلقیس بیٹھا کرتی تھیں۔

میں اپنے شوہر سے ہمیشہ ایک ہی سوال کرتی تھی۔ آج بھی پوچھ بیٹھی۔

''مجھے لگتا تھا، آپ مجھے پسند نہیں کرتے، پھر اچانک یہ محبت؟''

وہ میری چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے مسکرایا۔

''ہاں، تم مجھے نہیں پسند تھیں۔ تمہاری وجہ سے امی، چچی اور دادی کی جنگیں ہوتی تھیں۔ مجھے اس طرح کے ماحول سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ تم بھی اس ماحول کی ذمہ دار تھیں۔ پھر نانی کے بعد میں نے تمہیں عجیب حال میں دیکھا۔ تم سب سے زیادہ دادی سے اٹیچ تھیں۔ ان کے جانے کے بعد تم غائب دماغی سے برآمدوں میں چپ چاپ پھرا کرتی تھیں، تمہیں متوجہ کرنے کو تین بار سوال دہرانا پڑتا تھا۔ عجیب خوف ہوتا تھا تمہارے چہرے پر وہ اداسی، وہ خوف میرے دل کو پگھلا گیا اور پھر.....''

''پھر کیا؟''

''پھر یہ کہ تم نے برآمدے کے تخت پر دھاگوں میں مجھے الجھانا شروع کر دیا، اور ایک دن مجھ پر انکشاف ہوا کہ دھاگے سلجھاتے سلجھاتے میرا دل کہیں الجھ گیا ہے، یہیں سے میری محبت شروع ہوئی۔''

تیرہ کا چاند آسمان کے وسط میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اور میں مسکراتی ہوئی ہاتھوں کو پھیلائے بیٹھی سوچ رہی تھی۔

''برکتوں کے آنے کے کئی راستے ہیں ایک راستہ محبت بھی ہے جو میرے حصے میں آیا ہے۔''

☆

pklibrary.com

سے الجھنے کے بجائے زن سے بائیک اڑا کر لے گئی تھی۔

"دیکھا بھائی کا رعب..... کیسے بھیگی بلی بن کر بھاگ گئی سالی۔"

بشیر نے فرضی کالر اکڑائے۔ حامد نے تائید میں سر ہلایا تھا جبکہ طلحہ پرسوچ نظروں سے اسی جانب دیکھ رہا تھا، جس طرف وہ گئی تھی۔ اسی اثنا میں ثاقب بھی کسی کونے سے نکل کر آ گیا تھا۔

"یہ آج سورج کدھر سے نکلا ہے کہ پھولن دیوی کسی کا سر پھاڑے بنا ہی نکل لی۔ وہ بھی اس کا جو اس کو سیٹی بھی مارے اور چھیڑے بھی۔"

اس نے اپنا کان سہلاتے ہوئے حیرت سے کہا تھا کہ کل والا پنچ کھانے کے بعد دو ڈبل یونسٹان بھی کھائیں پھر بھی اندر ہی اندر کہیں دماغ دہائی دے رہا تھا۔

"دیکھ لے پھر..... تو ہی نہیں مان رہا تھا، اپنے یار کی طاقت کو۔ اگر وہ تیری کچھ لگتی پھولن دیوی ہے تو ہم بھی چار لوگوں پر رعب رکھتے ہیں۔" بشیر نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ابے چل بے! تیرا مرحوم ابا بھی قبر سے اٹھ کے آ کھڑا ہو تو اس کی ایک چھیڑ سے دوبارہ قبر میں جا کے پناہ لے۔ بڑا آیا رعب والا....." ثاقب نے کان سے مکھی اڑائی۔

"ثاقب صحیح کہہ رہا ہے۔ میرا کبھی ٹاکرا نہیں ہوا، لیکن اماں بتا رہی تھی کہ کیسے اس نے شیخ کے سر پر بڑی اسٹیل کی بالٹی دے ماری تھی اور ضرورت پڑنے

مکمل ناول

pklibrary.com

أُمِّ ایمان قاضی

متاع

pklibrary.com

"آ رہی ہے...... آ رہی ہے......"

ثاقب نے جوش سے کہا۔

"اچھا میں چلا، تم لوگ جانو اور تمہارا کام......"

ثاقب کو کل پڑنے والا گھونسا ابھی بھولا نہیں تھا، سو وہ ان تینوں کو تحریک دیتا خود وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا۔

"دیکھ لو...... مروا نہ دینا۔ سنا ہے خاصی ہاتھ چھٹ لڑکی ہے۔ جو بھی ہاتھ میں آئے، دے مارتی ہے۔ انجام کی پروا کیے بغیر اور زبان کے تو کیا ہی کہنے۔"

طلحہ جو اگلی گلی کا تھا، اس کو متاع کے کارناموں کی اچھی خاصی سن گن تھی۔ اگرچہ اس کا سامنا اس سے آج تک نہ ہو سکا تھا، سو ذرا سا گھبرایا ہوا تھا۔

"ابے چل، ہے تو لڑکی ہی ناں...... دیکھ لیتے ہیں آج کہ کتنی ہتھ چھٹ ہے۔ ہم نے بھی ہاتھ میں چوڑیاں نہیں پہنی ہوئیں۔"

بشیر نے پہلے طلحہ کو لتاڑا پھر آنکھ مار کر اسی طرف نظریں جمائیں، جہاں سے اب اس کی چھپٹی نمودار ہو چکی تھی۔ اس کی گھرک پر طلحہ بھی سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور اس کے نزدیک آنے پر ایک نے زوردار سیٹی بجائی تھی تو باقی دو نے بے ہودہ فقرے کسے تھے اور حسب توقع اس کی چھپٹی ان تینوں کے پاس رکی تھی۔ تینوں کی معنی خیز مسکراہٹ بے ساختہ تھی اور آنکھ کا اشارہ بھی مگر یہ کیا خلاف معمول وہ رکنے یا ان

پر ہاتھ اور پاؤں کا استعمال بھی بڑی آسانی سے کر لیتی ہے۔ جوڈو کراٹے کی ماہر ہے، ساتھ ہی جی دار بھی۔" طلحہ نے سنسنی پھیلاتے ہوئے کہا تو ثاقب کا ہاتھ ایک بار پھر کان پر جا رکا۔

"میں تو کہتا ہوں چھوڑو، یہ بھی کوئی تھرل ہوا۔ لڑکی کو چھیڑو، سیٹیاں مارو..... یہ تو گلی کے چھوٹے موٹے لفنگوں کے کام ہیں۔ کوئی مردوں والا کام ڈھونڈو، جس کو کر کے مزا بھی آئے اور یہ آج کا کا کدھر ہے۔ سگریٹ لانے تھے اس نے، دو دن سے گم ہے۔ فون ملا کر دو اس کو۔"

گروپ کا تیسرا فریق جسے ثاقب کا پھیلایا کھڑاک ذرا مزا نہ دے رہا تھا۔ منہ بنا کر بولا۔

"نہ بھئی، اب تو جب تک پھولن دیوی کو مزا نہیں چکھا لیتے، ہم تو کسی اور کام میں ہاتھ نہیں ڈالنے والے۔ میں بھی تو دیکھوں کتنی جی دار ہے، اس چھٹانک بھر کی لڑکی کہ جس کے سامنے بھی نام لو، کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔" ثاقب نے ایک عزم سے کہا۔

"اور یہ لے مر، یہ سگریٹ پی اور مرد بن مرد..... یہ لڑکیوں والے کام لڑکیوں کے لیے رکھ چھوڑ کہ یہ کریں گے تو وہ نہ ہو جائے۔ وہ کریں گے تو یہ نہ ہو جائے۔ کا کا راستے میں تھا، جب اس کو فون لگایا تھا، ابھی آتا ہی ہوگا۔"

ثاقب نے جیب سے سگریٹ نکال کر حامد کی طرف بڑھایا جسے اس نے فوراً ہی جھپٹ لیا۔

"ادھر مجھے بھی دے ایک۔ صبح والا تو باتھ روم میں چھپ کر پیا، باہر اماں دروازہ ہی دھڑ دھڑائے گئی۔ خاک مزا آنا تھا۔" بشیر نے بے زاری سے کہا۔

"چلو پھر فلم کا ہی پروگرام بنا لو آج..... یا ساری زندگی یہیں کھڑے کھڑے گزار دینی ہے اب۔" طلحہ نے بے زاری شکل بنائی۔

"چل پھر کہیں سے اڑا لیتے ہیں کچھ مال تو، فلم کے ساتھ کچھ ہلا گلا بھی ہو جائے تو مزا ہی آ جائے۔"

ثاقب آگے بڑھتا ہوا بولا۔ تینوں سر ہلاتے ہوئے اگلا پروگرام ترتیب دیتے اس تاریک گلی سے اوجھل ہو گئے۔

☆☆☆

"واہ بھئی، آج تو اچھی رونق لگی ہوئی ہے گھر میں۔ اماں! مجھے بتا دیتیں کہ رابعہ آئی ہے، تو کچھ لیتا ہوا آتا، اس کی اور بچوں کی پسند کا۔"

سلام کے بعد وہ دونوں شرارتی بھانجوں کو پیار کرتا ہوا وہیں بہن کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"سدرہ! بھائی کے لیے پانی لاؤ۔"

رقیہ نے کچن میں سلاد کے لیے سبزیاں کاٹتی دوسری بیٹی کو مخاطب کیا اور پھر بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اس کی اور تمہاری پسند کا سب گھر میں ہی بنا لیا۔ بس اب تمہارا ہی انتظار تھا، منہ ہاتھ دھو لو تو کھانا لگا دیتی ہوں۔" رقیہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اور کھانے کے بعد میرے حضور پیشی دینی ہے آپ جناب نے۔ ایک بہت ضروری اور خاص مقصد کے لیے آئی ہوں میں آج۔" رابعہ نے فرید کو دیکھ کر بڑی بہنوں والے رعب سے کہا۔

"ارے باپ رے۔ آج تو یوں کا رخ مجھ غریب کی طرف کیوں ہو گیا؟ کیا غلطی ہو گئی مجھ سے۔" وہ مذاق کرتے ہوئے بولا۔

"کھانا کھا لو پھر بات کرتے ہیں۔"

رابعہ سنجیدگی سے بولی۔ فرید کندھے اچکاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ان تکوں میں تیل نہیں ہے باجی! امی ہر چارہ آزما چکیں۔ فرید بھائی نے اب نہیں ہاتھ آنا آپ لوگوں کے۔"

ٹی وی دیکھتا محب لاپروائی سے بولا کہ وہ کافی دیر سے یہیں بیٹھا ماں بہنوں کے پروگرامز اور منصوبے سن رہا تھا جو فرید کو شادی پر آمادہ کرنے کے لیے تھے۔

pklibrary.com

"تم چپ رہو۔ تم سے جب مشورہ مانگیں تب ہی دینا۔" رابعہ نے اسے جھاڑ کر رکھ دیا۔

"کھانا ہی لگوادیں اماں! پیٹ میں چوہوں نے اب کرکٹ چھوڑ کر ہاکی میچ شروع کر رکھا ہے۔"

"توبہ..... میرے اللہ توبہ ہے اس لڑکے کے چٹورپن سے۔ پانچ کباب تو میرے سامنے منٹ میں اڑا لیے اس نے۔ فروٹ چاٹ کی فل سائز پلیٹ اور دو گلاس....."

"اچھا اچھا۔ کتنی بار کہا ہے کہ کھانے پینے پر مت ٹوکا کرو کسی کو اور نہ لڑا کرو اس بات پر۔"

ابھی ابھی اندر آئی سدرہ کو رقیہ نے فوراً ٹوک دیا ورنہ ابھی گھمسان کا رن پڑنے ہی والا تھا کہ ان کے ان دو جڑواں بچوں میں جتنا پیار تھا، لڑائی بھی اسی شدت کی ہوتی تھی اور دن میں کئی بار ہوتی تھی۔

"میں یہاں ایک اہم مسئلہ لے کر آئی ہوں اور یہاں ان کی لڑائیاں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔"

"تو آپا! اپنے مسائل اپنے گھر میں سلجھائیں ناں، اپنے میاں کے ساتھ مل کر۔ یہاں ہمارے مسائل کم ہیں حل طلب..... کیوں سدرہ!"

محبّ کی بات پر رابعہ نے شاکی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"محبّ! اٹھ رہا ہے بہن کی مدد کروانے کو کہ میں اٹھاؤں جوتا۔"

رقیہ کا جوتے کی طرف ہاتھ بڑھتے دیکھ کر وہ شرافت سے اٹھ کر کچن میں سدرہ کی مدد کو آ گیا۔ لمحوں میں ہی دونوں بہن بھائی شیر و شکر بنے کھانے کی میز سیٹ کرتے ہوئے آپس میں باتوں میں مگن تھے۔

☆☆☆

ڈیوڑھی میں موٹر سائیکل کھڑی کرنے کے بعد ہیلمٹ اتارتی جیسے ہی وہ اندر آئی، ٹھٹک کر رک گئی۔

سامنے ہی سپنا اور سفیر موجود تھے۔ اشیاء کا ڈھیر ان کے سامنے ٹیبل پر دھرا تھا جو یقیناً وہی دونوں لائے تھے اور ان کے سامنے قدرے بہتر حالت میں بیٹھی ہوئی صالحہ جن کو ٹھیک دیکھ کر اس کے حلق سے بے ساختہ طویل سانس نکلی تھی۔

"آؤ ناں متاع! کیسی ہو؟ کب سے انتظار کر رہے تھے تمہارا؟" سفیر کا لگاوٹ سے کہنا ہمیشہ کی طرح اسے بہت برا لگا تھا۔ اس کو جواب دیے بغیر وہ صالحہ کی طرف آ گئی۔

"میں ڈر گئی تھی کہ خدانا خواستہ آپ کی طبیعت تو خراب نہیں جو اتنی ایمرجنسی میں آپ مجھے بلا رہی ہیں۔ چند ضروری کام تو آج کی ڈیٹ میں ہی نمٹانے تھے مجھے۔ بائیک گڑبڑ کر رہی ہے، اس کی سروس کرانی تھی اور کسی سے حساب کتاب برابر کرنا تھا..... جو میں نے آپ کی حالت کا سوچ کر باقی آئندہ پر رکھ چھوڑا۔" آخری جملہ اس نے دل میں ادا کیا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ فصل غم کا گوشوارہ — رضیہ جمیل — قیمت: -/300 روپے

☆ زرد موسم — راحت جبیں — قیمت: -/1000 روپے

☆ حساب دل رہنے دو — نبیلہ عزیز — قیمت: -/400 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

صالحہ کچھ شرمندہ سی ہوگئیں۔

"ہاں مجھے بتانا چاہیے تھا کہ میں اپنی وجہ سے نہیں، سپنا کی وجہ سے تمہیں بلا رہی ہوں۔ وہ اتنے دن بعد آئی ہے تو خوشی میں کچھ سوجھا ہی نہیں۔"

"چلیں، کوئی بات نہیں۔ دوائی لی آپ نے۔"

"لو، ہم اس مہارانی کی محبت میں سفر کی تھکان تک بھول کر چلے آئے اور یہاں میڈم کے منہ کے زاویے ہی درست نہیں ہو رہے کہ اس پکچر دفتر سے کیوں بلوالیا جہاں دس دس گھنٹے خون چوسنے جتنا کام اور مشقت لے کر مہینے کے آخر چند ہزار پکڑا دیتے ہیں۔ ارے کتنی بار کہا ہے کہ سفیر کے دفتر میں کام دلوا دیتی ہوں، مگر ناں..... نجانے کون سی انا کا پرچم ہے جو بہن کے شوہر کے پاس کام کرنے سے سرنگوں ہو جائے گا اس کا۔" سپنا کا اپنا انداز اور اپنی ہی باتیں تھیں۔

"کیسی ہو تم؟"

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں پوچھا گیا اس کا سوال سپنا کو چپ کرا گیا تھا۔

"ٹھیک ٹھاک۔ خوش باش۔ ہمیشہ کی طرح۔ دبئی گئی ہوئی تھی پندرہ دن کے لیے، یہ دیکھو تمہارے لیے کتنی شاپنگ کی ہے میں نے اور سفیر نے اور سچ پوچھو تو سفیر مجھ سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہے۔ مجھ سے بڑھ کر اس نے دلچسپی لی تمہاری شاپنگ میں۔ ڈھیروں ڈھیر چیزیں خرید ڈالیں تمہارے لیے۔"

پاس رکھے شاپنگ بیگز کھول کر سپنا مختلف برانڈز کے پرفیومز، سوٹ، کاسمیٹکس باہر نکال کر رکھنے لگی۔

"ان کو واپس رکھ دو سپنا! اور ساتھ ہی لے جانا۔ میں نے آج تک یہ سب استعمال کیا ہے نہ ہی دلچسپی ہے اس سب میں مجھے۔ تمہاری محبت کا بہت شکریہ، باقی خونی رشتوں کے علاوہ کی محبتیں مجھے الرجی بھی کرتی ہیں اور بدہضمی بھی۔ اس لیے سفیر بھائی کی ان محبتوں اور چیزوں کی حق دار ان کی بیوہ بہن ہیں جو تین بچوں کے ساتھ کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں اور انہوں نے ایک عرصہ ہوا ان کی ضروریات پوری کرنا تو ایک طرف، ان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

سفیر اس کے جواب پر بغلیں جھانکنے لگا تو سپنا نے شاکی ہو کر کہا۔

"دیکھ رہی ہیں اماں! یہ قدر ہے اس کے دل میں بہن اور بہنوئی کی۔"

صالحہ بے چاری کیا کہتیں۔ بے چارگی سے کبھی ایک بیٹی کو دیکھتیں تو کبھی دوسری کو۔

"اور یہ رنگ برنگے کھانے نہ ہم افورڈ کر سکتے ہیں نہ ہی ہماری صحت ان کو کھانے کی اجازت دیتی ہے۔ اس لیے آپ دونوں کھانا شروع کیجیے، میں روٹی ڈالنے جا رہی ہوں۔ کل کے بچے شوربے کے ساتھ اماں اور میں وہی کھالیں گے۔ اگر کہو تو تمہارے لیے بھی تازہ روٹی لے آؤں۔"

بہن کے مقابلے میں اس کا لہجہ بالکل سادہ تھا۔

"بس جی، بہت ہوگئی بے عزتی۔ چلیں، گھر چلتے ہیں۔"

سپنا تڑپ کر کھڑی ہوگئی۔ سفیر نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔

"بھئی بچی ہے ہماری اور اس کی عادت کا تمہیں پتا ہے پھر بھی ہر بات پر ناراض ہو کر کھڑی ہو جاتی ہو۔ بھئی متاع! ہم کھانا شروع کر رہے ہیں، تم تازہ روٹی بھی ڈال لو ہمارے لیے۔ گھر کی روٹی کا تو کیا ہی مزا ہے اور وہ بھی متاع رانی کے ہاتھ کی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں سفیر میاں!"

صالحہ نے کہا تو سپنا سر جھٹک کر رہ گئی جبکہ وہ کندھے اچکا کر باہر آ گئی۔

"کاش میں اس شخص کا بھی سر توڑ سکتی۔"

کمرے کے باہر آتے ہوئے اس نے سوچا اور برآمدے میں ایک طرف بنے چھوٹے سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

"دیکھو میرے بھائی! میرے چاند! پانچوں

انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔" رابعہ کا انداز التجا کا سا تھا۔
"لیکن آپا! تجربہ کیجیے گا کہ جب مٹھی بند کرو تو چار تو ایک جیسی ہی دکھتی ہیں۔" محبت کی زبان پر مچلی ہوئی۔ ابھی آگے بھی کچھ بولنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ رقیہ بیگم کی گھرکی پر چپ ہو کر دبک گیا۔
"تم لوگوں کی محبت پر مجھے کوئی شک نہیں ہے رابعہ! لیکن زندگی جیسی انمول نعمت انسان کو ایک بار ملتی ہے اور شریف آدمی شادی بھی ایک بار ہی کرتا ہے اور کم از کم اپنی زندگی کا یہ ایک فیصلہ میں خوب دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کرنا چاہتا ہوں..... اور میری تو کوئی مشکل ڈیمانڈ بھی نہیں ہے، نہ مجھے خوب صورتی کی چاہ ہے نہ میں کوالیفائیڈ لڑکی کا تقاضا کرتا ہوں۔ مجھے صرف ایک سادہ اور نیک سیرت لڑکی کی تلاش ہے، جیسے ہی میں کسی کی طرف سے مطمئن ہوا آپ کو بتادوں گا۔"
"ہاں تو رومی بھی ایک شریف، نیک سیرت لڑکی ہے۔ گھر سے باہر کبھی قدم نہیں نکالا۔ تم ایک بار دیکھ تو لو..... میری نند کی بیٹی ہے۔ اس کی شرافت کی گواہی میں خود دیتی ہوں۔" رابعہ پرجوش ہو کر بولی۔
"سائرہ بھی ان کے جیٹھ کی بیٹی تھی بھائی! جن کی شرافت کی گواہی پورا زمانہ دیتا تھا اور انہوں نے گھر تو کیا کمرے سے بھی قدم باہر نہیں نکالا تھا۔"
"اس..... اس قصے کو نکالیں یہاں سے، پھر ہی میں بات کرسکوں گی۔ انسان ہوں میں بھی۔ ہوگئی غلطی لڑکی کو پرکھنے میں۔ بار بار تو ایسا نہیں ہوگا ناں، اور میں کوئی دشمن تھوڑی ہوں اپنے بھائی کی۔"
آخر کار رابعہ رو ہی پڑی تھی۔ محبت فوراً بھاگ کر ان کے پاس آیا تھا۔
"یہی بات تو میں اور بھائی آپ کو سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ ایک اسی واقعے نے بھائی کا دل دنیا کی تمام لڑکیوں کی طرف سے کھٹا کر دیا ہے۔ اس لیے ابھی اس قصے کو کچھ دنوں کے لیے ٹھپ کردیں۔ کبھی دیور تو کبھی نند کی لڑکیوں کا بار بار ذکر ان کو برگشتہ کر رہا ہے۔ ایک لڑکی آپ کے گھر کی لڑکی ہے، سامنے کی پلی بڑھی..... شادی سے صرف دو ماہ پہلے اس کے پچھلے افیئر کے ثبوت بمع تصاویر اور میسجز کے بھائی کو اچانک اپنے دوست کے سیل سے ملتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ ایک انسانی دماغ کے مالک ہیں، کوئی روبوٹ تو نہیں کہ سوچ دبا کر سب کچھ بھول جائیں اور شکر کریں کہ اب انہوں نے یہ بھاری ذمہ داری آپ کے نازک کندھوں سے ہٹا کر خود لے لی ہے تو ان کو کچھ ٹائم تو دیں ناں۔" وہ بی ایس آنرز فرسٹ پارٹ کا اسٹوڈنٹ اپنی عمر سے بہت گہری سوچ رکھتا تھا۔ فرید کو آج اندازہ ہوا تھا اس نے تشکرانہ انداز سے بھائی کو دیکھا۔
"اچھا تو ہمیں وقت بتادے کہ کب تک یہ لڑکی پسند کرلے گا۔ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں بھابھی لے کر آنے کے۔" رابعہ سوں سوں کرتی ہوئی بولی۔
"سال، ڈیڑھ سال..... کم از کم۔" فرید نے اکتائے ہوئے کہا۔
"سال..... ڈیڑھ سال....." رابعہ کے منہ سے چیخ کے مشابہہ آواز نکلی۔
"اچھا چلیں، بارہ، تیرہ ماہ....."
"ٹھیک ہے۔ ہیں کیا کہا..... بارہ تیرہ ماہ؟" رابعہ نے پہلے اثبات میں جواب دیا پھر ایک دم چونک گئی۔
"اچھا بس ڈن۔ آج بارہ مئی ہے، اگلے سال کی بارہ مئی تک اگر بھائی کی مطلوبہ لڑکی نہ ملی تو آپ کو اجازت ہے کہ آپ دیور، نند، جیٹھ جس کی چاہے بیٹی کو ان کے پلے باندھ دیں۔"
محبت نے معاملہ مکایا۔
"ٹھیک ہے ناں یا لکھ کر دستخط کراؤں؟"
رابعہ نے سرخ ناک چڑھا کر بھائی سے پوچھا۔
"ڈن....."
فرید جان چھوٹ جانے پر دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

pklibrary.com

"ہونہہ۔ بلی نو سو چوہے کھا کر حج کو چلی۔"

ہاجرہ نے سبزیوں والے تھیلے کو صحن میں پڑی میز پر رکھا۔ ستارہ جو ہاشم سے بات کرنے میں مگن تھی، نے جلدی سے موبائل اپنے پیچھے چھپایا۔

"اف، یہ گیٹ کیسے کھلا رہ گیا۔"

دل ہی دل میں خود کو کوستے اس نے اندازے سے ہی موبائل کا آف بٹن دبایا۔

"کیا ہوا؟ کس کا ذکر کر رہی ہیں؟"

اس سے پہلے کہ ہاجرہ کی نظر اس کی اڑی رنگت پر پڑتی، اس نے خود ہی سوال جڑ دیا۔

"ارے وہی کم بخت سینا۔ کیسے ماں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس فلم والے کے ساتھ بھاگ گئی۔ آج بڑے ٹھسے سے گاڑی میں بیٹھ کر ایسے آنے جانے لگی ہے جیسے کوئی کارنامہ ہی تو انجام دیا ہو اس نے..... مگر میں تجھی کیوں دل جلانے بیٹھ جاتی ہوں۔ ارے کیسے بھول جاتی ہوں کہ جیسی ماں ویسی بیٹیاں..... ماں نے بھی تو کیسے سیدھے سادے نقی کو پھنسا لیا تھا۔ ہیروں جیسی میری بہن کو ٹھکرا کر کوئلوں کی کان اٹھا لائے۔"

"خیر اماں! ایسا بھی نہیں ہے۔ صالحہ بیگم تو اس عمر میں بھی دور سے جگمگاتی نظر آتی ہیں۔ وہ کہاں سے کوئلے کی کان ہو گئیں۔"

کچھ بھی تھا، ستارہ کو صالحہ اور اس کی بیٹیوں کی خوب صورتی بڑی کھلتی تھی۔

اس نے سبزی کا تھیلا اٹھا کر مہارت سے آف موبائل بھی اسی میں ڈالا اور تھیلا اٹھا کر کچن میں جانے لگی۔

"ہاں، بس ظاہر ہی جگمگاتا تھا اور ظاہر پر ہی زمانہ مرتا ہے۔ اندر کی کالک کون دیکھتا ہے اور بداعمالیوں کی سیاہی۔ نقی بھی تو ظاہر پر ہی مرمٹے تھے، تب ہی کیچڑ میں جا گرے۔"

تیئس سال گزر جانے کے بعد بھی ہاجرہ کا اپنی بہن کو دیورانی نہ بنا سکنے کا خواب ویسا ہی تازہ تھا۔

"اور چھوٹی تو بڑی سے چار قدم آگے ہے۔ ہائے میرے نقی کی روح بھی قبر میں ایسے ہی تڑپتی ہوگی، جیسے ہمارے کلیجے جلتے ہیں ان کم بختوں کے کرتوت دیکھ کر۔"

ستارہ چونکہ ان باتوں کی عادی تھی سو دھیان دیے بغیر سبزی کو ٹھکانے لگانے جا چکی تھی۔ ساتھ میں موبائل بھی جس کی موجودگی سے ہاجرہ لاعلم تھیں۔

"ثاقب آیا تھا؟"

انہوں نے چادر اتار کر تہ کرتے ہوئے کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"ہاں، پل کی پل کو آئے اور کہا کہ کھانا دے دو پھر دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کے لیے کسی دوست کے گھر جانا ہے۔ امتحان نزدیک ہے۔"

"اچھا اچھا۔ اللہ کامیاب کرے میرے بچے کو۔ کھانا تو اچھے سے کھایا ناں اس نے۔"

"جی جی۔ کھا لیا تھا کھانا۔ جاتے ہوئے پیٹرول ڈلوانے کے لیے تین سو لے گئے مجھ سے کہ اماں سے لے لینا۔"

"ٹھیک ہے، لے لینا اور ہانڈی کے لیے سبزی کاٹ لو، میں ذرا کمر سیدھی کر لوں۔" چادر اٹھائی ہاجرہ اندر کو بڑھ گئیں۔

☆☆☆

"ٹرانسفر..... اتنی اچانک اور وہ بھی دوسرے شہر۔"

رقیہ حیرانی سے بولی تھیں۔ فرید نے آج آ کر بتایا تھا کہ اس کا ٹرانسفر دوسرے شہر کی برانچ میں کر دیا گیا ہے۔ اب اسے تین دن کے اندر اندر وہاں جا کر جوائن کرنا تھا۔

"ہاں اماں! اس میں بھلا اتنی حیرت والی کون سی بات ہے۔ اب نوکری کرنی ہے تو اس کے تقاضے بھی تو نبھانے ہوں گے ناں۔"

"اس لیے تو کہتی تھی کہ شادی ہوئی ہوتی تو مسئلہ ہی کوئی نہیں تھا۔ بیوی کو ساتھ لے جاتے، پھر میں بھی تمہاری طرف سے بے فکر رہتی۔ تمہیں تو بازار کے کھانے بھی سوٹ نہیں کرتے۔" رقیہ پریشانی سے

pklibrary.com

بولیں۔
''شادی ابھی قسمت میں نہیں تھی اماں! اس لیے اس قصے کو کچھ عرصے کے لیے بھول جائیں اور میرا سامان پیک کرنا شروع کریں۔''
''گڈ آئیڈیا۔'' محب نے کچھ سوچ کر چٹکی بجائی۔
''بھائی! آپ کچھ دن خالہ کے گھر چلے جائیں۔ وہ بھی تو اسی شہر میں ہیں، پھر آرام سے حالات اور واقعات کے مطابق کوئی بندوبست کر لیجیے گا رہنے کا بھی۔''
''یہ زندگی میں پہلی بار عقل کی بات کی ہے اس لڑکے نے۔ میں تو تمہارے ٹرانسفر کا سن کر اتنی پریشان ہوئی کہ بھول ہی بیٹھی کہ وہاں کسی غیر کا نہیں تمہاری اپنی سگی خالہ کا گھر ہے۔ پھر کیسی پریشانی اور کچھ دن کیوں...... یہ وہیں رہے گا۔'' رقیہ جوش سے بولیں۔
''بالکل بھی نہیں۔ آپ کو پتا بھی ہے میری نیچر کا۔ میں کسی بھی جگہ آسانی سے ایڈجسٹ نہیں کر سکتا۔ چاہے سگی خالہ کا گھر کیوں نہ ہو۔ ایک آدھ دفعہ ملنے چلے جانا اور بات ہے مگر مستقل رہنا...... یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ حتمی انداز میں بولا۔
''اماں! خالہ کے گھر کو آپ کا سسرال بنانے کے چکر میں ہیں اور آپ وہاں رہنے سے انکار کر رہے ہیں۔'' محب کی زبان پھسلی۔
''کیا مطلب اماں! جب ایک بار بات طے ہو چکی کہ اب یہ موضوع نہیں دہرایا جائے گا، نہ ہی ایسا کچھ کیا جائے گا تو اس بات کا مطلب؟''
وہ اچھی خاصی خفگی سے بولا۔ رقیہ نے رخ محب کی طرف موڑا تھا۔
''تم بی جمالو کے کچھ لگتے، وہ تو میں نے ایک بات کی تھی بس اور ارادہ بھی تمہاری خالہ کا تھا، میرا نہیں۔ میں نے اس کو کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا اور یہاں تم نے رائی کا پورا پہاڑ بنا دیا۔''
''چلیں...... رائی تو تھی ناں...... اب مجھے کیا پتا کہ اس کا پہاڑ نہیں بنانا، اچار بنانا ہے۔ رائی اچار میں ہی استعمال ہوتی ہے ناں۔''
''بس بھی کرو یار۔''
فرید نے جھلا کر محب کو ٹوکا اور بھائی کے غصے سے اس کی جان جاتی تھی، سو دبک گیا۔ رقیہ نے اس کی کلاس لینے کا ارادہ کسی اور وقت پر مؤخر کرتے ہوئے فرید کی جانب رخ موڑا۔
''تم چھوڑو اس کو اور بات سنو میری۔ تمہاری خالہ کے بس دو بچے ہیں، مختصر گھرانہ اور اوپر چوبارہ بھی خالی ہے جو عموماً کرائے پر ہوتا ہے۔ مگر ابھی خالی ہے...... سو میں اس کو کہہ دیتی ہوں کہ ابھی کرائے پر نہ دے اس چوبارے کو۔ ہم کرایہ دے دیں گے۔ یوں مجھے بھی تسلی رہے گی تمہاری طرف سے۔''
''یہ گلیاں یہ چوبارہ...... یہاں آنا نہ دوبارہ۔''
محب کے گنگنانے پر رقیہ نے ایک بار پھر اسے گھورا۔
''اب کیا ہے، گانا گانے پر بھی پابندی ہے کیا؟'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔
فرید اب کے چپ بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔
''چلو، تمہارے حوالے سے جو بات ہو چکی، ہم اس پر قائم ہیں لیکن تمہاری خالہ نے اپنے بیٹے کے لیے سدرہ کا کہا تھا۔ اب کم از کم تم اس لڑکے کو جانچ پرکھ لینا، پھر مناسب لگے گا تو سوچ لیں گے ورنہ تمہیں تو پتا ہے کہ میں سدرہ کے لیے کتنی پریشان ہوں۔ رابعہ اس عمر میں دو بچوں کی ماں بھی بن چکی تھی اور اس کے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہی نہیں آیا۔''
''کون سی عمر نکلی جا رہی ہے سدرہ کی اماں! آپ کی ان ہی باتوں سے وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے۔ بمشکل اکیس سال کی ہے وہ اور آپ کے انداز اور باتوں سے لگتا ہے جیسے وہ شادی کی عمر کراس کر چکی ہو۔'' محب پھر بیچ میں کودا۔
''محب ٹھیک کہہ رہا ہے اماں! آپ سدرہ کے سامنے اس قسم کے رونے مت رویا کریں۔ جب عمر اور وقت آئے گا تو سب ہو جائے گا۔ آپ میری

pklibrary.com

پیکنگ شروع کریں اور ابھی خالہ کو مثبت اشارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے اس حوالے سے۔"

فرید اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ تو اسی بات پر شکر ادا کر رہی تھیں کہ وہ خالہ کے گھر رہنے کے لیے مان گیا تھا، بھلے کرائے دار کے طور پر ہی سہی۔

"ویسے اماں! آپ اپنی بھانجی کے لیے مجھے کیوں پیش نہیں کرتیں۔ خالہ بھی خوش، آپ بھی اور میرا کیا ہے آپ دونوں کو خوش دیکھ کر میں بھی خوش ہولوں گا۔"

"تو ذرا ٹھہر ناں..... زمین سے اگا نہیں اور دولہا بننے کی پڑی ہے۔ ادھر آ، تجھے بناؤں میں دولہا۔"

رقیہ بیگم کو نجانے اس پر کس بات کا غصہ تھا کہ چپل ہی تو اتار لی۔

"باپ رہے..... مجھے کیا پتا، اب سدرہ اور میں ایک ہی عمر کے ہیں۔ آپ اس کے بارے میں اتنی پریشان ہیں تو میں نے سوچا کہ میں تو سدرہ سے ایک منٹ بڑا ہوں تو میرے لیے بھی اتنی ہی پریشان ہوں گی سو خود ہی رشتہ پیش کر دیا۔"

وہ جو رقیہ کا ارادہ بھانپ کر دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ کھڑکی سے منہ نکال کر بولا، رقیہ دانت پیس کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"رشتوں کی کمی نہیں ہے رقیہ کے بچوں کو۔ اس کی سسرالی فیملی میں ہر طرح کا شاندار رشتہ موجود ہے اس کے بیٹے کے لیے۔ بڑی بیٹی وہیں بیاہی ہے، مسئلہ تو تم لوگوں کا ہے۔ ایک اچھی شکل کے سوا نہ دولت، نہ جائیداد اور نہ تعلیم۔ جن چیزوں کی آج مانگ ہے، لڑکے اور لڑکی کے رشتے کے سلسلے میں۔ ایک یہ ہے تو پوری کوشش کے باوجود میٹرک سے آگے نہ پڑھ کے دیا اس نے اور تم..... چار سال سے نجانے کون سا بی اے ہے جو مکمل ہونے میں نہیں آ رہا۔"

"اب اس جذباتی تقریر کا مطلب بھی بتا دیں امی!"

ثاقب جو گھر سے نکلنے کے چکر میں تھا، ہاجرہ کے اس بے وقت کے بھاشن پر جی بھر کر بدمزا ہو کر بولا۔

"مطلب یہ کہ تمہاری خالہ سے تم دونوں کے رشتے کی بات کی تھی، اس کی بیٹی اور بیٹے کے لیے۔ ارے ایسا ہو جائے تو زندگی سنور جائے گی تم دونوں کی۔ تمہارے خالو نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے پیچھے۔ وہ اس کی اولاد کا ہی ہے اور کس کا ہے۔"

"ہم سے ہی پوچھ لیا ہوتا کہ ہم وہاں شادی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ پرانے دور گئے امی! جب بچوں سے پوچھے بغیر ان کو ناپسندیدہ کھونٹوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اب نجانے کیسے ہیں خالہ کے بچے؟ بچپن میں ہی دیکھا تھا ان کو، عجیب سے تھے۔ اکھڑے اکھڑے اور نخرے باز..... اب تو کئی گنا زیادہ ہی ہوں گے۔" ستارہ منہ پھاڑ کر بولی۔

"تم لوگوں سے بڑھ کر ہی ہیں ہر چیز میں۔ رقیہ بتاتی رہتی ہے فون پر۔ بڑا والا تو افسر ہے بینک میں۔ بیٹی بیٹا، دونوں یونی ورسٹی میں پڑھ رہے ہیں۔ اب دھیان سے کان کھول کر میری بات سنو دونوں۔ رقیہ کے بڑے بیٹے کا تبادلہ ہو گیا ہے یہاں۔ ہمارے یہاں رہے گا اوپر۔ تم ذرا اپنے یہ دوستوں اور باہر کے چکر کم کر کے گھر کو وقت دو..... اور تم نے بچے کے کھانے پینے کا ہر طرح سے خیال رکھنا ہے۔ وہ تو آنا ہی نہیں چاہتا تھا یہاں۔ بڑا شرمیلا بچہ ہے۔ میں نے اصرار کر کے بلوایا ہے اسے۔"

"خواہ مخواہ کی مصیبت۔"

ستارہ بڑبڑائی تھی تو ثاقب کا بھی موڈ کچھ اسی قسم کا تھا۔ کچھ بھی تھا، اسے اپنے دوست اور ان سے جڑی سرگرمیوں سے جدا ہونا گوارا نہیں تھا۔ اب ہاجرہ، ستارہ کو اوپر چوبارے کی صفائی کے حوالے سے بتا رہی تھیں۔

☆☆☆

pklibrary.com

''اور ہاں، ایک بہت ضروری بات جو تمہیں خاص طور پر بتانی ہے۔''

رقیہ نے، جو ابھی ابھی بہن کا فون سن کر آئی تھیں، بڑے جوش سے آ کر فرید کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھائی میچ دیکھ رہے تھے جبکہ سدرہ، رابعہ کے ساتھ بازار گئی تھی۔

''ہاجرہ کے دیور نے کسی آوارہ، بازاری عورت سے شادی کی تھی۔''

''استغفراللہ۔'' محب کے منہ سے نکلا۔

''خود تو مر کھپ گیا بے چارہ، مگر دو بیٹیاں ہیں اس عورت کی۔ اسی جیسے کرتوت اور کردار والی۔''

''مجھے کیوں بتا رہی ہیں یہ سب۔''

فرید نے ٹی وی سے بمشکل نظریں ہٹا کر بے زاری سے کہا جبکہ محب بہت دلچسپی سے رقیہ کی بات سن کر آنکھوں کو گول گول گھمائے جا رہا تھا۔

''بھائی! سن لیں ناں۔ مجھے لگتا ہے کہ بڑی انٹرسٹنگ اسٹوری ہے اور اماں کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ یہ تو اسٹوری کی ابتدا ہے، ٹوئسٹ تو اب آئے گا۔''

''یار محب! کسی وقت سیریس بھی ہو جاتا ہے بندہ۔ آن لائن کلاسز کا یہ مطلب نہیں ہے گھنٹہ دو گھنٹہ فارملیٹی پوری کر کے سارا دن فضول باتوں میں گزار دو تم۔''

''یہی تو میں کہتی ہوں سارا دن۔ اللہ بخشے تمہاری دادی کی ساری خصوصیات جیسے دگنی ہو کر اس لڑکے میں آ گئی ہیں۔ ہر بات، ہر چیز، ہر معاملے میں دخل اندازی لازمی کرنی ہے، ضرورت ہو یا نہ ہو۔'' رقیہ بھی بھری بیٹھی تھیں۔

''اچھا، وہ بات تو مکمل کریں ناں۔ خالہ کے دیور والی، میں تو آپ کے پاس ہی ہوں، میری قصیدہ گوئی کسی اور وقت کر لیجیے گا۔'' محب بے صبری سے بولا۔

''تمہاری موجودگی میں مجال ہے میری کہ کوئی بات کر لوں میں آرام سے یا کوئی کام.....'' رقیہ جل کر بولی۔

''اچھا ناں، اب بس بھی کریں۔ اب آپ دادی مرحومہ کی بہو ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں، پھر گلہ مجھ سے ہوتا ہے۔''

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ.....''

رقیہ نے کم وقت میں ہاجرہ کے دیور کی لڑکیوں، خصوصاً چھوٹی لڑکی کی ایسی ایسی خصوصیات گنوائیں کہ فرید تو بے تاثر چہرے کے ساتھ ماں کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا جبکہ محب کے تاثرات درمیان درمیان میں اس لڑکی کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ کبھی وہ بہت خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا تو کبھی بے حد متاثر ہونے کی اور آخر میں تو اس کے چہرے پر ستائش بھی تھی۔

''واہ، کمال ہے۔ اس لڑکی میں پاکستانی اور ہمسایہ سارے ممالک کی فلموں کے سارے ولن ملا کر، ان کی خصوصیات موجود ہیں تو وہ گوجرانوالہ میں کیا کر رہی ہے۔ اسے تو کسی ایکشن مووی میں کام کرنا چاہیے۔ کیوں بھائی؟'' محب جو چپ بیٹھے بیٹھے تھک چکا تھا، متاثر ہونے والے انداز میں بولا۔

''میرا سوال پھر وہی ہے اماں کہ مجھے کیوں سنا رہی ہیں آپ یہ سب۔''

فرید اب کے بے چارگی سے بولا۔

''ہائے میرے مولا! دنیا چاند پر جا پہنچی اور میری بھولی اولاد کو آج بھی ہر بات سمجھا سمجھا کر بتانی بلکہ عقل میں اتارنی پڑتی ہے۔'' رقیہ جل کر بولیں۔

''تو یہ کہ ان فتنہ لڑکیوں سے بچ کر رہنا۔''

''لاحول ولا.....''

فرید بڑبڑایا۔ موڈ اچھا خاصا خراب ہو چلا تھا اماں کی اس تاکید پر۔

''میں وہاں جاب کرنے جا رہا ہوں کہ لڑکیاں تاڑنے۔ میرا کیا تعلق بھلا خالہ کی رشتہ دار لڑکیوں سے۔'' ماتھے پر شکنیں ڈال کر پوچھا گیا۔

''تم سے نہیں ان خبیث روحوں سے ڈرتی ہے سیدھے سادے بندوں کو منٹوں میں پھنسا

pklibrary.com

ماہر ہیں وہ ماں بیٹیاں۔"

رقیہ جز بز ہو گئیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لاڈلے کو کیسے سمجھائیں۔ بہن سے اس کی دیورانی اور ان کی بیٹیوں کے قصے اکثر ہی سنتی رہتی تھیں۔ یہ نہیں پتا تھا کہ وہ تو بہن کے پڑوس میں ہی آباد تھیں۔

"ویسے اماں! میں اس ٹیلنٹڈ خاتون مطلب لڑکی سے خاصا متاثر ہو چکا ہوں۔ کمال ہے، ایک ہی انسان میں اتنی خوبیاں مطلب..... (اماں کے گھورنے پر) خامیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟ اور کراٹے میں ماہر۔ بڑے بڑوں کو دھول چٹانے پر مجبور کر چکی ہے۔ واہ!" محب سر دھنتے ہوئے بولا۔

"بس بھی کرو یار! کتنی دیر سے ایک تھرڈ پرسن کو ڈسکس کر رہے ہیں ہم۔ ٹائم ویسٹ الگ ہوا سو ہوا اور غیبت جیسے گناہ کا تو کفارہ ہے ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا بیک گراؤنڈ ہے، کیا اسٹوری ہے اور کیا خاندانی چپقلش اور ہم خواہ مخواہ میں انوالو ہو رہے ہیں۔ میچ کا انٹرسٹنگ پارٹ تو گزر گیا۔ اب اٹھ کر چائے ہی پلا دو، سدرہ تو جا کر بازار کی ہو رہی۔ یہ لڑکیاں اور ان کی شاپنگ۔"

فرید نے ریموٹ ٹیبل پر رکھا اور محب سے کہا جبکہ رقیہ کا اپنی تاکید کا یہ اثر دیکھ کر مزاج برہم ہو گیا تھا۔

"تو اور کیا..... میں بھی تو یہی کہتا ہوں، اب اماں نے آج کی اپنی ساری نمازوں کا ثواب تو لکھوا دیا ناں اس لڑکی کے نام۔ ویسے اماں! خامیاں اور اوصاف تو گنوا دیے آپ نے، لگے ہاتھوں لڑکی کا نام بھی بتا دیں۔"

محب نے ماں سے مخاطب ہو کر مودبانہ انداز میں کہا۔

"خدانا خواستہ میں کیوں دینے لگی اس زمانے بھر کی آوارہ لڑکی کو اپنی نمازیں..... تم باز نہ آنا اپنی مسخرہ بازی سے۔" رقیہ برا مان گئیں۔

"آپ نہیں دیں گی، کوئی دے بھی کیسے سکتا ہے مگر یہ اصول ہے جو کائنات بنانے والے نے مقرر کیا ہے اس لیے آئندہ دھیان کیا کیجیے، خواہ مخواہ ناپسندیدہ لوگوں کے بارے میں بات کر کے اپنا دماغ کھپاؤ اور اپنی عبادات الگ ان کو دینا پڑتی ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی۔ یہ تو ایسے ہوا جیسے اپنے گھر کا سرف لے کر ہم غیروں کی غلاظت دھو دیں، اچھی مثال ہے ناں بھائی۔" محب نے فرید سے تائید چاہی۔

"محب..... محب..... یا میرے مالک!" رقیہ نے سر پکڑ لیا۔

"محب! تم جا رہے ہو یا میں خود ہی اٹھ کر چائے بنا لوں اور غیر ضروری بولنے کا بھی حساب کتاب ہے کہ ہر چیز ریکارڈ ہو رہی ہے آخرت کے لیے۔ کبھی اس بات پر بھی غور کر لینا۔"

فرید نے بہت ضبط سے کہا۔ محب شرافت سے جی کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"لیکن بھائی! اس خلائی مخلوق جیسی صفات رکھنے والی لڑکی کو دیکھنے کا خاصا اشتیاق ہو چلا ہے مجھے۔ آپ بھلے نظر مت ڈالیے گا اس پر لیکن ایک عدد تصویر لے کر واٹس ایپ کر دیجیے گا مجھے۔ خاکسار کو شدت سے انتظار رہے گا۔"

جاتے جاتے اس نے سوچ کر کہا مگر رقیہ کی چپل کی زد میں آ کر کراہ کر رہ گیا۔

"جا رہا ہوں..... ظالم عورت۔"

کمر سہلاتے ہوئے اس نے ناراضی سے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"ویسے اماں! میں گھر میں سب سے زیادہ محب کو مس کرنے والا ہوں۔ آپ کے بعد....." اس کی اداکاری پر فرید بھی مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

پوری گلی میں ہی تماشا لگ گیا تھا جب اس نے مار مار کر بشیر کا بھرکس نکال دیا تھا۔ وہ تو بشیر کی ماں کو جا کر کسی نے خبر پہنچائی تھی تو وہ ہانپتی کانپتی بیٹے کی جان بچانے آئی تھی۔ ورنہ اچھے خاصے مردوں کی بھی ہمت نہ ہوئی تھی، اس پل شیرنی بنی اس لڑکی کو روک

pklibrary.com

ہاتے جس کے دو بج ہی پڑے تھے کہ بشیر کی پکوڑا ناک سے خون کا فوارا ابل پڑا تھا۔ اب وہ گلی میں الٹا پڑا اس کے گھونسے اور لاتیں سہہ رہا تھا، ساتھ ساتھ اس کی ماں اور بہنوں کے اگلے پچھلے کارنامے جن سے پوری گلی ہی واقف تھی، ایک بار پھر سب کو تفصیل سے سننے کو ملے تھے۔ ثاقب اینڈ کمپنی بشیر کو پہلا گھونسا پڑتے ہی نو دو گیارہ ہوگئی تھی۔

''اے ناس پٹی..... کم بخت! آوارہ لڑکی! چھوڑ دے میرے بچے کو۔ کیا جان لے کر دم لے گی۔ غنڈی کہیں کی.....''

ٹوپی والا برقع سر پر ٹکائے وہ بشیر کی ماں تھی جو بیٹے کو بچانے کے لیے اس کے اوپر تقریباً گر ہی پڑی تھی ہانپتے کانپتے ہوئے۔ تب کہیں جا کر متاع نے بس کی تھی اور ناہموار سانس ٹھیک کرنے لگی۔

''ظالم کیسا حال کر دیا میرے لعل کا..... کیا بگاڑا تھا اس نے تیرا۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولیں۔

''میرا کچھ بگاڑنے والا تو آج تک کوئی مائی کا لعل پیدا ہی نہیں ہوا..... اور جو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا میں ایسا ہی حال کرتی ہوں۔ باقی جن القابات سے تم مجھے بلا رہی ہو ناں، میرے صرف القابات ہیں جو تم جیسے لوگوں کے عطا کردہ ہیں۔ تم اور تمہارے جیسے کئی لوگوں کے گھروں میں ان کی عملی چلتی پھرتی مثالیں موجود ہیں۔ اپنے لڑکے کو اپنی زبان میں سمجھا دینا ورنہ اگلی بار یہ جو ہڈیاں چھوڑ دی ہیں، یہ نہیں بچیں گی۔ اور جو بات میں نے اس مائی اور اس کے بیٹے کو سمجھائی ہے، وہ تم سب لوگ بھی سمجھ جاؤ تو بہتر ہے۔''

اس نے حاضرین کو مخاطب کر کے بائیک اسٹینڈ پر سے اپنا ہیلمٹ اٹھا کر پہنا اور بائیک کو زوردار کک لگا کر لمحوں میں ہی وہاں سے غائب ہوگئی۔ پیچھے وہ مائی کی بددعائیں اور لوگوں کی چہ مگوئیاں چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''تم مولوی عبد الستار کے بیٹے تقی کی صاحبزادی ہو؟'' شکایت درج کرتے ہوئے انہوں نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''جی ہاں..... بدقسمتی سے۔'' وہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں بولی۔ رپورٹ لکھتے ہوئے وہ صاحب چونک گئے۔

''بدقسمتی سے کیوں؟'' ان کا قلم ذرا کی ذرا رکا تھا۔

''کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''ہمم..... بقول تمہارے وہ لڑکے تمہیں کافی دنوں سے طرح طرح سے تنگ کر رہے تھے۔ تو تم آج ہی کیوں شکایت لگانے آئی ہو؟''

''وہ اس لیے کہ معاشرے کے نام نہاد شرفا جو وہاں آج کا تماشا دیکھنے کے لیے جمع تھے، انہوں نے چند لمحے بھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ ایک نہتی لڑکی جو اپنے کسی ضروری کام سے وہاں سے گزر رہی تھی، کیوں گلی کے ایک لفنگے سے نا صرف الجھ پڑی بلکہ اس پر پل بھی پڑی مگر نہیں! ان لوگوں نے وہ سوچا جو ان کو سوچنا اچھا لگا۔

پھر میں نے اس مجمع میں چہ مگوئیاں سن لی تھیں کہ وہ لوگ اب تھانے کا رخ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور میں دنیا میں اللہ کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتی، سوائے اپنی ماں کو دکھ پہنچنے کے خیال سے۔ سو اس سے پہلے کہ وہ لوگ مجھے تھانے کچہری کے چکر لگوا کر میری ماں کو دکھ پہنانے کا باعث بنیں، میں نے خود ہی ساری صورت حال آپ سے ڈسکس کرنے کا ارادہ کیا۔

آپ سے پہلے ایک صاحب تھے یہاں، سال بھر پہلے میں ان کو بھی ان لوگوں کی شکایت لکھوا چکی تھی۔ انہوں نے ان لڑکوں سے باز پرس بھی کی تھی یہاں بلوا کر۔ اب وہ تبدیل ہوگئے شاید..... یہ ان لڑکوں کے بے ہودہ کلمات کے وائس نوٹس ہیں جو میں نے ریکارڈ کیے تھے۔

اور یہ ان کے وہاں کھڑے ہونے کے مقامات

جہاں وہ رک کر مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' وہ ان کو موبائل پر ہر چیز دکھاتے اور سناتے ہوئے بول رہی تھی۔

''آپ کا اپنی والدہ کے علاوہ کوئی عزیز، رشتہ دار، کوئی مرد..... مطلب.....''

''اللہ ہے ناں سر! ہمیں کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی ان کمزور سہاروں کی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی شکایت درج کرلی ہے اور آپ یہ تصاویر اور وائس نوٹس میرے اس نمبر پر سینڈ کردیں اور میرا نمبر نوٹ کرلیں۔ کوئی مسئلہ ہو تو اب خود تھانے مت آنا، مجھے کال کردینا۔'' وہ ایک پرچی پر اپنا نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''اس عنایت کی وجہ.....'' لہجہ تلخ ہوا۔ وہ مسکرادیے۔

''کیونکہ بھلے یہاں انصاف ملتا ہے، مگر یہ جگہ لڑکیوں اور عورتوں کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ تمہیں جس قسم کے رویوں اور حالات کا سامنا ہے، وہ خاصے تلخ اور نامناسب ہیں اور ایسے بس تمہارا اس قسم کا رویہ حق بجانب بھی..... مگر بحیثیت معاشرہ اور قوم ہم جس اجتماعی بے حسی کا شکار ہیں، اس میں تمہارے ساتھ تو پھر یہ معاشرہ نرمی برت رہا ہے۔ ورنہ اس سیٹ پر بیٹھے بیٹھے مجھے ایسے دل دوز واقعات دیکھنے کو ملتے ہیں کہ روح تھرا اٹھتی ہے۔ جہاں تک تمہارے مجھ سے تحفظات ہیں تو میں تمہارے دادا ابو کا شاگرد بھی ہوں اور تمہارے ابا کی میرے ساتھ اچھی علیک سلیک بھی تھی۔ اسی حوالے سے تم میری بیٹی ہوئیں۔''

ان کے شفیق لہجے پر بھی اس کے تاثرات میں فرق نہیں آیا تھا۔ تاہم اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ پرچی اٹھالی جس پر ان کا نمبر لکھا ہوا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلتی ہوں.....''

''یہ بتاؤ، اس لڑکے کی کوئی ہڈی وڈی بھی توڑی تم نے۔'' وہ ذرا آگے جھک کر پوچھ رہے تھے۔

''وہاں بھی امی کا خیال آگیا ورنہ دو سو چھ ہڈیوں میں سے ایک بھی ٹوٹنے سے نہیں بچنی تھی۔ ہاں ناک کی ہڈی کی ضمانت نہیں دے سکتی۔'' اس کے انداز پر وہ ہنس دیے۔

''چلو جاؤ، میں دیکھ لیتا ہوں۔ اگر کوئی ایسی کمپلین آتی بھی ہے تو.....'' باہر نکلتے ہوئے اس نے آنکھوں کی سطح گیلا ہوتا محسوس کیا تھا۔

''خبردار.....! متاع تقی احمد خان..... تم عام لڑکیوں جیسی کمزور نہیں ہو۔'' اس نے خود کو ڈپٹا تھا اور پلکیں جھپک کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

خالہ کے گھر اس کا والہانہ استقبال ہوا تھا مگر نجانے کیوں اسے سب کچھ بناوٹی اور اوپرا اوپرا سا لگ رہا تھا اور بظاہر سب کچھ ٹھیک ہونے کے باوجود ثاقب اسے کھٹکا تھا۔ وہ اونچا، لمبا خوب صورت نوجوان تھا۔ بات چیت میں بھی ٹھیک لگا تھا۔ مگر فرید آسانی سے کسی چیز سے بھی مطمئن ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ ہاں ستارہ اسے کچھ بہتر لگی تھی، کم از کم اس کے انداز میں ثاقب اور خالہ کی طرف بناوٹ اور مصنوعی پن نہیں تھا۔

''اور یہ ہے ہمارا چھوٹا سا غریب خانہ، جہاں آپ نے رہنا ہے۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، پہلی سیڑھی پر سے آواز لگادیجیے گا، بندی حاضر ہوجائے گی۔''

ستارہ نے دروازہ کھول کر لائٹ آن کی تھی اور پنکھا چلا دیا تھا۔ کمرا بہت بڑا نہیں تو چھوٹا بھی نہیں تھا۔ ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس کو کھولنے سے کمرا مزید کھلا اور روشن لگ رہا تھا۔ ایک پلنگ، میز، کرسی اور ایک لکڑی کی الماری پر مشتمل وہ کمرا فرید کو مناسب لگا تھا۔ باہر چھوٹا سا برآمدہ اور اس کے ایک کونے میں واش روم بھی تھا۔ آگے چھوٹا سا صحن جس کا ٹیرس تھوڑا آگے کی طرف بنا ہوا تھا۔ چار پانچ گملے پڑے توجہ کے منتظر تھے۔

''ارے نہیں..... بہت اچھا ہے۔ پرسکون اور

pklibrary.com

صاف ستھرا...... اور میرے پیش نظر یہی دو چیزیں اہم ہیں ویسے بھی میں ان باتوں کو اہمیت دینے والا شخص نہیں ہوں۔"

اس نے اپنی عادت کے برخلاف تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"چلیں پھر ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں اب۔ آپ آرام کرلیں۔ لمبا سفر کر کے آئے ہیں، پھر کھانے پر ملتے ہیں۔" فرید اس کی آخری بات پر چونکا تھا۔

pklibrary.com

"دیکھیں ستارہ! میں بہت سادہ سا بندہ ہوں اور ان لوگوں میں شامل ہوں جو صرف جینے کے لیے کھاتے ہیں، اس لیے کسی بھی قسم کے تکلف کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں جو بھی بنا ہوگا وہ بخوشی کھالوں گا۔"

"ارے...... اب اتنے بھی غریب نہیں ہیں ہم کہ دوسرے شہر سے آئے ہوئے مہمان کی کچھ دن مہمان داری بھی نہ کرسکیں۔" وہ برا ہی تو مان گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں نے اپنی عادت کا بتایا ہے کہ میں زیادہ خوش خوراک نہیں ہوں۔"

"چلیں پھر آپ آرام کریں، بعد میں ملتے ہیں۔"

ستارہ نے مزید کچھ کہنے سے احتراز برتا اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔ فرید نے دروازے کی سائیڈ میں رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور الماری کے پٹ کھول کر اس کا جائزہ لینے لگا کہ آیا کون سی چیزیں کہاں رکھنی مناسب ہوں گی۔

☆☆☆

موبائل پر وہ آفس کی لوکیشن وغیرہ ڈسکس کر چکا تھا۔ مگر ابھی کنوینس کا مسئلہ حل طلب تھا۔ بائیک وہ محبت کے پاس چھوڑ آیا تھا کہ گھر میں بھی باہر کے کاموں کے لیے ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ سو پہلے دن تو ٹیکسی سے جانے کا ارادہ کر کے ناشتہ کیا، مگر ثاقب نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اسے اپنی بائیک آفر کی۔ جب تک اس کا کنوینس کا مسئلہ حل نہ ہوجاتا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر خالہ بھی اصرار کرنے لگیں تو اسے ماننا پڑی، ہاں آئندہ کے لیے اس نے پرتکلف ناشتے اور کھانے سے بھی منع کردیا کہ وہ اس حوالے سے بھی خود ہی مینج کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

مگر پہلا دن کچھ عجیب سے اتفاقات لیے ہوئے تھا کہ خالہ کے گھر سے بائیک نکال کر وہ گلی میں آیا تھا۔ گلی کے نکڑ پر چونکہ اسے موڑ کا اندازہ نہیں ہوا تھا سو تیزی سے چلتی بائیک کی رفتار کو جیسے ہی اس نے ہلکا کیا' پیچھے اسپیڈ سے آتی متاع کی پھٹپھٹی بری طرح سے اس کی بائیک سے ٹکرائی اور وہ دونوں اچھل کر نیچے پکے فرش پر گرے۔ شکر ہے چوٹیں معمولی ہی آئی تھیں، سو متاع تو فوراً سنبھل کر کھڑی ہوئی تھی تاہم وہ ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا کہ اٹھنے کی کوشش میں گھٹنا بری طرح سے درد کرنے لگا تھا۔ ابھی وہ بازو، ٹانگیں ٹٹول کر خود کو چیک کر ہی رہا تھا کہ وہ طوفانی میل سر پر آن پہنچی اور ہیلمٹ اتار کر غصے سے بولی۔

"کیوں مسٹر! مزا آیا کہ نہیں۔"

فرید تو خالص مردانہ حلیے میں ایک لڑکی کو نمودار ہوتے دیکھ کر ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہوسکا تھا کہ اوپر سے اس کا ایسا جملہ......

"شہر بھر کے اس کے لفنگے دوست ختم ہوگئے تھے جو اس نے تمہیں بلوایا ہے۔ ایک نئے طریقے سے مجھے تنگ کرنے کے لیے۔"

"جی...... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

بمشکل خود کو کھڑا کرتا ہوا وہ الجھن میں تھا کہ صبح صبح ایک تو یہ حادثہ اوپر سے عجیب و غریب حلیے اور رویے والی لڑکی......

"ہاں تو اندھے ہو جو پتا نہیں چلا کہ پیچھے ایک اور بائیک آرہی ہے۔ اس کو رستہ دو اور پھر چاہے جس اسپیڈ سے جہاں جا کر مرو، لیکن یہ بھی اسی خبیث نے کہا ہوگا کہ زبانی کلامی چوٹیں تو بہت دے چکے، اب ذرا یہ مزا بھی چکھا دو لڑکی کو۔ اس لیے تو تم نے ایک دم

سے بائیک روکی، مگر دیکھو میں تو اللہ کے کرم سے چنگی بھلی ہوں تم ہی دھول چاٹ رہے ہو۔ اس لیے پہلی اور آخری وارننگ دے رہی ہوں کہ مجھ پر یہ آئندہ فضول ہتھکنڈے آزمانے سے پہلے ایک بار اپنی حالت پر غور کر لینا۔"

ہاتھ میں تھاما ہیلمٹ اس نے سر پر رکھا، نیچے گری ہوئی چپنی کو سیدھا کیا اور اس پر بیٹھ کر لمحوں میں وہاں سے چلی گئی۔

"یا اللہ، یہ کیا ماجرا ہے؟"

فرید لنگڑاتے ہوئے چند قدم چل کر بائیک تک آیا، اسے سیدھا کیا۔ اسی اثنا میں گھٹنے پر نظر پڑی تو ٹھٹک گیا کہ موٹا کپڑا ہونے کے باعث جینز پھٹی تو نہیں تھی مگر اندر کہیں نمی کا احساس ہو رہا تھا۔ زخم اب جل رہا تھا۔ مطلب پہلے اسے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ ایک خیال ذہن میں آیا کہ اسے خالہ کے گھر واپس چلے جانا چاہیے مگر نجانے کیا سوچ کر اس نے بائیک کو کک لگائی۔ منہ سے کراہ نکل گئی کہ پورا جسم ہی درد کر رہا تھا گھٹنے اور کہنی سے خون بھی رس رہا تھا۔

پوچھتے پچھاتے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا۔ زخموں کی ڈریسنگ کرا کے میڈیسن لے کر اس نے آفس میں اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کا بتا کر واپسی کے لیے پر تولے تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ خالہ کے گھر میں سامنا نہیں ہوا کسی سے، ثاقب باہر گیا ہوا تھا۔ خالہ محلے کے دورے پر اور ستارہ گفٹ میں ملے موبائل پر لگی تھی۔ اس کو کسی نے آتے نہیں دیکھا تھا، سو وہ بغیر آہٹ کیے بائیک کھڑی کر کے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا تھا۔

جس پل پلنگ پر لیٹا، کراہ نکل گئی اور درد کے احساس میں پہلا خیال اس عجیب و غریب لڑکی کا آیا تھا۔ پھر جیسے امی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا پھر اس کے بیان کردہ حلیے اور کارناموں کی روشنی میں تو یہ وہی لڑکی لگ رہی تھی، خالہ کے دیور کی چھوٹی بیٹی جسے امی کبھی پٹاخہ تو کبھی غنڈی کہہ کر پکار رہی تھیں۔

"لاحول ولا....."

اس نے اماں کے القاب یاد آتے ہی لاحول پڑھا۔ پھر اسے بے ساختہ محبت یاد آیا تھا جس نے آتے آتے پھر یاد دہانی کرائی تھی کہ وہ اس لڑکی سے ملنے کا شدید خواہاں ہے، سو پہلی فرصت میں وہ اسے اس کی تصویر بھیجے گا۔ محبت کی یاد اس کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی اور مختلف باتیں سوچتے سوچتے اس کو نجانے کب نیند نے آ لیا تھا۔

☆☆☆

ابھی ابھی وہ سب نیچے گئے تھے۔ خالہ نے تو آنکھوں سے کھینچ کھانچ کر دو تین آنسو بھی نکال ڈالے تھے اس کے ایکسیڈنٹ پر۔ ابھی تو اس نے اس لڑکی سے بائیک کی ٹکر ہونے کا نہیں بتایا تھا ورنہ نجانے وہ رونے دھونے والا سیشن کب تک چلتا۔ فرید نے اماں کو بتانے سے منع کر دیا تھا خالہ کو، اور بتایا تھا کہ وہ ہی اسپیڈ بریکر کو نہیں دیکھ سکا، جب ہی گاڑی پر قابو نہ پا سکا اور گر گیا۔

"شکر میرے اللہ! تو نے میرے بچے کی جان بچا لی ورنہ میں اپنی بہن کو کیا منہ دکھاتی۔" خالہ نے بناوٹی لہجے میں کہا، پھر اس کا کھانا اور چائے بھی اوپر ہی پہنچا دیا تھا۔

"دیکھیں خالہ! میری نائن ٹو فائیو جاب ہے۔ میں گھر سے ناشتہ کر کے نکلتا ہوں تو رات کو ہی کچھ ہلکا پھلکا لیتا ہوں۔ دوپہر کا کھانا ہم سب مل کر کر لیتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی تکلف کی ضرورت نہیں ہے اور پلیز اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں مزید قیام کروں تو آپ یہ تین ٹائم کے کھانے کے تکلف میں مت پڑیں ورنہ پھر میں کسی اور جگہ شفٹ ہونے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔" پر تکلف کھانا جو کہ قورمہ، بریانی اور کھیر پر مشتمل تھا دیکھ کر اس نے خالہ سے کہا تھا۔

"پلیز خالہ!"

انہیں کشمکش میں دیکھ کر اس نے درخواست کی۔

"چلو، جیسے تمہاری خوشی۔ لیکن ناشتہ تو تم میرے ہاتھ کا ہی کرو گے اور اب مزید بولنے کی

pklibrary.com

ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے خالہ! لیکن رات کے سالن کے ساتھ صرف سادہ روٹی اور ایک کپ چائے یا کبھی کبھار پیاز والا آملیٹ کھالیتا ہوں میں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو۔ میں چلتی ہوں۔ رات کو چکر لگاؤں گی اور اب درد کا کیا حال ہے؟"

خالہ نے کھانے کے برتن ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"بہت سولیا خالہ! اب تھوڑا سا آفس کا کام دیکھ لوں۔ آج کی ڈاک آن لائن آچکی ہے۔ وہ ہی دیکھتا ہوں اب..... اور درد ہلکا ہے اب تو..... رات کی میڈیسن سے ان شاء اللہ ختم ہوجائے گا۔ معمولی سی چوٹیں تھیں۔" اس نے خالہ کی تسلی کرائی، مبادا اماں کو فون کھڑکا دیں۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلوں، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا۔"

"جی جی، ضرور۔" خالہ کے جانے کے بعد اس نے پہلی کال رقیہ کو ملائی تھی پھر آدھا گھنٹہ کیسے گزرا، پتا ہی نہیں چلا۔

"سنو بھائی! وہ ملی..... ملٹی ٹیلنٹڈ لڑکی؟"

محبت کے رازداری سے پوچھنے پر وہ مسکرا دیا کہ دوسری طرف رقیہ کی طرف سے اسے دھموکا پڑا تھا، جب ہی وہ چیخ رہا تھا۔

"اچھا بچے! پھر بات ہوتی ہے تم سے۔"

رقیہ نے موبائل یقیناً محبت کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ گھر والوں سے بات ہوجانے کے بعد وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ پھر لیپ ٹاپ کھول کر جو کام اسٹارٹ کیا تو دو گھنٹے بعد ہی فارغ ہوا تھا۔ جوائننگ وہ صبح آن لائن ہی دے چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ باہر آگیا۔ شکر ہے گھٹنے اور کہنی میں صبح والی اینٹھن اور جلن نہیں تھی، بس چلتے ہوئے اور اٹھتے بیٹھتے ہلکی سی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ دل ہی دل میں شکر پڑھتا ہوا وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ٹیرس پر آگیا اور جیسے ہی اس کی نگاہ نیچے کے منظر پر پڑی، وہ جھٹکا کھا کر پیچھے کو ہوا تھا۔ وہ وہی تھی صبح والی..... بائیک کو گھسیٹ کر اندر لا رہی تھی۔ پانچ چھ مرلہ کا گھر ہوگا وہ جو مکینوں کی نفاست پسندی کا منہ بولتا شاہکار تھا۔ چاروں اطراف میں مختلف پھولوں کے رنگین گملے دھرے تھے۔ گیٹ کو ایک سرسبز بیل نے پورا ہی ڈھک رکھا تھا۔ برآمدے میں آسٹریلین توتے شور مچا رہے تھے۔ صحن میں سرخ اینٹوں پر تازہ پانی کا چھڑکاؤ شاید ابھی کیا گیا تھا۔ سفید میز اور چار کین کی کرسیاں صحن کے درمیان میں رکھی تھیں اور میز پر اخبار اور ایک خالی کپ اوندھا رکھا تھا۔ اس جائزے کو اس لڑکی کی آمد نے ادھورا تھا۔

"مجھے کسی کے گھر ایسے نہیں جھانکنا چاہیے۔"

خود کو سرزنش کرتا وہ برآمدے میں آیا پھر کچھ سوچ کر اس نے کمرے سے کرسی نکال کر برآمدے میں رکھی اور موبائل نکال کر فیس بک کا جائزہ لینے لگا۔ مگر ذہن ابھی بھی نیچے والے گھر اور اس لڑکی کی طرف ہی تھا۔

مجھے نجانے کسی کی غلط فہمی میں اس نے دھوڑا لایا سب کے ساتھ ہی اس کا سلوک ایسا ہوگا۔ تو کیا خالہ کی کہی ہوئی سب باتیں سچ ہیں؟

میں کیوں یہ سب سوچ رہا ہوں؟

اس نے سر جھٹک کر شعوری طور پر خود کو ڈپٹا پھر ایک سیزن نکال کر دماغ کو اس کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ بہت دن سے آفس میں اس سیزن کے چرچے سن رہا تھا مگر وقت کی قلت کے باعث دیکھنے کا موقع ہی نہ مل پایا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اسے آپریشن منیجر کے طور پر سامنے دیکھ کر فرید کا منہ حقیقتاً کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور لڑکی بھی تھی آفس میں مگر فرید کا دماغ بار بار چکرا کر رہ جاتا۔ اس کا لباس، کل والے واقعے میں اس کی زبان کے جوہر اور آج اس کی پوسٹ.....

pklibrary.com

گیارہ بجے آفس والوں کی پندرہ منٹ کی ٹی بریک تھی، اس کے اعزاز میں۔ جس میں اسے اندازہ ہوا کہ اس لڑکی کے لیے سب کی نظروں میں عجیب سی ناپسندیدگی کا تاثر تھا۔ جبکہ دوسری لڑکی صبا ایک ہنس مکھ اور گھل مل جانے والی لڑکی تھی۔ لنچ کے لیے پچھلے آفس کی طرح یہاں کوئی انتظام نہیں تھا۔ دو لوگوں اور ایک اسی لڑکی کے سوا سب ہی لنچ کے وقت نزدیکی ریسٹورنٹ میں گئے تھے۔ یہ تفصیل اسے چوکیدار سے ملی تھی جو اس سے اس کے کھانے کی بابت دریافت کررہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا لے کر آئے۔

''نہیں، فی الحال کچھ نہیں۔ آپ جاتے ہوئے مس متاع کو میرے پاس بھیجتے جایئے۔''

اس نے منع کرتے ہوئے کہا پھر شیشے کے کیبن میں سے اس نے دیکھا کہ وہ چوکیدار کے پیغام پر چونکی تھی۔ ایک نظر شیشے کے پار بیٹھے اس شخص پر ڈال کر ہاتھ میں پکڑا بال پوائنٹ کان کے پاس اڑستی چند لمحوں بعد وہ اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کررہی تھی۔

''جی جی آیے، مس احمد! تشریف رکھیے۔''

اپنے سامنے رکھے پیپرز اس نے ایک فائل میں رکھے۔ کی پیڈ پر ہاتھ چلا کر اسکرین پر نظر آتے اعداد و شمار کو وہیں فریز کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی مس! کچھ پرنٹس بھیجے ہیں آپ کو، ان کو فوری ڈسپیچ کرانا ہے اور مجھے لاسٹ سکس منتھ کی انشورنس پالیسی کا ڈیٹا چاہیے اور......'' وہ روانی سے کہتے کہتے رکا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کل کس کا قصور کس کے سر منڈھ رہی تھیں آپ......اور مجھے یہ بھی بتانا تھا کہ بخدا مجھے کسی نے بھی آپ کو تنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔ میں بغرض ملازمت چند دن قبل یہاں اس شہر میں آیا ہوں زندگی میں پہلی بار۔ اس لیے ایسی کوئی غلط فہمی ہے، بھی تو دور کر لیجیے۔ پلیز...... میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی بھی کولیگ کے دل میں میرے لیے بدگمانی ہو۔''

پیپر ویٹ گھماتا وہ کہہ رہا تھا اور شاید زندگی میں پہلی بار متاع اپنے کیے پر شرمندگی کا شکار ہوئی تھی۔

''سوری سر! آپ ثاقب کے گھر سے نکلے تھے تو میں سمجھی کہ اس نے مجھے تنگ کرنے کے لیے کوئی نیا حربہ آزمایا ہے۔ پھر آپ علاقے میں نیا ہونے اور راستے کا تعین نہ ہونے کے باعث بائیک کی اسپیڈ کبھی تیز تو کبھی آہستہ کر رہے تھے۔ تو مجھے لگا یہ بھی زچ کرنے کا کوئی نیا طریقہ ہے، بس غصے میں آکر میں نے اپنی بائیک آپ کی بائیک کو دے ماری اور سب سے بڑھ کر آپ ثاقب کی بائیک پر ہی سوار تھے......تو......''

وہ سر جھکائے ٹیبل پر انگلی سے کچھ لکھتی آرام سے بول رہی تھی۔

''ہم...... کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ثاقب کیوں آپ کو تنگ کرنے کے درپے ہے؟'' اس کے سوال پر اس نے ایک پل نظریں اٹھائی تھیں۔

''کیا آپ نہیں جانتے کہ ہمارے معاشرے میں تنہا ایک عورت جس کے سر پر مرد کے نام پر کوئی رشتہ نہ ہو۔ اسے سو میں سے دو فیصد لوگ ہی ٹھیک سمجھتے ہوں گے ورنہ اکثریت تو اس کی عزت کے درپے ہوتی ہے۔ ثاقب بھی ان ہی مردوں میں سے ایک مرد ہے، جس کو اگر اس کی شرائط کی بنیاد پر میری دوستی اور قرب حاصل ہو جاتا تو ٹھیک تھا، ایسا نہیں ہوا تو وہ اب ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈے پر اتر آیا ہے۔'' وہ تلخ ہوگئی تھی۔

''ہر مرد ایسا نہیں ہوتا مس احمد! نہ ہی معاشرے میں بسنے والے تمام لوگ...... میری اپنی پھوپھو جوانی میں بیوہ ہوئیں۔ ہمسایوں، رشتہ داروں نے بھی محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلی ہیں یا مرد کے بغیر ہیں۔ تین بیٹیوں کے ساتھ نہایت عزت اور شان سے زندگی گزاری ہے۔ رحمت خالہ......!''

متاع نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''سوری سر! ہر انسان اپنے تجربے کی بنیاد پر ہی اپنی رائے دیتا اور نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ میرے خیالات

pklibrary.com

اور تجربات آپ سے یکسر مختلف ہیں۔ نوے فیصد مرد، عورت کو صرف عورت سمجھتے ہیں۔ آپ جن لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں یقیناً ایسا ہوگا۔ قسمت، انسان کا بیک گراؤنڈ اور حالات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا...... اور کوئی کام ہے تو بتایئے، ہمارے معاملے میں سب کچھ آپ کی پھوپھو کے برعکس ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں شکریہ، آپ جاسکتی ہیں۔" اس نے کہا۔ متاع کیبن سے نکل کر اپنی سیٹ پر آگئی۔

"کیا بات ہے، لنچ نہیں لائیں تم آج۔ چلو اکٹھے لنچ کرتے ہیں۔"

اپنی ٹیبل کا ضروری سامان دراز میں لاک کرنے کے بعد سرور اس کے پاس آیا تھا۔ انداز ہمیشہ کی طرح والہانہ تھا۔

"لاؤں یا نہ لاؤں، اس سے آپ کا کوئی کنسرن نہیں ہونا چاہیے...... اور میں آج سے پہلے کسی کے ساتھ کب گئی جو آج آپ کے ساتھ لنچ کرنے چل پڑوں گی۔"

انداز اور جواب ہمیشہ ٹکڑا توڑ تھا۔ وہ بھی ڈھیٹ ہڈی تھا، وہیں کھڑا ہو گیا۔

"تم نہ چلو، ہمیں ہی کچھ کھلادو آنٹی کے ہاتھ کا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم جاتے ہو یا میں اٹھاؤں پیپر ویٹ۔"

"باپ رے! کبھی کبھی تم یہ جنگلیوں والی جو حرکتیں کرتی ہو ناں، قسم سے کہیں سے بھی پڑھی لکھی نہیں لگتیں۔"

سرور نے منہ بنایا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

"فلرٹی خبیث انسان......"

بڑبڑاتے ہوئے اس نے کرسی کی پشت سے لٹکے بیگ میں سے لنچ باکس نکالا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ نظر دوڑانے پر کسی صاحب اپنی کرسی پر اونگھتے، نئے باس جھک کر کاغذ پر کچھ لکھتے اور چوکیدار باہر مخالف سمت میں دیکھتا نظر آیا۔

سر جھٹک کر اس نے لنچ باکس کھولا۔ اسی پل فرید نے ایک اڑتی پڑتی نظر اس پر ڈالی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اس نے کبھی کوئی لڑکی نہیں دیکھی، یا اس کا حسن خیرہ تھا۔ بس وہ پہلے دن سے اپنے انداز اور بات چیت سے کھٹکی تھی۔

"مجھے باس کو لنچ آفر کرنا چاہیے، آخر کو آج ان کا پہلا دن ہے۔ دفع کرو......! یہ بھی مردوں کی کچھ قسم سے نکلے تو خواہ مخواہ جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اور میں کیوں اتنی مروت میں پڑ رہی ہوں آج...... میری طرف سے نئے ہوں یا پرانے، سب جائیں بھاڑ میں......"

اس نے خود کو ڈپٹا اور سالن روٹی سے خوب انصاف کرنے لگی کہ ناشتہ وہ کم کم ہی کیا کرتی تھی اور اس وقت اس کی بھوک عروج پر ہوتی تھی۔

☆☆☆

"کیا بات کر رہے ہیں بھائی؟"

محب تو پھڑک ہی گیا تھا ساری بات سن کر۔

اس نے محب سے آج تک کوئی بات چھپائی نہیں تھی اور نہ ہی محب نے اس سے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان بھائیوں کو باہر بھی دوست بنانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔

"مطلب کہ لے کے ٹکر ہی ماردی آپ کو۔" وہ داد دینے والے انداز میں بولا۔

"آہستہ بولو یار! اماں کہیں نزدیک ہوئیں تو انہوں نے آج ہی ٹکٹ کٹا کر یہاں آجانا ہے میرے پاس۔"

"میں باہر ہوں بھائی! اس لیے بےفکر رہیں۔ یقین کریں اس خاتون سے میری عقیدت دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی ہے۔ ٹام کروز کے اس لیٹسٹ ورژن سے ملنے اور دیکھنے کا میں شدت سے خواہاں ہوں بھائی۔ اماں تو بعد کی بات ہے، مجھے لگتا ہے کہ میں ہی ٹکٹ کٹا کے نہ آن پہنچوں۔"

pklibrary.com

محب کی بات پر فرید نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔
"بس بس تھم کر رہو۔ پندرہ دن تک خود ہی چکر لگاؤں گا میں۔ بہت مس کر رہا ہوں یار تم لوگوں کو۔ دن تو مصروفیت میں گزر جاتا ہے، شام کو جو ٹائم ہم سب ساتھ گزارتے تھے، وہ وقت بہت مشکل سے گزرتا ہے۔"
"ہم بھی بہت مس کرتے ہیں بھائی آپ کو۔ اور سنائیں خالہ کی دختر نیک اختر کیسی لگیں آپ کو..... اور ثاقب صاحب!"
"ہمم..... ٹھیک ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔
"مطلب یہ بیل منڈھے نہیں چڑھنے کی۔" محب جلدی سے بولا۔
"یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ابھی دن ہی کتنے ہوئے مجھے یہاں آئے۔"
"لیں، یہاں اماں آپ کے سر پر سہرا باندھنے اور سدرہ کے ہاتھ پر مہندی رچانے کو تیار بیٹھی ہیں، اور آپ ہیں کہ اس نظر سے دیکھا ہی نہیں کچھ۔" محب نے منہ بنا کر کہا۔
"پتا نہیں کیوں یار! سائرہ کے بعد مجھے لگتا ہے کہ ہر لڑکی کے دو چہرے ہوتے ہوں گے، جیسے اپنے مطلب کے وقت وہ بدل لیتی ہو گی۔ مجھے تو اس موضوع پر بات کرتے عجیب سی ارٹیشن فیل ہوتی ہے اب۔ شادی تو دور کی بات ہے۔" وہ بے زاری سے بولا۔
"اور جہاں تک رہا ثاقب کا سوال..... تو بظاہر تو اچھا سلجھا ہوا نوجوان لگتا ہے، مگر ایک تو اس کا ایجوکیشنل کیریئر مجھے کھٹک رہا ہے۔ دوسرے ایک دو اور حوالوں سے بھی میں ابھی تک الجھن میں ہوں۔ کلیئر ہو جائے تو ڈسکس کروں گا تم سے۔ اس لیے اماں کو ابھی گرین سگنل نہیں دے سکتا اس طرف سے۔"
چلتے چلتے وہ جیسے ہی ٹیرس کے قریب ہوا، بے دھیانی میں نیچے نظر پڑتے ہی چونکا تھا کہ ایک خاتون اسے برآمدے میں گری دکھائی دی تھیں۔
"محب! میں بعد میں کال کرتا ہوں۔"
عجلت میں فون بند کر کے جیب میں اڑستا وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تھا۔
"میں چائے لانے والی تھی اوپر۔ اچھا ہوا آپ خود ہی نیچے آ گئے۔" ستارہ وہیں صحن میں ہی مل گئی تھی اسے۔
"ہاں..... وہ..... میں بس ابھی آیا..... بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے۔"
نہ جانے کیوں اس سے پوشیدہ رکھتا تیزی سے گیٹ کھول کر وہ باہر آ گیا۔ پیچھے سے ستارہ کچھ کہہ رہی تھی مگر اسے سنائی نہیں دیا تھا۔ ملحقہ گیٹ نیم وا ملا تھا اسے، چند لمحوں کے تذبذب کے بعد اس نے دو تین بار دستک دی تھی مگر جواب نہ پا کر قدرے محتاط انداز میں اندر داخل ہو گیا۔ سارا گھر بھاں بھاں کر رہا تھا۔ وہ تو ایک گھنٹہ پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا اور وہ جو اس سے پہلے آفس سے نکلی تھی، ابھی تک گھر نہ پہنچی تھی۔ بدگمانی کی ہلکی سی گرد نے دل و دماغ کو آلودہ کیا تھا۔
"سنیں..... آنٹی..... اٹھیں..... کیا ہوا ہے؟"
لمحوں میں ہی وہ ان کے پاس پہنچا تھا۔ وہ خاتون بے ہوش نہیں تھیں مگر ان کی سانسیں بے حد ناہموار تھیں اور گلے اور سینے کو مسل رہی تھیں۔ فرید نے صحن میں دھری ٹیبل پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کے چھینٹے منہ پر ڈالے ساتھ ہی پانی کے کچھ قطرے ان کے حلق میں ڈالے۔
"ان..... ان ہیلر..... اندر ..... بیڈ کے نیچے....."
انہوں نے اٹکتے ہوئے کہا اور برآمدے میں بنے دو کمروں میں سے پہلے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ صورت حال سمجھتے ہوئے فرید تیزی سے پہلے کمرے میں گیا تھا جہاں دو سنگل بیڈ پڑے تھے۔ درمیان میں سائیڈ ٹیبل پر کافی ساری دوائیاں رکھی تھیں۔ سامنے دیوار گیر الماری نصب تھی۔ فرید نے

بھاری بھر کم دونوں بیڈ کو کھسکا کر دیکھا تو دیوار کے پاس والی سائیڈ سے اسے ان ہیلر پڑا ملا تھا جو شاید ان سے پھسل کر گرا تھا۔ وہ فوراً ہی لے کر دوبارہ ان کے پاس آیا اور مسلسل پانچ منٹ کی پمپنگ کے بعد خاتون کی حالت میں کچھ بہتری آئی تھی۔

''بس...... بس...... بیٹا! بہت شکریہ۔ ٹھیک ہوں میں اب۔'' انہوں نے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آیئے آنٹی! میں آپ کو اندر چھوڑ دوں۔'' فرید نے کہا تو خاتون نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سہارا لیا۔

''آپ اکیلی ہوتی ہیں آنٹی! میرا مطلب ہے...... آپ پیشنٹ لگ رہی ہیں تو ایسی صورت حال تو کبھی بھی پیش آ سکتی ہے۔''

ان کو بستر پر لٹا کر وہ تشویش سے بولا۔ خاتون کو ایسی حالت میں اکیلے چھوڑ کر جانے کو دل بھی نہیں کر رہا تھا اور مناسب بھی نہیں لگ رہا تھا یوں اکیلی عورت کے ساتھ ایسے اکیلے گھر میں ٹھہرنا۔

''میں اب ٹھیک ہوں بیٹا! آپ فکر نہ کرو، میری بیٹی آتی ہوگی۔''

وہ خاتون دمے کے اٹیک کے بعد خاصی نڈھال لگ رہی تھیں۔

''آپ کو پہلے دیکھا نہیں یہاں؟'' نڈھال سی خاتون نے پوچھا۔

''جی آنٹی! میں یہاں نیا آیا ہوں اور......''

دفعتاً باہر والا گیٹ کھلنے کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے۔

''میری بیٹی آئی ہوگی۔'' خاتون خاصی مسرت سے بولی تھیں۔

''تم...... آپ......''

ڈھیر سارے سامان سے لدی پھندی وہ حیرت اور ناگواری کے تاثر سے بولی تھی۔

''اتنے بڑے افسر ہیں مگر یہ نہیں پتا کہ ایسے کسی کے گھر منہ اٹھا کر داخل نہیں ہو جاتے، وہ بھی ایسی صورت میں جب گھر پر مرد نام کا کوئی وجود نہ ہو۔''

دوسرے بیڈ پر راشن کے تھیلے پٹختے اس نے خاصی تلخی سے کہا تھا۔ ندامت سے فرید کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ ایسی بدلحاظی اور بے مروتی کا اس نے زندگی میں پہلی بار سامنا کیا تھا۔

''وہ میں...... '' وہ گڑبڑایا تھا۔

''آپ جو کچھ بھی کرنے آئے تھے، آئندہ ایسی زحمت پھر کبھی مت کیجیے گا۔''

''امی! آپ چپ رہیں...... آپ کو تو دنیا میں ہر انسان شریف نظر آتا ہے۔'' کمزور اور نڈھال لہجے میں کچھ کہتی ماں کو اس نے ڈپٹ کر چپ کرایا۔

''میں چلتا ہوں آنٹی! کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں یہ اوپر والے چوبارے پر کرایہ دار کے طور پر کچھ دن پہلے شفٹ ہوا ہوں، امین صاحب کے گھر۔''

ایک بیزار اور کٹیلی نظر اس پر ڈال کر وہ آنٹی سے بولا۔

''جی نہیں، مہربانی۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ہمیں اور ہمیں آپ کا ایڈریس جاننے میں بھی قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ اب چلتے پھرتے نظر آیئے۔'' وہ بدلحاظی کی آخری حد پار کرتی ہوئی بولی۔

''میں آپ کو نہیں، آنٹی کو بتا رہا تھا کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا ورنہ مجھے بھی آپ جیسی بدتمیز لڑکی سے نہ تو بات کرنے کا شوق ہے نہ آپ کے گھر آنے کا۔''

فرید کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔ غصے سے اس کو جواب دے کر وہ تیز تیز قدموں سے صحن عبور کرتا گیٹ سے نکل گیا تھا۔ اپنے پیچھے ٹھاہ سے گیٹ بند کرنے کی آواز اس کی سماعت پر ناگوار گزری تھی۔

''خالہ ٹھیک ہی کہتی ہیں اس بدتمیز اور جاہل لڑکی کے بارے میں۔''

یہ پہلی اور حتمی رائے تھی جو اس نے خالہ کے گھر میں داخل ہوتے اس کے بارے میں قائم کی تھی۔

☆☆☆

''تم اپنی بہن کو کسی طریقے سے راضی کرو، ورنہ

پھر سڑک پر آنے کے لیے تیار رہو۔ رانا کوٹھی جلد خالی کرانے کا کہہ رہا ہے۔" سفیر درشتی سے بولا۔

"رانا تو کئی سال سے کوٹھی خالی کرانا چاہ رہا ہے، متاع کو تو اس نے اب دیکھا ہے۔ بالفرض اگر امی مجھے معاف نہ کرتیں، دوبارہ اپنے گھر آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ متاع ایک بار ہمارے گھر نہ آئی ہوتی، رانا نے اسے نہ دیکھا ہوتا تب بھی تو کچھ کرتے ناں آپ کوٹھی بچانے کے لیے۔" سپنا تڑخ کر بولی۔

"ہاں تو اب حقیقت یہ ہے کہ تمہاری بہن موجود ہے اور رانا کو اس قدر پسند آئی ہے کہ وہ اس سے شادی کرنے کا خواہاں ہے اور اس کے بدلے ہمارے سارے قرضے معاف کرنے کو بھی تیار ہے۔"

"میں نہ جانتی ہوتی رانا کو تو خوش فہمی سمجھتی اس کی کہ اتنا امیر کبیر بندہ میری بہن کا ساتھ چاہتا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ دو اور دو چار کے چکروں میں عمر گزارنے والا رانا ایسے ہی نہیں پیچھے پڑا اس کے۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اس ٹائپ کی نہیں ہے، نہ ہی اسے کوئی فائدہ دے سکے گی۔"

"تو یہ رانا کا دردِ سر ہے کہ وہ کیسے اپنی بیوی کو ہینڈل کرتا ہے۔ تم نے اپنی بہن کو ہر صورت اس شادی کے لیے راضی کرنا ہے۔ میں رانا کو ہاں کر چکا ہوں بس۔" سفیر کا انداز روکھا اور قطعی تھا۔

"ایسے کیسے ہاں کر دی تم نے.....؟"

"بس جو میں نے کہہ دیا، اس پر دھیان دو۔ یہ فضول کے اگر مگر میں پڑے بغیر۔"

درشتی سے کہتا وہ باہر نکل گیا۔ سپنا نے بے اختیار سر پکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

"کیا..... بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا۔" محب چیخا تھا۔ رہ رہ کر اسے اس بدتمیز لڑکی پر غصہ آ رہا تھا۔ جیسے جیسے سوچ رہا تھا اس کے غصے کا گراف اوپر اور اوپر جا رہا تھا۔ بالآخر اس نے محب کو کال ملا کر سارا احوال کہہ سنایا تھا۔

"ویسے بھائی! اس کا رویہ بہت غلط تھا لیکن مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو بھی جانا چاہیے تھا، ایک انجان عورت کے پاس۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ گھر میں اکیلی تھیں۔ اگر جو آپ کسی مصیبت میں پھنس جاتے۔" محب کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ جھلا ہی گیا۔

"بس یار! اس پل میری سمجھ میں جو آیا میں نے کیا اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی بھی نہیں ہے کہ واقعی ان کی حالت بہت خراب تھی۔ اگر میں نہ پہنچتا تو خدانا خواستہ ان کی طبیعت زیادہ سیریس ہو سکتی تھی۔"

"اور آپ اگر مزید وہاں رکتے تو آپ کی اپنی طبیعت بھی سیریس ہونے کا خطرہ تھا بھائی!" محب نے یاد دلایا۔

"اب آپ ایسا کریں، کل آفس میں محترمہ کو ایک تگڑی سی جھاڑ پلا کر آج والی بے عزتی کا حساب برابر کر دیں۔ سمجھتی کیا ہے خود کو وہ لڑکی۔ ہاں نہیں تو..... میرے اتنے شریف اور ہینڈسم بھائی کے ساتھ کتنا غلط کیا اس نے۔" محب نے شکوہ کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

"ارے نہیں یار! وہ تو مجھے وہ خاتون سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں تو تم سے ڈسکس کر لیتا ہوں اور تمہیں پتا ہے، میں ان باتوں کو زیادہ دل پر لینے والا بندہ نہیں ہوں۔" اس نے فوراً اپنا دفاع کیا۔

"بس آپ ان کو سمجھنے کی کوشش چھوڑ دیں، مجھے تو کوئی سائیکو پرابلم بھی لگ رہی ہے اس کی اور ایسے لوگ ہر کسی کو برا اور خود کو اچھا سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں سے بس دور کا سلام اچھا ہے۔" محب نے مشورہ دیا۔

فرید کو اس کی بات ٹھیک لگی تھی تب ہی بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو، مگر اس کی والدہ خاصی معقول خاتون لگیں مجھے۔" فرید نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا پھر گویا ہوا۔

"اماں کو تنگ تو نہیں کرتے ناں..... اور سدرہ سے لڑائی تو نہیں ہوتی؟" تھوڑی دیر میں دونوں بھائی اس لڑکی کو بھول کر آپس کی باتوں میں مگن تھے۔

☆☆☆

"میں آپ کو بتا چکی ہوں امی! کہ مجھے شادی

pklibrary.com

نہیں کرنی تو کیوں یہ بار بار رنگ برنگے رشتے لے کر آجاتی ہے۔ پھر میرے منہ سے الٹا سیدھا نکل جاتا ہے تو ناراض ہو جاتی ہے۔"

وہ صالحہ سے زچ ہو کر بولی۔

"تو اس میں غلط بات کیا ہے، بڑی بہن ہے تمہاری، اسے بھی فکر ہے تمہاری۔ میری حالت دیکھو، چراغ سحری کی مانند ہوں، اب بجھا کہ تب بجھا۔ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو سکون سے مر تو سکوں گی کم از کم۔"

صالحہ نے کچھ دن سے مسلسل دہرائی جانے والی بات ایک بار پھر کی تھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کو اس حال میں چھوڑ کر میں چلی جاؤں گی۔"

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں امی کو ایسے چھوڑ جاؤں گی۔ اپنے ساتھ لے جاؤں گی، سفیر کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس سے بات کر لی ہے میں نے۔ یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں، تم بس اپنے گھر سدھارو باقی سب میں دیکھ لوں گی۔"

سپنا کے تو رآبول اٹھنے پر وہ طنزاً مسکرائی اور بولی۔

"اچھا، جیسے تین سال پہلے ہمارا سوچے بغیر ماڈلنگ شروع کر دی تھی اور دو سال پہلے امی کی مرضی کے بغیر اسی سفیر سے شادی کر لی جس کی حیثیت آج بھی مشکوک ہے کہ کیسا ہے، کون ہے؟ کیا کرتا ہے۔ پتا نہیں تم سے بھی مخلص ہے یا نہیں اور تم چلی ہو اس سفیر کے کہنے پر آ کر ہمیں الٹی پٹیاں پڑھانے۔"

"بس کرو دونوں آپس میں لڑنا۔ بہن اتنے دن بعد آئی ہے متاع! چلو شاباش، کچھ اچھا سا بنا لو اس کے لیے اور تم بھی سپنا! چھوڑ دو ابھی یہ موضوع۔ میں خود اس سے بات کروں گی۔" صالحہ نے ہمیشہ کی طرح سینز فائز کرایا تھا۔

"اس کو کہیں ایسی فضول باتیں کر کے مجھے غصہ مت دلایا کرے۔ سفیر مجھے اس کے لیے مخلص نہیں لگتا، میرے لیے کیا خاک ہوگا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"کیا ہو گیا ہے امی اس کو۔ پہلے تو ایسی نہیں تھی۔ کتنا زہر بھر گیا ہے اس کے اندر اور تو اور اپنی بہن کی محبت پر بھی شک کرنے لگی ہے۔" سپنا کے انداز میں عجیب سی حیرت در آئی تھی۔ صالحہ نے ایک طویل سانس لی۔

"تم نے بھی تو اچھا نہیں کیا تھا سپنا ہمارے ساتھ۔ ہم سے پوچھو کیسے کیسے حالات دیکھے تمہارے گھر سے جانے کے بعد۔ روز محلے کے سرکردہ الگ آ جاتے تھے کہ گھر خالی کر کے کہیں اور چلے جاؤ۔ محلے کی شریف بہو بیٹیوں پر تمہاری بیٹیاں غلط اثر ڈال رہی ہیں۔ تمہاری ماڈلنگ کے پہلے ہی خلاف تھے، گھر سے چلے جانے پر سب کی زبانوں پر کانٹے اگ آئے تھے۔ سب نے ہمیں مال مفت ہی سمجھ لیا تھا گویا۔

میری بچی کا جینا محال کر دیا تھا اور باہر نکلنا مشکل تر۔ میں تو ہار مان چلی تھی حالات سے، ایسے میں اللہ نے ہی ایک الگ سی ہمت بھر دی متاع کے اندر کہ وہ ڈٹ گئی حالات کے آگے، لوگوں کے سامنے۔"

صالحہ افسردہ ہو گئی تھیں تو سپنا بھی ذرا دھیمی پڑ گئی۔

"تو اور کیا کرتی امی! آپ بھی تو اڑ گئی تھیں اپنی ضد پر کہ سفیر سے شادی نہیں کرنے دوں گی۔ میرے کیریئر کا انتہائی اہم موڑ تھا وہ۔ فلم میں چانس دے رہا تھا سفیر مجھے۔ اب دیکھیں گھاٹے کا سودا تو نہیں کیا میں نے۔ ہر طرح کی خوشی اور آرام دیا ہے مجھے سفیر نے۔ ٹھاٹ سے رہتی ہوں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ سب چھوڑ کر میرے ساتھ چلیں۔ یہاں وہی کنویں کے مینڈک کی سوچ رکھنے والے تھرڈ کلاس لوگ..... جن کی زندگی کا مقصد ہی لوگوں کی زندگی میں دخل اندازی کرنا ہے۔ جس علاقے میں، میں رہتی ہوں دو سال سے مجھے تو پتا بھی نہیں ہے کہ پاس والے گھر میں کوئی رہتا بھی ہے کہ نہیں اور یہاں ادھر سانس لو..... ادھر پہلے ہمسایوں کو اطلاع کرو۔ ہونہہ!"

pklibrary.com

سپنا نے آخر میں تنفر سے کہا۔

"تمہارے ابا مجھے بیاہ کر اس گھر میں لائے تھے۔ ایک عمر گزار دی یہیں میں نے۔ اب تو جنازہ ہی نکلے گا میرا یہاں سے۔ بس میری بچی کا نصیب کھول دے مالک! اب تو یہی ایک خواہش رہ گئی ہے۔" ٹھنڈی سانس بھر کر صالحہ نے کہا۔

"یہی تو کہہ رہی ہوں امی! رانا انڈسٹری کی ایک جانی مانی شخصیت ہے۔ متاع عیش کرے گی عیش۔ ہزاروں لڑکیاں اس سے شادی کی خواہش مند ہیں، مگر اس کی نظر نہ جانے کیسے ہماری متاع پر پڑ گئی، جب وہ میرے گھر پہلی مرتبہ آئی تھی میرے بے حد اصرار پر۔" سپنا اب ماں کے ساتھ ہی آن بیٹھی تھی اور ان کو رانا کے لیے منانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم نے تو جو کرنا تھا کر لیا سپنا! اب متاع کو اس چکا چوند والی زندگی اپنانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر اس کی مرضی نہیں ہے، اس کی طبیعت و فطرت تم سے مختلف ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میرے کہنے پر بھی وہ اس شادی پر آمادہ ہوگی۔" صالحہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"افوہ امی! اس مڈل کلاس سوچ سے ہی تو جان چھڑا کے میں چلی گئی تھی۔ بھئی، میں ضمانت دے رہی ہوں ناں رانا کی۔ یا میری نیت پر بھی شک ہے آپ کو۔" اب کے وہ باقاعدہ ناراضی سے بولی۔

"نہیں نہیں سپنا! ایسی بات نہیں ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس نے نہ کہہ دیا تو اب کبھی بھی نہیں مانے گی۔ ورنہ میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی کہ میری بچی اپنے گھر کی ہو جائے۔ خیر میں ایک بار پھر بات کر کے دیکھوں گی۔ دیکھو کیا بنتا ہے، تم یہ بتاؤ....."

صالحہ اب اس کی زندگی کے حوالے سے سوال جواب کر رہی تھیں۔ سپنا کو کچھ تسلی ہوئی تھی۔ جانتی تھی کہ دنیا میں اگر کوئی اس کی بہن سے کچھ منوا سکتا تھا تو وہ صالحہ ہی تھیں اور جاتے جاتے وہ ماں کو ایک بار پھر اس سے نہ صرف بات کرنے کی تاکید کر کے آئی تھی بلکہ منوانے پر بھی زور دیا تھا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے، آپ اتنے چپ چپ، الگ تھلگ سے رہتے ہیں۔ لگتا ہے ہم لوگ زیادہ پسند نہیں آئے آپ کو۔" ستارہ اسے چائے دینے آئی تھی اور وہیں رک کر پہلے ادھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد خاصا اٹھلا کر کہا۔

"ارے نہیں، بہت مصروف ہوتا ہوں جاب کی وجہ سے اور تھکن اتنی ہوتی ہے کہ بچا کھچا ٹائم آرام میں نکل جاتا ہے، پھر میں زیادہ باتونی بھی نہیں ہوں۔" وہ یہی کہہ سکا۔

اصل میں ہاجرہ کی طرف سے ستارہ اور ثاقب پر بہت دباؤ تھا کہ وہ کچھ ایسے فرید کو قابو میں کریں کہ دونوں نہیں تو ایک تو رقیہ کے بچوں کے ساتھ کھپ ہی جائے۔ ثاقب کو تو فرید کی نظروں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کی جھلک دکھ گئی تھی، دوسرے وہ اتنا عرصہ بناوٹی زندگی نہیں گزار سکتا تھا سو فرید کی آمد کے بعد ہفتہ دس دن ہی کچھ لحاظ کے دائرے میں رہا تھا، اب اس کے وہی دوست تھے اور وہی شب و روز، جبکہ ستارہ کو بھی فرید کے ساتھ کچھ لگاؤ نہیں تھا کہ وہ محلے دار ہاشم کی اسیر تھی، جس کی خوب صورت باتوں اور لچھے دار خوابوں نے اسے کسی اور طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی تھی اور وہ فطری طور پر چلبلی اور پارہ صفت لڑکی تھی۔

فرید جیسے لوگ بقول اس کے روکھے اور بدرنگ و بدذوق اس کو پسند ہی نہیں تھے۔ آج فرید کے ساتھ برآمدے میں کھڑے ہو کر اٹھلا اٹھلا کر باتیں کر کے بھی وہ ہاشم کو ہی دکھانا چاہ رہی تھی جو صرف دو گھر چھوڑ کر ہی رہتا۔ کل رات ہی فون پر ان دونوں کی کھٹ پٹ ہوئی تھی تو اب وہ ہاشم کو جلانے کے لیے یہاں موجود تھی، جو اس وقت اپنی چھت پر کبوتروں کو دانہ ڈالنے آیا کرتا تھا۔

ستارہ کی بے سروپا باتوں پر وہ خاصی بے زاری محسوس کر رہا تھا کہ ایک تو اس کا کام کا موڈ تھا، دوسرے اس وقت وہ گھر بات کیا کرتا تھا لیکن ستارہ کا

pklibrary.com

ارادہ زیادہ دیر ٹھہرنے کا لگ رہا تھا جبکہ فرید کو اتنے قیمتی وقت کے ضائع ہونے کا افسوس ہو رہا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے چائے کی پیالی خالی کر کے ٹیبل پر رکھی۔ ستارہ کو شکریہ کہہ کر اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا تھا۔ دفعتاً نیچے سے آنے والی تیز آوازوں پر وہ دونوں ہی چونکے تھے کہ آوازیں متاع کے گھر سے آ رہی تھیں۔ ستارہ تو اشتیاق سے فوراً ٹیرس کی ریلنگ سے لگ گئی پھر بڑی مسرت سے اسے اطلاع دیتے ہوئے اس تماشے میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔

"ارے فرید! آئیں ناں، دیکھ لیں۔ آج آپ بھی اس لڑکی کا تماشا دیکھ لیں۔ ابھی بھی اس کی ماں کی خواہش ہے کہ ہم ثاقب بھائی کے لیے اس کا رشتہ لے لیں۔ توبہ ہم نے کوئی اپنے بھائی کی زندگی جہنم بنانی ہے، اس آوارہ لڑکی کو اپنے گھر کی بہو بنا کر۔" بادل ناخواستہ فرید لیپ ٹاپ چھوڑ کر آگے کو ہوا تھا جہاں صحن کے درمیان میں میز پر چائے کی دو پیالیاں دھری تھیں، جن کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر صالحہ شرمندہ سی بیٹھی تھیں۔ ایک درمیانی عمر کی خاتون ٹوپی والا برقع پہنے کچھ تیز تیز بول رہی تھیں۔

"ارے توبہ توبہ..... صالحہ! یہ لڑکی تمہارے کس گناہ کی سزا ہے۔ زبان تو دیکھو ذرا..... احسان مانو میرا کہ پھر بھی تقی مرحوم کے ساتھ میرے مرحوم شوہر کے تعلقات کا احساس تھا کہ جھوٹی سچی سنا کر ایک رشتہ لے ہی آئی مگر کیا کیا اس نے۔ پوچھو تو صالحہ! کیا کیا اس نے..... لے کے لڑکے کی درگت بنا ڈالی کم بخت نے۔ سات محلوں تک اس کے لڑائی جھگڑوں اور زبان درازی کے قصے مشہور ہیں مگر مجھے پتا ہے کہ میں کس جتن سے ان لوگوں کو منا کر لائی تھی۔ اس نے کیا کیا؟ اس غریب کو پیٹ ڈالا اور مجھ غریب کی روزی پر بھی لات ماردی۔" ماسی بتولاں ہاتھ نچا نچا کے دہائیاں دے رہی تھی۔

"یہ بیٹھی رہ جائے گی تمہارے سینے پر مونگ دلنے کو صالحہ! لکھ لو میری بات..... ایسے گنوں کے ساتھ تمہاری بیٹی کو کوئی بیاہنے نہیں آنے والا اب۔" وہ غصے سے بولی تھیں۔ صالحہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

ہائے بی پی ہائی ہو رہا ہے میرا..... چکر آ رہے ہیں مجھے۔" ماسی بتولاں نے کرسی پر بیٹھ کر میز پر رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر سیکنڈوں میں چڑھایا اور ٹھنڈی ہوتی چائے کی پیالی پکڑ لی۔

"ارے بہتیرا روکا مجھے لوگوں نے، محلے والوں نے کہ کن چکروں میں پڑتی ہو ماسی! گھر بسانے والی لڑکیاں نہیں ہیں یہ۔ ان میں اور گن ہوتے ہیں۔ مگر مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آ گیا تھا صالحہ!"

گھونٹ بھر کر پیالی پرچ میں پٹخی اور ہاتھ نچا کر کہا۔

اسی پل تیر کی تیزی سے کمرے سے نکل کر وہ میزائل آیا تھا۔ فرید جھٹکے سے پیچھے ہوا تھا۔ محبت نے پچھلی بات چیت میں اس کو میزائل کا نام دیا تھا۔

"بس..... اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اٹھیں..... ایک سیکنڈ میں یہاں سے اٹھ کر چلتی بنیں۔ یہ نہ ہو یہی مشروب سے بھرا جگ میں آپ کے سر پر توڑ دوں۔"

غصے سے لال بھبھوکا ہوتے ہوئے اس نے ہاتھ کے اشارے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا اور خود بڑھ کر ان ہیلپر ماں کے منہ سے لگا دیا تھا۔ ماسی بتولاں ڈر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جا رہی ہوں..... جا رہی ہوں۔ مجھے بھی تم جیسی شتر بے مہار، آوارہ لڑکی سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے۔ تمہاری ماں کا خیال آ گیا تھا سو ان بھلے مانس لوگوں کو لے کر چلی آئی، مگر شکر ہی ہوا وہ بچ گئے تم جیسی لڑکی کے شر سے..... توبہ توبہ!" برقع سر پر جماتے وہ جل کر بولی۔

"جاتی ہو یا میں چھوڑ آؤں۔"

صالحہ کی کمر سہلاتے ہوئے وہ زور سے چیخی

تھی۔ بکتی جھکتی ماسی بتولاں گیٹ زور سے ٹھاہ کر کے جا چکی تھی۔ فرید تو اسے کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر ہی فوراً سے پیشتر اپنی کرسی پر جا ٹکا تھا۔

''مفت کا تماشا ختم ہو چکا ہے، اس لیے اب تم بھی دفع ہو جاؤ۔'' ستارہ کو جھانکتے دیکھ کر وہ دھاڑی تھی۔

''ارے جاؤ جاؤ، اپنے باپ کے گھر میں کھڑی ہوں۔ کوئی مائی کا لعل مجھے ہٹا کر دکھائے یہاں سے اور تماشا لگانے والوں کو سوچنا چاہیے ناں کہ جب تماشا لگے گا تو لوگ تو دیکھنے آئیں گے، مگر تم ماں بیٹیاں تو عادی ہو ایک عرصے سے تماشے پر تماشا لگانے کی۔''

ستارہ دو بدو بولی۔ فرید تو ستارہ کی زبان کے جوہر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

''آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔'' اس نے سوچا۔

نیچے سے شاید گلاس پھینکا تھا اس نے جو گرل سے لگ کر نیچے فرش پر گر کے کرچی کرچی ہوا تھا۔

ستارہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔

''پاگل ہو گئی ہے۔''

تنفر سے کہتی وہ دوبارہ فرید کے پاس آ گئی تھی۔ اور با آواز بلند ان ماں بیٹیوں کے قصے فرید کو سنانے لگی۔

''وہ ایسا ہے کہ مجھے کسی سے ملنا تھا آج، باتوں میں بھول ہی گیا۔''

درمیان میں شاید وہ سانس لینے کو رکی تھی کہ فرید نے جان چھڑائی اور مزید کچھ کہے سنے بغیر بائیک کی چابی جیب میں ٹٹولتا نیچے آ گیا۔ یہاں آنے کے دو تین دن کے بعد اس نے اپنی بائیک لے لی تھی۔

نزدیکی پارک میں جہاں وہ صبح واک کرنے آیا تھا۔ چلا آیا اور گہری گہری سانسیں لیتا اس ناگوار واقعے کو بھولنے کی قصداً کوشش کرنے لگا۔

''اف، اس لڑکی کی زبان زیادہ بری ہے یا لوگوں کا رویہ.....'' اسے سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

☆☆☆

''بھائی!''

سدرہ نے اس کو اچانک دیکھ کر خوشی سے چیخ ماری تھی، پھر آ کر اس سے لپٹ گئی۔

''ہم آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔'' اس کی آنکھیں نم ہوئیں، اسے ساتھ لیے وہ اندر آیا تھا۔

''میں بھی سب سے زیادہ اپنی بلی کو مس کرتا ہوں۔''

''بس آپ اپنا ٹرانسفر دوبارہ یہیں کرا لیں، ہمارا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر۔'' وہ اس کا بیگ لیتے ہوئے بولی۔

''چلو بھئی، دیکھتے ہیں کہ کیا ہو سکتا ہے۔'' اندر بیٹھے محب اور رقیہ کا ردعمل بھی کم و بیش سدرہ جیسا ہی تھا۔

''ڈبل ویک اینڈ مل رہا تھا تو سوچا گھر کا چکر لگا لیا جائے۔'' صوفے پر پھیل کر بیٹھتے اس نے سلام کے جواب کے بعد کہا تھا۔

''اور بھائی! لڑاکا طیارے کا کوئی نیا کارنامہ۔''

سدرہ جب اسے شربت بنا کر دے گئی اور رقیہ اور وہ کچن میں مصروف ہو گئیں تو محب کھسک کر اس کے قریب آیا اور رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''کوئی ایک کارنامہ ہو تو بندہ بیان بھی کرے۔ یہاں تو اس کی زیست کی پوری کتاب ہی ایسے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔'' فرید بدمزا ہو کر بولا۔

''پتا نہیں یار! کیا سائیکی ہے اس لڑکی کی کہ ہر انسان کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا، ایک ہی کیٹگری میں رکھ کر ایک سا سلوک کرنا سب کے ساتھ۔ عجیب ال مینرڈ سا بی ہیو ہوتا ہے اس کا۔''

''کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی ناں..... بھائی! آپ کو معلوم کرنا چاہیے۔'' محب کچھ سوچ کر بولا۔

''چھوڑو یار! مجھے کیا پڑی ہے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی۔ تم یہ بتاؤ، تمہارے مڈٹرم ایگزام کا کیا بنا؟''

pklibrary.com

فرید نے بے زاری سے کہہ کر بات بدل دی۔

☆☆☆

تین دن بھرپور طریقے سے گزار کر وہ بالآخر واپس لوٹ آیا تھا اور یہ اسی رات کی بات تھی آفس کی تیاری کرنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ پر کچھ ادھورے کام نپٹائے۔ الیکٹرک کیتل کی خدمات حاصل کرتے ہوئے چائے بنائی اور باہر آ گیا۔ چائے کا مگ ہاتھ میں اٹھائے جیسے ہی ایک لاشعوری نظر نیچے ڈالی۔ وہ موبائل پر بٹن پریس کرتی اسے صحن میں ہی ٹہلتی نظر آئی۔ صحن میں لگا انرجی سیور جل رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اسے شلوار قمیص میں ملبوس دیکھا تھا تو عجیب سی لگی تھی اور اسے دیکھ کر وہ سرعت سے پیچھے ہٹا تھا کہ پچھلے کچھ واقعات اتنے پرانے نہیں تھے کہ اسے بھول جاتے۔

"فرید سر!"

وہ شاید اسے دیکھ چکی تھی، تب ہی آواز دی تھی۔ فرید کا خون منٹوں میں خشک ہوا تھا۔ اتنی رات گئے بے عزتی کرانے کا مطلب تھا اس سناٹے میں سارے محلے کو اپنا تماشا دکھانا۔

"یا اللہ! اس بار معاف کردے، آئندہ میری توبہ جو اس ٹیرس پر پھٹکا بھی۔" آسمان کی طرف منہ کر کے اس نے زیر لب دعا کی۔

"فرید سر! آئی نیڈ یور ہیلپ۔"

ایک لمحہ لگا تھا اسے اس کی بات سمجھنے میں۔ وہ فوراً ہی ٹیرس کی طرف پلٹا اور محتاط انداز میں جھانکا تھا۔

"جلدی سے نیچے آیئے، امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

اسے دیکھ کر وہ بولی اور پھر موبائل پر دیکھتی عجلت میں کمرے میں چلی گئی۔ فرید کو اس کی آواز بھی کچھ بھرائی بھرائی سی لگی تھی۔ چند لمحے لگے تھے اسے سوچنے میں پھر اس نے چائے کا مگ وہیں چھوڑا اور دبے پاؤں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ حسب معمول ثاقب ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ خالہ شاید اسی کے انتظار میں جاگ رہی تھیں کہ ٹی وی چلنے کی آواز گیٹ تک آ رہی تھی۔ تین منٹ سے بھی کم وقت میں وہ ملحقہ گیٹ کے سامنے تھا۔

اس نے محتاط سی دستک دی تھی کہ بار بار ذہن میں پچھلی بار کی آمد اور اس کے نتیجے میں ہونے والی عزت افزائی کی فلم سی چل رہی تھی۔

"کون؟"

گیٹ کے دوسری طرف اسی محتاط انداز میں پوچھا گیا تھا اور اس کے نام بتانے پر اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔

"امی کو آج جو اٹیک ہوا ہے اس کے بعد سے وہ بے ہوش ہیں۔ میں انہیں ہاسپٹل لے جانا چاہ رہی ہوں، ٹیکسی کے لیے کال کردی ہے۔ آپ اگر ساتھ چلیں گے تو مہربانی ہوگی۔"

وہ تیز تیز لہجے میں بتاتی اس کو ساتھ لے کر صالحہ کے پاس آ گئی تھی۔ لہجہ اور آنکھیں ابھی بھی روئی روئی سی تھیں۔ اب اس نے گلابی شلوار قمیص پر نیلے رنگ کا دوپٹا لیا ہوا تھا۔

"اس میں مہربانی کی بات نہیں ہے مس احمد! انسان ہی مصیبت میں انسان کے کام آتا ہے اور لازمی نہیں کہ ہر انسان ہی برا ہو۔ ٹیکسی کال کیے کتنی دیر ہوگئی؟" اس نے سنجیدگی سے کہہ کر صالحہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو کہ ٹھنڈی یخ تھی۔

"بس پندرہ منٹ میں پہنچنے کا کہا ہے، کال آ گئی۔ جی جی..... چوک کی دوسری گلی میں لے لیجیے، اسی لائن میں....." وہ موبائل پکڑے پکڑے باہر چلی گئی۔

"آ گئی ہے ٹیکسی۔" چند لمحوں بعد اس نے فرید کو آ کر بتایا۔

"آپ گھر وغیرہ لاک کرلیں، میں آنٹی کو لے کر چل رہا ہوں۔"

"جی میں ان کی فائل لے لوں۔"

اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ایک فائل نکالی۔ اسی اثنا میں دھان پان سی صالحہ کو فرید دونوں

بازوؤں میں اٹھا چکا تھا۔ ایک لمحے کو متاع کی آنکھیں بھر آئی تھیں پھر اس نے سر جھٹک کر دونوں کمروں کو لاک لگایا اور باہر آ گئی۔ ٹیکسی گیٹ کے باہر ہی موجود تھی۔ فرید صالحہ کو اندر لٹا رہا تھا۔

''متاع! آپ دوسری طرف سے آ کر آنٹی کو سہارا دے دیں۔''

اس کے پکارنے پر وہ سر ہلاتی ہوئی ٹیکسی کا پچھلا ڈور کھول کر بیٹھی اور بے سدھ پڑی صالحہ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ایک پرائیوٹ ہسپتال میں موجود تھے۔ ان کی حالت کے پیش نظر فوراً ان کو داخل کر کے ٹیسٹس کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

دو سے تین گھنٹے کی طبی امداد کے بعد وہ ہوش میں بھی آ گئی تھیں تاہم ان کی حالت تشویش ناک تھی اور ڈاکٹرز ابھی کچھ دن ان کو ہاسپٹل میں ہی رکھنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ اسی بھاگ دوڑ میں فرید نے خالہ کے لینڈ لائن نمبر پر بتا دیا تھا کہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں اسے فوراً جانا پڑا۔ سو وہ گیٹ وغیرہ بند کر کے تسلی رکھیں، وہ فارغ ہو کر آ جائے گا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ صالحہ کو دیکھ کر وہ دونوں باہر آ گئے۔ فرید ہاتھ میں پکڑا پرچہ لے کر دوائیاں لینے ہسپتال کے احاطے میں موجود میڈیکل اسٹور پر آ گیا تھا اور پندرہ منٹ بعد جب واپس آیا تو وہ نہ تو صالحہ کے پاس تھی نہ ہی باہر کوریڈور میں۔ متعلقہ نرس کو دوائیاں پکڑا کر اس نے ایک نظر صالحہ کو دیکھا جو دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے اب ان کی؟'' اس نے انجکشن لگاتی نرس سے سوال کیا۔

''بہتر ہے پہلے سے مگر مرض بگڑ جانے کے باعث حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔ مزید ڈاکٹر صبح کے وزٹ کے بعد ہی کچھ بتا سکیں گے۔ ابھی سو رہی ہیں۔ کچھ گھنٹے ایسے ہی رہیں گی۔'' نرس نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا اور چلی گئی۔ ایک نظر صالحہ پر ڈال کر وہ دروازہ بند کرتا ہوا باہر آ گیا مگر متاع ہنوز لاپتا تھی۔

''کہاں چلی گئی۔''

اسے ڈھونڈتے وہ باہر کے احاطے میں نکل آیا اور سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ادھر اُدھر نگاہ کی۔ دائیں طرف بنے گھاس کے قطعے پر ایک بنچ پر اسے نیلے اور گلابی کپڑوں کی جھلک نظر آئی تھی۔ فرید تیزی سے اس کی طرف آیا مگر ٹھٹک کر رکنا پڑا کیونکہ ذرا قریب آنے پر اسے اس کی سسکیاں سنائی دی تھیں۔ چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور بے حد خاموشی سے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''وہ ٹھیک ہیں اب۔'' اس نے خود کو آہستہ سے کہتے سنا تھا۔

''ابھی تو ٹھیک نہیں ہیں وہ...... ڈاکٹر نے کھل کر ان کی حالت ڈسکس کی ہے مجھ سے۔'' اس کو دیکھے بغیر وہ سامنے دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔

''میں...... میں کہاں جاؤں گی؟ میرا کیا ہوگا؟'' آنسو بھری نظروں سے اس نے فرید کو دیکھتے اور کانپتے ہوئے کہا۔

''وہ ایک کمزور بیمار اور بے ضرر عورت ہیں لیکن اس دنیا میں اللہ کے بعد میرا واحد سہارا بھی ہیں۔'' اب کے ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ بری طرح سے رو دی تھی۔

''حوصلہ رکھیں متاع! آپ تو بہت بہادر ہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، وہ رحیم و کریم سچے دل سے کی جانے والی دعاؤں کو رد نہیں کرتا۔ آپ دعا کریں، صرف دعا......'' فرید نے جھجکتے ہوئے ہلکے سے اس کا کندھا چھوا تھا اور سچے دل سے کہا تھا۔

''تئیس سال سے یہ سب برداشت کر رہی ہیں وہ...... کب تک...... کب تک انسان سہ سکتا ہے؟ ہیں تو انسان ہی ناں، ایک کمزور عورت جس کی خطا صرف اتنی تھی کہ اس نے اپنی چچی کے زیر سایہ پرورش پائی

اوران کے نشئی، نیم پاگل بیٹے سے زبردستی نکاح سے بچنے کی خاطر تقی احمد خان سے نکاح کرلیا۔ پھران خود غرض رشتوں سے عمر بھر کے لیے دامن چھڑا کر چلی آئیں۔ تائی ہاجرہ نے سب سے پہلے اپنے ترکش سے پہلا تیر نکالا تھا کہ وہ تقی احمد کے لیے اپنی بہن کو سوچے بیٹھی تھیں۔

دو سال کے فرق سے پیدا ہونے والی بیٹیوں کے بعد تو انہیں لگا وہ جنت میں ہی آ گئی ہیں۔ ان کو نہ تائی کے طعنے برے لگتے تھے نہ ہی ان نشتروں کی پروا تھی جو ہمہ وقت ان کی زبان سے صالحہ کے لیے ادا ہوتے تھے۔ جیسے ہی تائی کے بچوں کے منہ میں ان کی زبان اور الفاظ منتقل ہوئے، بابا نے درمیان میں دیوار اٹھا کر اپنی دنیا الگ کرلی تھی۔ میں اس وقت فرسٹ ایر میں اور سپنا تھرڈ ایر میں تھی، جب وہ اچانک ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چل دیے۔ ایک لمحہ بھی ہم تینوں کے بارے میں سوچے بغیر۔'' اس کی آواز پھر بھرائی تھی۔

مگر شاید موت کی حقیقت ہی ایسی تلخ ہے۔ پوری تلخی اور کڑوے پن کے ساتھ ہنستے کھیلتے انسانوں کو اچک کر لے جانے والی۔

''بابا کے بعد دنیا بھی موت کے جیسی ہی تلخ اور سفاک ہوگئی تھی۔ ان کے بعد تایا خیر خبر رکھنے کے لیے آنے لگے تھے مگر جس دن امی ''بھابھی'' سے صالحہ ہوئیں۔ اور امی پر ان کی دھمکیاں اور دباؤ بڑھتا چلا گیا جس دن انہوں نے امی کے مسلسل انکار سے ہار مان کر ان کو خفیہ نکاح کی پیش کش کی۔ اسی دن ایک حادثے میں جان سے چلے گئے مگر تائی بیوی تھیں اور اپنے مرد کی بدلتی نظریں بدلتی پہچانتی تھیں کہ تایا کے بعد انہوں نے علی الاعلان امی سے ایسی ایسی باتیں منسوب کرکے پھیلانا شروع کردیں کہ اب بھی وہ وقت اور باتیں یاد کرنے پر وہی اذیت، وہی بے بسی پھر سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ مگر وہ اس مشکل دور کی شروعات تھی جس کا انت شاید ہماری زندگی میں کہیں نہیں ہوگا۔''

اندھیرے میں سامنے نظریں ٹکائے وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔

''گھر سے عزت اچھالنے کا جو سلسلہ تائی اور ان کے بچوں نے شروع کیا تھا اس نے باہر والوں کو بھی گویا پرمٹ دے دیا تھا۔ ہم پر طعنے کسنے اور آوازیں لگانے کا۔ لوگوں نے اپنے بچوں کو مجھ سے ٹیوشن پڑھنے سے منع کردیا کہ جس گھر کی لڑکیوں کا کردار ہی خراب ہو، وہاں سے کیسی تعلیم اور کیسی تربیت لینی۔ امی نے پھر ہمارے کالج کی کینٹین میں کام شروع کرکے معاشی جدوجہد کے مشکل سفر پر پہلا قدم دھرا تھا۔ ہم ماں بیٹیاں اکٹھے گھر سے نکلتے اور سہ پہر کو جب تھک کر آتے تو لوگوں کے معنی خیز جملے اور رویے بتاتے تھے کہ ہم کیا ہیں۔

حالات سے شکوہ تھا یا لوگوں کے رویے کہ سپنا نے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں کام شروع کرکے لوگوں کے الزامات پر تصدیقی مہر ثبت کردی اور جس دن ہمارے گھر رات کو دو تین سائے کودے۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ ہم نے ہی ان کو بلایا تھا اور کسی جھگڑے کی صورت میں ہم نے بعد میں شور مچا کر ان کو چور ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ جانے وہ لوگ کچھ چرانے کی نیت سے آئے تھے یا واقعی ہماری شہرت کے باعث ہماری عزتوں پر شب خون مارنے آئے تھے مگر اپنے ساتھ میرے سارے خوف، ڈر، مروت اور احساس ساتھ ہی لے گئے۔''

اس نے ایک طویل سانس لی تھی۔ فرید تو دم سادھے بس اس ظلم کی داستان سن رہا تھا جو ان عورتوں نے لوگوں کے رویوں کے سبب برداشت کیا تھا۔

اس رات کی صبح میں نے سوچا تھا اور کالج کے بعد پارٹ ٹائم ریسپشنسٹ کے طور پر کام شروع کردیا تھا ایک ہوٹل میں۔ جسمانی تربیت کے سینٹر سے مارشل آرٹ سیکھا۔ امی مجھ سے اور سپنا سے بہت ناراض تھیں، ان کے خیال میں ہم باپ کا نام ڈبو رہے تھے اور ان کی تربیت کو بٹا لگا رہے تھے۔ جس دن میں نے اپنی ڈگری مکمل کی، سپنا نے گھر چھوڑ دیا

تھا کہ وہ سفیر سے شادی پر بضد تھی جو کہ پہلے سے ہی شادی شدہ، بال بچوں والا آدمی تھا۔ امی یہ ہی وہ اس کو اکیلے دبئی جانے کی اجازت دے رہی تھیں جہاں اس ایک ایڈ کی شوٹ اس کی منتظر تھی۔

زندگی نے ایک اور مشکل موڑ لیا تھا اس کے بعد میری جاب ہوگئی تو میں نے امی کی کیٹین والی جاب چھڑوادی تھی کہ مسلسل پریشانیوں نے ان کو بیمار کر ڈالا تھا۔ پھر میں بھول گئی کہ میں ایک لڑکی ہوں یا ایک انسان ہوں۔ مجھے صرف اتنا یاد رہا کہ میری ماں اس دنیا میں میرا واحد سہارا ہے۔ یہ تو کم ظرف لوگ آ کر مجھے یاد دلاتے ہیں کہ میں لڑکی ہوں، بھاگی ہوئی ماں کی بیٹی اور بھاگی ہوئی بہن کی بہن ہوں۔ ان کو مجھ سے لڑکی ہونے کا خراج چاہیے۔

تائی کا بیٹا جس دن میرے راستے میں آیا۔ میں نے اسے کہا مجھ سے نکاح کر لے۔ اس نے زمین پر تھوک کر کہا۔ نکاح اور تم جیسی لڑکی سے..... لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہو میں تو پھر تمہارا رشتے دار ہوں، میرا حق زیادہ ہے تم پر۔"

اس کی مجروح فہمی فرید کو عجیب سے احساس سے دوچار کر گئی۔

"آپ کے آنے سے پہلے وہ شہر کے ہر لوفر کو اس تھپڑ اور مار کا بدلہ لینے کے لیے میرے پیچھے لگا چکا ہے جو میں نے بھرے محلے میں اس کو لگائی تھی۔ پچھلے دنوں ایک محترم کا رشتہ بھولے بھٹکے میرے لیے آ ہی گیا تو وہ محترم میرے آفس تک پہنچ گئے کہ شادی تو ہو ہی جائے گی کیوں نا کچھ ٹائم ساتھ گزار لیا جائے۔ میرے منع کرنے پر اس نے بھی میری بہن اور ہماری شہرت کا حوالہ دے کر کہا کہ ہمارے لیے اس قسم کا میل ملاپ کون سی نئی بات ہے۔

مجھے بتایئے فرید صاحب! میں اگر دنیا کو وہی لوٹا رہی ہوں جو اس نے مجھے دیا ہے تو اس میں برا کیا ہے؟ لیکن ایک بات تو طے ہے کہ متاع احمد خان کسی کے لیے بھی مفت کی مال متاع نہیں ہے۔"

وہ ایک عزم سے بولی۔

"بالکل متاع! آپ تو کیا اللہ کا پیدا کیا گیا ہر انسان ایک قیمتی متاع ہی تو ہے۔ اس کے دنیا میں آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، یقیناً آپ کا بھی ہوگا۔" اس نے پورے خلوص سے کہا۔

"آپ کو یہ سب اس لیے بتایا کہ آپ کی نظروں میں بھی ہلکا سا ہی وہی تاثر میرے لیے نظر آیا تھا جو دوسرے اپنے دل میں رکھتے ہیں اور زبان سے ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن آپ کا اور میرا تعلق ایک باس اور ایمپلائی کا ہے۔ ہم نے نجانے کب تک اکٹھے کام کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتی، آپ کی مجھ سے بدگمانی کا اثر ہمارے کام پر پڑے یا شاید....." وہ کہتے کہتے رکی۔

"دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی نظروں میں برا بننا آپ کو تکلیف دیتا ہے۔"

اس کی بات پر فرید نے حیرت سے اسے دیکھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس سے اس بات کی توقع کبھی نہیں رکھتا تھا۔

"آپ کا احسان تو شاید میں عمر بھر نہ اتار پاؤں کہ کچھ کاموں کا صلہ آپ کبھی دے ہی نہیں سکتے..... اور صلہ دینا انسان کے بس میں ہی کہاں ہے صلہ تو اللہ دیتا ہے، ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔"

"پلیز متاع! آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کریں۔ بخدا آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا، میں اس کی مدد کو بھی ویسے ہی آتا جیسے آج آیا ہوں۔ آپ بالکل بھی ایسا مت سوچیں نہ مجھے کسی قسم کا شکریہ چاہیے۔" فرید نے قطعی انداز میں کہا۔

"سپنا کے گھر سے چلے جانے کے بعد ایک بار امی کی ایسے ہی رات کو طبیعت خراب ہوگئی، میں نے تائی کے گھر جا کر تائی کی اور ثاقب کی منت کی کہ میرے ساتھ ہاسپٹل چلیں۔ تائی نے مجھے گھر سے نکال کر گیٹ بند کر دیا۔ میں ٹیکسی والے کی مدد سے امی کو ہسپتال لے گئی اور اگلی صبح ثاقب دروازے پر ہی کھڑا تھا اپنے چند اوباش دوستوں کے ہمراہ کہ ہمارے جیسی عورتوں کا اس گھر پر اور اس محلے میں

pklibrary.com

رہنے کا کوئی حق نہیں۔

پہلی بار میں نے تھانے کا راستہ دیکھا تھا اس دن..... کسی محتاط لمحے میں، میں اس مکان کے کاغذات پہلے ہی محفوظ کر چکی تھی جن کو دیکھ کر پولیس کی مدد سے میں اپنے ہی گھر میں دوبارہ داخل ہوئی تھی۔ یہ اور بات کہ امی کی دو چوڑیاں بیچ کر ہمیں پولیس کو ان کا خرچا پانی دینا پڑا تھا۔"

بے تاثر لہجے میں اس نے ایسے کہا جیسے کسی اور کے بارے میں بات کر رہی ہو۔ دور کہیں فجر کی اذان پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، ساتھ میں فرید بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں خاموشی سے ساتھ چلتے ہوئے اندر آئے۔ فرید کو لگا اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے ہیں، کسی بھی قسم کی تسلی یا مداوے کے لیے، صالحہ ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔

"میں نماز پڑھ کے آتا ہوں۔"

فرید نے کہا۔ سر ہلا کر وہ صالحہ کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ اور بیس پچیس منٹ بعد جب وہ واپس آیا تو ہاتھ میں چائے کی چینک، دو کپ اور ساتھ لفافے میں کچھ رسک اور بسکٹ تھے۔ متاع نے دوپٹا نماز کے انداز میں پہنا ہوا تھا اور صالحہ کے بالکل قریب کرسی پر بیٹھ کر ان پر پڑھ پڑھ کر کچھ پھونک رہی تھیں۔

"آئیں متاع! ناشتہ کر لیں، ابھی تو یہی کچھ دستیاب ہو سکا ہے۔ صبح تک کینٹین کھل جائے گی تو پراپر ناشتہ وہاں سے ہی مل سکے گا۔"

پاس پڑی بینچ پر اس نے چائے کا سامان رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے صرف چائے دے دیجیے اور کسی چیز کو دل نہیں کر رہا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

متاع کے کہنے پر فرید نے کپ میں چائے ڈال کر اسے دی تھی۔ خود بھی عجلت میں چائے پی کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ہوں متاع! آفس کے لیے نکلنا ہے۔ آپ کی اپیلی کیشن سمٹ کروا دوں گا۔ فکر مت کیجیے گا۔ اگر مناسب سمجھیں تو آنٹی کی کنڈیشن کے بارے میں مجھے بتا دیجیے گا جب ڈاکٹر وزٹ کر جائے تو....."

"جی..... فرید سر! ایک اور کام بھی کر دیجیے گا آج۔ یہ آج ہی سیل کر دیجیے، کچھ پے منٹ میں نے کل جمع کرا دی تھی۔ باقی کی جیسے ہی ڈسچارج سلپ ملے گی جمع کرانے ہوں گے۔ ہاسپٹل کے ڈیوز....."

"مگر....." لفافے میں ایک چین اور دو انگوٹھیاں تھیں جن کو دیکھ کر فرید ٹھٹکا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں! اور اس بارے میں اور کچھ کہیے گا بھی مت۔ جس سے مجھے لگے کہ میں نے آپ پر بھروسا کر کے غلطی کی ہے۔"

اس کا لہجہ کچھ کچھ پرانی متاع والا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے متاع! جیسے آپ کی مرضی، چلتا ہوں، کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے گا۔" لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اور..... آپ دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔" اس کی بات پر فرید ٹھٹک گیا۔

"اسی میں آپ کی اور ہم سب کی بہتری ہے۔"

رخ موڑ کر وہ صالحہ کی ڈرپ کی اسپیڈ چیک کرنے لگی، جو کچھ دیر قبل نرس لگا کر گئی تھی۔

"ٹھیک ہے! اللہ حافظ....."

کچھ لمحے سوچنے کے بعد فرید نے کہا اور بوجھل قدموں سے ہسپتال کے احاطے سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

گھر آنے پر ایک نئے محاذ کا سامنا کرنا پڑا اسے۔ کسی نے خالہ کو بتایا تھا یا انہوں نے خود ہی دیکھ لیا تھا متاع کے ساتھ جاتے ہوئے کہ وہ تمام ہتھیاروں سے لیس ملی تھیں اسے۔ صالحہ سے شروع ہو کر متاع تک کی آوارگیوں کے ایسے ایسے قصے روتے ہوئے سنائے کہ اگر متاع سے وہ سب سن نہ چکا ہوتا اور خود صالحہ کی حالت نہ دیکھ چکا ہوتا تو شاید وہ بھی ان باتوں کا یقین کر لیتا۔

"رات واقعی ان کی حالت بہت خراب تھی خالہ! وہ ابھی بھی ہاسپٹلائزڈ ہیں۔ ڈاکٹرز نے ان کی

pklibrary.com

حالت کوئی خاص تسلی بخش نہیں بتائی۔" دکھتے سر کو دباتے اس نے آہستہ سے کہا۔

"ارے میرے بھولے بچے! یہی تو ان چنڈال عورتوں کی چالیں ہیں۔ ایسے ہی پھنسا لیتی ہیں تم جیسے معصوم لوگوں کو۔ ایسے ایسے ڈھونگ آتے ہیں ان کو کہ خدا کی پناہ! میرا ابھی پچپن سال کا ساتھ ہے، میں جانتی ہوں۔" خالہ چمک کر بولی تھیں۔

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں، یقین نہیں آتا تو ثاقب بھائی سے پوچھ لیں۔ انہوں نے کئی بار اس مسکینی متاع کو غیر مردوں کے ساتھ کبھی کہاں تو کبھی کہاں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ ثاقب بھائی نہ سہی محلے کے کسی گھر، کسی فرد سے پوچھ لیں، آپ کو پتا چل جائے گا۔"

ستارہ کیوں خالہ سے پیچھے رہتی۔ سو وہ بھی میدان میں آ گئی تھی۔

"اچھا، میرا آفس کا ٹائم ہو رہا ہے۔ میں چلتا ہوں خالہ! واپس آ کر بات ہوتی ہے۔" گھڑی دیکھتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ، میری مت ماری گئی کہ ان کم بختوں کے چکر میں تمہارا کیا، سب کا ناشتا گول ہو گیا۔ چل ستارہ! فٹافٹ بچے کا ناشتا بنا، ہم تو بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔"

خالہ نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں خالہ! چائے راستے میں پی لی تھی۔ ناشتے کی کچھ خاص طلب نہیں ہو رہی۔ ضرورت پڑی تو آفس میں کچھ لے لوں گا، چلتا ہوں۔"

جلدی میں ان سے جان چھڑاتا وہ بائیک کھینچ کر باہر آ گیا تھا۔

پھر آفس میں اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ملی تھی کہ مہینے کا پہلا دن تھا۔ ایسے میں بینک میں کام عروج پر ہوتا تھا۔

"مس احمد نہیں آئیں سر! کچھ اتا پتا......؟" سرمد کچھ سائن کرانے آیا تو پوچھا۔

"جی کچھ ایمرجنسی تھی، ایپلی کیشن میرے پاس پہنچ چکی ہے، کوئی کام ہے آپ کو؟"

"نہیں نہیں۔ کام تو نہیں ہے، بس وہ چھٹی کم کرتی ہیں تو اس لیے پوچھ لیا۔" اس کے خشک لہجے میں دیے گئے جواب پر سرمد فوراً ہی پنشن بک اٹھا کر چلا گیا تھا۔

"امی کافی بہتر ہیں اب، تین دن مزید آبزرویشن میں رکھنے کا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر، بہن آ گئی ہیں۔ ہمارے پاس......"

تین جملوں میں ساری کہانی بیان کی گئی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں مختصر سا وہ ٹیکسٹ فرید کا خود پر طاری چڑچڑا پن اور تھکاوٹ ختم کر گیا تھا۔ موڈ ذرا بہتر ہوا تو یاد آیا کہ وہ صبح سے بھوکا ہے۔ پیون کو بلا کر کچھ کھانے کا لانے کو کہا۔ پھر اس نے جیب سے وہ چین اور انگوٹھیوں والا لفافہ نکالا تھا کہ یہ کام بھی آج ہی کرنا تھا۔

☆☆☆

چار بجے تک جب وہ گھر آیا تو ارادہ یہی تھا کہ لمبی تان کر سوئے گا مگر حیرت کا شدید جھٹکا اسے اپنے گھر والوں کو یہاں دیکھ کر لگا تھا کہ ابھی پرسوں ہی تو وہ گھر سے ہو کر واپس آیا تھا۔

"آپ سب لوگ...... خیریت تو ہے......؟"

وہ واقعی حیرت سے بولا۔

"آپ کی یاد نے کچھ اس بری طرح سے ستایا کہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے آئے۔" سدرہ مزے سے بولی تھی۔

"منہ ہاتھ دھو کر فوراً آ جاؤ...... سب تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں کہ تم آؤ تو اکٹھے ہی کھانا کھائیں گے اٹھو بھئی ستارہ فوراً کھانا لگا دو......"

خالہ کی تو خوشی کا عالم ہی نرالا تھا، بہن کو دیکھ کر کہ پوری زندگی میں وہ دوسری بار ان کے گھر آئی تھیں۔

"چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں تمہاری مدد کرانے۔" سدرہ بھی ستارہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا اور پھر خالہ

نے ان سب کو دوسرے کمرے میں لا بٹھایا تھا اور خود کوئی کام تھا انہیں یا قصداً ہی انہیں اکیلا چھوڑ گئی تھیں۔

"یہ کیا سن رہی ہوں میں فرید.....؟ سمجھا کر بھیجا تھا تمہیں پھر بھی۔" رقیہ بیگم نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا؟ ایسا کیا سن لیا آپ نے.....؟"

اس نے حاضرین پر نظریں دوڑائیں۔ سدرہ نے نظریں چرالی تھیں تو محب نے محض کندھے اچکانے پر اکتفا کیا تھا۔

"سدرہ! تم جاؤ۔ ستارہ اکیلی کچن میں لگی ہوئی ہے۔"

رقیہ بیگم نے، سدرہ کو بہانے سے وہاں سے اٹھا دیا تھا۔

"ساری دنیا کے مردوں سے علیک سلیک ہے ان ماں بیٹیوں کی..... انہی ہوتے سوتوں کو بلا لیتی تم کیوں دوڑ پڑے کم بخت ماریوں کا شکار بننے۔" سدرہ کے جاتے ہی رقیہ فارم میں آ گئیں۔

"لاحول ولا....." فرید زیر لب بڑبڑایا اور طویل سانس لی تھی۔

"پلیز اماں! مجھے آج تک یہ فخر رہا ہے کہ کم از کم میرے ماں باپ ان روایتی لوگوں سے مختلف ہیں جو سنی سنائی پر یقین کرتے ہیں، جانتی ہیں ناں من گھڑت بات بہتان ہوتی ہے اور کتنا بڑا گناہ ہے یہ....."

وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"اچھا چلو! کوئی ایسی بات نہیں کرتی لیکن تم وعدہ کرو کہ چاہے مر ہی کیوں نہ جائیں وہ ماں بیٹیاں تڑپ تڑپ کر، تم ان سے کلام تو ایک طرف دیکھو گے تک نہیں۔"

رقیہ نے عجیب ہی بات کی۔

"زندہ تڑپنے پر بات کرنے کی اجازت ہے مطلب....." محب نے ٹکڑا لگایا۔

"دیکھو محب! یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے، اس لیے اس میں کچھ مت بولو ورنہ جوتا اٹھاتے میں یہ نہیں دیکھوں گی کہ یہ میرا اپنا گھر نہیں ہے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔" رقیہ غصے میں بولیں۔

"میری بات سنیں اماں! خالہ کی خالصتاً گھریلو چپقلش ہے ان کے ساتھ۔ وہی روایتی جیٹھانی، دیورانی والی چیلسی۔ اسی میں خالہ کچھ زیادہ ہی اوور ری ایکٹ کر گئی ہیں اور کر رہی ہیں۔ کیا یہ لازمی ہے اس میں آپ بھی حصہ ڈالیں، بجائے ان کو روکنے یا سمجھانے کے....."

"تم مجھ سے وعدہ کر رہے ہو یا نہیں.....؟"

رقیہ نے کوئی بھی تاویل خاطر میں لائے بغیر کہا۔

"کمال ہے کیسے وعدہ کر لوں، میں ایک غلط اور بے سروپا مطالبے کے لیے۔ میری ماں جیسی خاتون میرے سامنے پڑی تڑپ رہی ہو دوائی کے لیے اور میں منہ اور نظریں چھپا کر چھپ جاؤں کہ میری ماں سے میرا وعدہ ہے کہ یہ گناہ گار ہے اس کی مدد مت کرو۔" وہ چڑ کر بولا۔

"گناہ، ثواب، جزا اور سزا کا اختیار اللہ کو ہی سجتا ہے۔ انسان اپنے ہاتھ میں لے کر محض خسارے کا سودا ہی کرتے ہیں اور رہا سوال ان کی بیٹی کا..... میرے آفس میں کام کرتی ہے، آپریشن منیجر کے طور پر میری ایمپلائی ہے۔ اس سے سارا دن میرا واسطہ پڑتا ہے، اب آپ سے وعدہ کرنے کے لیے مجھے نوکری سے استعفیٰ دینا ہوگا اور تو کوئی چارہ نہیں ہے میرے پاس....." فرید نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

"آپ کو اپنی اولاد پر اعتبار ہونا چاہیے یہ نہیں کہ خالہ نے الٹی سیدھی پٹی پڑھائی اور آپ چلی آئیں مجھ سے باز پرس کرنے....." وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

"اچھا تم یہ نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں بھی ہمارے وعدے سے آزاد کر دو تاکہ میں جلدی سے لڑکی دیکھ کر تمہاری بات پکی کروں۔ اپنی اولاد پر اعتبار ہے مجھے، خود سے بھی زیادہ، لیکن دنیا پر اعتبار نہیں ہے۔ تقی مرحوم اتنے سادہ، شریف النفس اور اپنے کام

pklibrary.com

سے کام رکھنے والے انسان تھے۔ منگنی ہو چکی تھی ان کی مرضی سے۔ شادی سے پندرہ دن پہلے اس میسنی صالحہ نے ایسا جادو چلایا کہ بیاہ کر لا بٹھایا ہاجرہ کے سر پر....."

"ویسے وہ تقی مرحوم جو بھی تھے..... خالہ اور پھر ان کی بدولت اماں آپ دونوں خواتین ان کو قبر میں بھی آرام سے نہیں رہنے دے رہیں۔ ان کی زوجہ محترمہ پر تو جو ستم توڑے سو توڑے۔"

"میں کہے دے رہی ہوں فرید! میں نے جا کر رابعہ کو ساتھ لینا ہے اور پہلا کام یہی کرنا ہے اب....."

وہ اڑ ہی گئی تھیں اس بات پر..... محب نے فرید کو اشارہ کیا کہ ابھی چپ رہے کہ ابھی وہ غصے میں ہیں۔ بعد میں بات ہو جائے گی۔ لب بھینچتا وہ خاموش ہی رہا تھا۔ رقیہ اس کی خاموشی پر شیر ہوتے ہوئے ایک بار پھر صالحہ نامہ شروع کر چکی تھیں۔

☆☆☆

اگلے دن اسے آفس میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اس کے خیال میں اسے اس وقت صالحہ کے پاس ہسپتال میں ہونا چاہیے تھا۔ دو گھنٹے بعد کسی کام سے وہ اس کے پاس آئی تھی تو اسے صبح آفس کے لیے نکلتے وقت رقیہ کی سرگوشی میں کی گئی تاکید یاد آئی تھی۔

"اس کلموہی کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے زیادہ۔"

"کم از کم آپ خالہ جیسی گفتگو سے گریز کیا کریں۔ آپ جانتی ہیں میں کسی کو بھی نازیبا الفاظ میں نہ پکارتا ہوں، نہ سننا پسند کرتا ہوں۔" فرید نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

"اچھا اچھا! اس بات پر دھیان دو جو میں نے کہی ہے۔"

انہوں نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔ فرید چونکا تھا کہ وہ کوئی کاغذ دکھاتی اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔

"آں ..... ہاں....." سر جھٹک کر وہ حواس میں لوٹا۔

"آپ ہاسپٹل میں ہی رک جاتیں۔ چھٹی کر لیتیں آج۔"

اس کا مطلوبہ درست فگر بتا کر اس نے کہا۔

"سپنا! آ گئی تھی کل۔ وہی ہے امی کے پاس۔ آج شام تک ڈسچارج کر دیں گے امی کو۔"

"چلیں پھر ٹھیک ہے..... یہ آپ کی امانت..... ساٹھ ہزار روپے ہیں۔" دراز سے لفافہ نکال کر اسے تھمایا۔

"شکریہ سر....."

لفافہ لے کر اس نے فرید کو شکریہ کہا اور اسی بجھے بجھے انداز میں وہاں سے چلی گئی تھی۔ اسی پل اسے محب کی کال موصول ہوئی تھی۔

"کیا کر رہے ہیں بھائی!"

"کچھ خاص نہیں..... تم بتاؤ خیریت سے کال کی۔"

"نہیں، خاص بات تو کوئی نہیں ہے بس سالوں سے بچھڑی بہنوں کا ملن ہوا ہے تو خدا معاف کرے۔ غیبت لکھنے والے فرشتے کے رجسٹر ختم ہوئے جا رہے ہیں، ان خواتین کی صالحہ مہم ہی ختم نہیں ہو رہی۔ ایسے ایسے منصوبے اور پروگرام بنائے جا رہے ہیں کہ شیطان بھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے، بے بسی سے، ثابت ہوا کہ تربیت دھری کی دھری رہ جاتی ہے جینز کے سامنے..... تیس سالہ رفاقت اور تربیت خالہ کی سیاست کے آگے سر نیہوڑے پڑی ہے....."

محب کی زبان ایک بار چلی تو پھر رکنے کا نام ہی نہیں لیا۔

"ویسے سارے وعدے اور قسمیں آپ کے لیے ہیں۔ شکر مجھ غریب پر نظر نہیں پڑی ان خواتین کی اس لیے میں تو آزاد ہوں..... سوا و پر کے چار چکر لگا چکا اور گلی کے بھی..... اف "موسٹ وانٹڈ" خواتین سے ملاقات کے لیے..... مگر خالی گھر بھاں بھاں کر رہا ہے اور باہر گیٹ پر دو کلو وزنی تالا الگ منہ چڑا رہا ہے۔"

pklibrary.com

"آنٹی ہاسپٹلائزڈ ہیں..... اور متاع آفس میں ہے۔ ٹھیک ہے، میں پھر گھر آکر بات کرتا ہوں۔" سامنے سے شمس صاحب کو کسی کام کے لیے آتا دیکھ کر اس نے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆

فرید چاہتا تھا کہ رقیہ کو اب گھر چلے جانا چاہیے مگر ہاجرہ نے بصد اصرار ان کو روک رکھا تھا کہ اب آئے ہیں بہن اور ان کے بچے تو وہ کم از کم ان کو ایک ہفتہ تو اپنے پاس روکیں گی۔

"کیا کمال خاتون ہیں صالحہ آنٹی....."

محب کے فقرے نے فرید کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کل ہی تو صالحہ ہاسپٹل سے گھر آئی تھیں۔ اور آج فرید جب معمول کے مطابق آفس کا کام لے کر بیٹھا تھا تو محب اس کی چائے لے کر اوپر آ گیا تھا اور آتے ہی کہا تھا۔

"تم..... تمہیں کیسے پتا.....؟"

اس سے چائے کا کپ لیتے وہ حیرت سے بولا۔

"میں گیا تھا آج ان کی طرف..... بہت پیار سے ملیں۔ آپ کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔ اچھی خاصی پڑھی لکھی خاتون ہیں، ان کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ تعلیم انسان کو شعور کو سکھاتی ہے اور تربیت تو انسان گفتگو سے چھلکتی ہے۔ اتنی عاجزی، اتنی انکساری تو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے..... میں نے دو تین بار خالہ کا ذکر بھی، کیا مگر مجال ہے جو خاتون نے پلٹ کر کوئی غلط رائے دی ہو یا ان کے کسی غلط رویے کا ذکر کیا ہو۔ ان کی بیٹی سپنا تھوڑی اکھڑ لگیں مجھے اور مغرور بھی..... لیکن آنٹی کے کہنے پر میرے لیے چائے بھی بنائی اور کھانے کے لیے بھی کافی الا بلا اٹھا لائیں....."

محب کے مزے سے بتانے پر فرید بس حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں۔ خالہ احساس کمتری کا شکار ہو گئی تھیں ان خاتون کے آنے سے۔ شکل وصورت میں لاکھوں میں ایک تھیں صالحہ آنٹی تو تعلیم کا تڑکا بھی ساتھ ہی لگا دیکھ کر انہوں نے اسی ایک کمزوری کو پکڑا کہ انہوں نے مرضی سے شادی کی تھی ان کے دیور سے اور رائی تو وہی "مرضی کی شادی تھی" آگے کا پہاڑ خالہ کا بنایا ہوا لگتا ہے مجھے....."

محب نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھیک ٹھاک تجزیہ کیا تھا۔

"اور..... متاع؟ اس سے ملاقات ہوئی؟"

چائے کا سپ لیتے فرید نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ہاں جی ہوئی تھی..... مگر آپ نے ان کے ڈراؤنے قصے سنا سنا کر مجھے اتنا خوف زدہ کر رکھا تھا کہ جیسے ہی ان کی بائیک گھر کے اندر داخل ہوئی۔ میں ڈر کے مارے اٹھ کھڑا ہوا۔ مبادا آپ کی طرح انگلی پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیں۔ جلدی جلدی میں صالحہ آنٹی سے سلام دعا کر کے نکل رہا تھا کہ محترمہ ہیلمٹ بغل میں دبائے صحن میں ٹکرا گئیں۔"

"بھائی قسم سے ایسے کڑک کر پوچھا کہ "کون ہو تم" لرزا ہی طاری ہو گیا مجھ پر..... میں نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ فرید بھائی کا چھوٹا بھائی ہوں محب..... بھائی سے آنٹی کی طبیعت کا سن کر چلا آیا۔" الفاظ ہی ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے میرے منہ سے۔"

بڑا معنی خیز ہم تھا جو ان کے منہ سے نکلا۔

"اس سے پہلے کہ بھاری بھرکم ہیلمٹ سے میرا سر ہی پھوڑ ڈالتیں، میں پتلی گلی سے نکل آیا۔"

متاع سے ملاقات کا قصہ محب نے کچھ اس انداز میں بیان کیا کہ فرید ہنس پڑا۔

"مسخرے ہو تم بھی محب!"

"اور سنیں! جو بات بتانے کے لیے آیا تھا وہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"سنا دو یار! وہ بھی سنا ہی دو۔ اب تمہاری موجودگی میں کام تو ہو نہیں سکتا۔"

فرید نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"اماں نے جیسے ہی خالہ کو آپ کا پلان بتایا کہ

pklibrary.com

آپ نے شادی کے لیے ایک سال کی مہلت مانگی ہے۔ خالہ نے فوراً ہی توپوں کا رخ میری جانب کر کے اپنی دختر نیک اختر کو میرے پیچھے لگا دیا۔"

"بہت غلط بات محب! بہنوں جیسی ہے ستارہ تمہاری اور بہنوں کی عزت کرتے ہیں۔" فرید بڑا بھائی بن گیا۔

"فوراً مجھے ہی ڈانٹ دیا کریں..... پوری بات تو سنیں....."

محب منہ بنا کر بولا۔

"محترمہ نے خالہ سے چوری چھپے موبائل رکھا ہوا ہے..... کل جب میں اوپر صالحہ آنٹی کا گھر دیکھنے آیا تو آپ کے اسی کمرے میں وہ اپنے کسی ہاشم صاحب کو ساری تفصیل بتاتی پائی گئیں کہ بڑے والا تو ہرگز قابل قبول نہیں اسے، انسان نہیں روبوٹ لگتا ہے۔ مشین جیسا سپاٹ۔ آپ کے بارے میں کہا بھائی....."

"سن رہا ہوں..... پھر....." فرید بغیر تاثر کے بولا۔

"پھر یہ کہ جلدی سے رشتہ لے کر آئے ورنہ اس کی ماں اس کو چھوٹے کے ساتھ رخصت کرنے کے چکر میں ہے..... اور چھوٹے کو وہ قبول کر لیتی اگر جو ہاشم صاحب اس کی زندگی میں نہ آئے ہوتے۔" محب نے رازدارانہ انداز میں بتایا۔

"اب اس سے پہلے کہ رقیہ بیگم بہن کی محبت میں مجھے قربانی کا بکرا بنا دیں۔ اماں کو رخصت کریں یہاں سے بھائی! یہ نہ ہو آپ کی خبر لینے آئی تھیں۔ مجھے ستارہ خاتون کے سر منڈھ دیں....."

"محب! نیچے آؤ، فرید کو بھی بلاؤ۔"

رقیہ کی آواز پر دونوں چونکے تھے۔ وہ نیچے کھڑی چلا رہی تھیں کہ گھٹنوں کے درد کے باعث اوپر چڑھنا محال تھا ان کے لیے۔

"جی اماں....."

محب نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھائی نیچے تھے۔

☆☆☆

ہفتہ وار چھٹی کا دن تھا۔ صالحہ کی طبیعت پہلے سے تو کچھ بہتر تھی تاہم ڈاکٹرز نے جب سے متاع کو بتایا تھا کہ ان کے پھیپھڑے ساٹھ فیصد سے زائد بیماری نے ختم کر دیے ہیں، وہ بہت پریشان تھی۔ صالحہ بھی شاید حقیقت کو بھانپ چکی تھیں، اس لیے اٹھتے بیٹھتے یہی ذکر چھیڑے نظر آتیں کہ متاع کو اپنے گھر بار کا کر دیں تو پھر بھلے موت بھی آجائے تو کوئی غم نہ ہوگا۔

متاع نے ان کو کرسی پر بٹھایا..... اور ان کے سر میں تیل کی مالش کرنے لگی۔ سپنا بھی چائے کا کپ لیے سامنے والی کرسی پر آبیٹھی..... وہ جب سے آئی تھی، یہیں رکی ہوئی تھی۔

"تمہارے سفیر صاحب نظر نہیں آرہے ہیں؟"

متاع نے صالحہ کے بالوں میں نرمی سے مساج کرتے پوچھا کہ وہ ایک بار بھی دیکھنے یا ملنے نہیں آیا تھا نہ ہاسپٹل اور نہ ہی گھر.....

"میں اب ٹھیک ہوں بچے! تم نے گھر جانا ہے تو چلی جاؤ..... بچہ پیچھے تنگ نہ ہو رہا ہو۔" صالحہ نے کہا۔

"سفیر مجھے لینے نہیں آئیں گے۔ وہ ناراض ہو گئے ہیں مجھ سے۔"

سپنا نے کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے جتاتی ہوئی نظروں سے متاع کو دیکھا تھا۔ صالحہ سنتے ہی پریشان ہو گئیں۔

"کیوں ناراض ہیں؟ کچھ پتا بھی چلے....." وہ پریشانی سے بولیں۔

"آپ ریلیکس رہیں امی! ہو جاتے ہیں میاں بیوی میں ہزاروں مسئلے....." متاع نے ان کو کندھوں سے پکڑ کر تسلی دلائی۔

"جس رشتے کا میں نے متاع کے لیے بتایا تھا، وہ سفیر کا بہترین دوست ہے۔ ان سے سفیر کے تعلقات بھی بہت اچھے ہیں۔ سفیر نے تو بھلا ہی سوچا اس کا۔ اور اس کو امید دلا دی تھی کہ اتنے اچھے رشتے

pklibrary.com

کے لیے انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ جیسے رانا کو اپنا بھائی مانتے ہیں ویسے متاع کو اپنی بہن......اب جیسے ہی میں نے اس کے انکار کا بتایا......وہ کہتے ہیں کس منہ سے اپنے دوست کا سامنا کریں گے؟"

متاع کے ہاتھ وہیں ساکت ہو گئے اور پیشانی شکنوں سے بھر گئی تھی۔

"کیوں، میرے لیے دنیا میں وہی ایک عیاش کھر ہی رہ گیا ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"تو اور رشتوں کی لائن بھی تو نظر نہیں آ رہی مجھے یہاں۔" سپنا ترنت بولی۔

"تمہارے شوہر کی ذہنیت تو یہیں پر کھل گئی ہے کہ آج ایک ناجائز بات ماننے کے لیے تمہیں ماں کے گھر بٹھا دیا......آج ان کی بات مان لیں۔ کل کوئی اور قصہ ہوگا تو کیا عمر بھر تم بلیک میل ہوتی رہو گی۔"

"بس کرو تم دونوں......" صالحہ بے بسی سے بولیں

"سپنا! تم فون کر کے سفیر سے کہو کہ اس لڑکے کو لے آئے۔ میں ملنا چاہتی ہوں اس سے......"

"امی! میں ہرگز بھی اس شخص سے شادی نہیں کروں گی۔" متاع بھی ان کے سامنے آ کر ہٹیلے پن سے بولی۔

"بات ابھی شادی کی ہو بھی نہیں رہی......سفیر اتنا اصرار کر رہا ہے تو دیکھ لیتے ہیں، مل لیتے ہیں۔ ہاں، ناں کا فیصلہ تو اس کے بعد کا ہے ناں......داماد بھی خوش ہو جائے گا کہ میری بات کو کچھ اہمیت تو دی......"

"داماد کو خوش کرنے کے چکر میں بیٹی کو داؤ پر لگا دیں آپ......ایک پہلے ہی پھنس چکی ہے اس کے جال میں......"

"متاع! یہ دیکھ میرے بندھے ہاتھوں کو......میں یقین دلاتی ہوں کہ تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا مگر دنیا داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور رشتوں کو نباہنے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جنہیں پورا کرنا پڑتا ہے......"

صالحہ کی بات سن کر متاع پیر پٹخ کر اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

صبح ہی وہ لوگ روانہ ہوئے تھے۔

"میں انتظار کروں گی تمہارا اس چھٹی پر......اور بات پکی کر کے ہی بھیجوں گی اب اور عید سے پہلے میں نے تمہاری شادی کرنی ہے۔ غضب خدا کا ایک تم دونوں بھائی دنیا میں شریف رہ گئے ہو۔ باقی سب تو گویا گناہ گار، سیاہ کار ہیں۔ فلاں لڑکی کا چکر تھا۔ تو فلاں فون پر بات کرتی ہے کسی سے۔ اپنے گریبانوں میں جھانکتا کوئی نہیں اور چلے ہیں دوسروں کو غلط ثابت کرنے......"

جانے سے پہلے انہوں نے بہت غصے سے کہا تھا کہ محب سے ستارہ کے حوالے سے بات کرنی چاہی تو اس نے صاف صاف انکار کرتے ہوئے ساری بات کہہ سنائی تھی۔ اور ثاقب کی روٹین تو وہ دیکھ ہی چکی تھیں، سو اس کے لیے ہاجرہ کو صاف انکار کر دیا تھا۔ جس پر ہاجرہ کا موڈ بھی کچھ خراب تھا۔

"ٹھیک ہے! میں آتا ہوں تو دیکھتے ہیں مگر ابھی آپ نے کسی کو کوئی امید نہیں دلانی۔"

"سمجھتی ہوں میں تم سے بہتر...... پاگل نہیں ہوں۔ خدمت خلق پر کم اور اپنے کام پر زیادہ توجہ دینا۔ دوبارہ کہہ رہی ہوں......"

جاتے جاتے بھی وہ اسے نصیحت کر کے گئی تھیں۔ فرید کیا کہتا بس شاکی نظروں سے ان کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اور رقیہ کے گھر پہنچنے کی دیر تھی کہ رابعہ کے ساتھ مل کر انہوں نے رشتہ ڈھونڈ مہم پر ایک بار پھر پورے زور و شور سے کام شروع کر دیا تھا۔ روز اس کے واٹس اپ پر ایک لڑکی کی تصویر، کوائف اور دیدہ و نادیدہ خوبیاں آتیں......ایک لڑکی پر تو ان کا اصرار اتنا بڑھا کہ فرید تنگ آ کر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا اور کئی بار تصویر دیکھنے پر اسے لگا کہ اسے اب

pklibrary.com

ہاں کر دینی چاہیے۔ اس کی ہاں پر رقیہ نے بہت سی دعاؤں سے نوازا تھا اسے اور جلد آنے پر زور دیا تھا۔ تاہم فرید نے ابھی لڑکی والوں کو کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا تھا کہ وہ ایک بار خود لڑکی سے ملنا چاہتا تھا۔ صبح اور شام وہ اس کی تصویر دیکھ کر خود کو یاد دلاتا کہ وہ اس کی منگیتر ہے اور اس سے ہی اس کی شادی ہونی چاہیے۔

عجیب سی بیزاری اور یاسیت بھرے دن تھے کہ وہ دانستہ خود کو کام میں مصروف رکھ کر سب کچھ بھلا دینا چاہتا تھا۔ کچھ دن سے متاع بھی الجھی الجھی اور چپ چپ سی تھی۔ اس ویک اینڈ پر اس کا گھر جانے کا ارادہ تھا۔ ہفتہ کی شام کو اسے گھر کے لیے نکلنا تھا۔ جمعہ کی صبح کو وہ اس کے پاس آئی تھی۔

''میرا کل نکاح ہے......'' کھڑے کھڑے ہی اس نے بتایا۔ پھر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، فرید نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اندر جیسے کچھ چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ وہ کچھ لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ اسے لگا اس کی قوت گم ہو گئی ہے۔

''کیوں؟ میرا مطلب ہے کس کے ساتھ؟''

بہت دت سے اس کے منہ سے بے ربط نکلا۔

''یہ بات معنی نہیں رکھتی کہ کون، کیا کیسے؟ جو بات معنی رکھتی تھی وہ اپنا آپ منوا کر متاع احمد کو باور کرا گئی کہ رشتوں کو آپ کی طاقت ہونا چاہیے کمزوری نہیں، ورنہ یہ کسی نہ کسی موڑ پر آپ کو ہارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''

''عجیب بات ہے ناں فرید سر! بہت دفعہ زبان سے نکلے لفظ آپ کے منہ پر آ کر ایسا طمانچہ رسید کرتے ہیں کہ جس کی چوٹ سیدھی دل پر پڑتی ہے اور عمر بھر تکلیف دیتی ہے۔'' وہ زخمی سی مسکراہٹ لیے بولی۔

''جس شخص کے بارے میں، میں منہ پھاڑ کر کہتی تھی کہ دنیا کا آخری مرد بھی ہو تب بھی متاع احمد اس سے کبھی شادی نہیں کرے گی۔ رات ماں کی اکھڑی سانسوں اور بندھے ہاتھوں کو زیادہ دیر برداشت ہی نہیں کر پائی۔ اور ہاں کر دی......''

ایک آنسو ٹپک کر میز کی شفاف سطح پر گرا تھا۔

''شہر کی جانی مانی شخصیت ہے وہ...... رانا کے نام سے مشہور ہے۔ جمشید پروڈکشن ہاؤس کا مالک۔ آن ریکارڈ تیسری شادی ہے مجھ سے۔''

''میری طرف سے صرف آپ مہمان ہوں گے کہ دنیا میں ایک واحد شخص جس کی نظروں میں، میں نے عورت کے لیے احترام دیکھا ہے اپنے بابا کے بعد......''

''چلتی ہوں...... استعفیٰ ٹائپ کر کے آپ کو بھیج دیا ہے۔ معاف کیجیے گا کہ رولز کے مطابق مزید ایک ماہ کام نہیں کر سکوں گی کہ میرے ہونے والے شوہر کو یہ ٹکے کی نوکری پسند نہیں ہے، جس نے سالوں ہمیں ہر سرد و گرم سے بچائے رکھا۔ میری دعاؤں میں جو مختصر لوگ ہیں ان میں آپ بھی شامل ہیں۔ یہ یقین رکھیے گا۔'' کہہ کر وہ جیسے آئی تھی، ویسے ہی چلی گئی۔

فرید اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا' لیکن پتا نہیں کیوں کسی بت کی مانند ساکت بیٹھا، شیشے کی دیوار کے پار اسے اپنی چیزیں بیگ میں ڈالتے اور پھر رخصت ہوتے دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

آج شام ہی متاع کا نکاح تھا اور آج ہی کی شام فرید کو گھر کے لیے روانہ ہونا تھا، جہاں ایک نئی زندگی کی شروعات اس کی منتظر تھی۔ نجانے کیوں اس نے ٹیرس کے کتنے ہی چکر لگا ڈالے، نیچے کوئی نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ گھر اتنا ہی ویران اور خاموش تھا جتنا اس کا اندر اور چار بجے کے بعد تو اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہی ہو گئی۔ متاع احمد خان کا تصور اتنا قوی تھا کہ ایک پل کو بھی دل و دماغ پر سے گرفت نہیں ہٹا پا رہا تھا اور اس کے بچھڑنے کا خیال اتنا روح فرسا تھا کہ اسے لگ رہا تھا فضا سے، آکسیجن کم ہو رہی ہے۔ کرتے کے بٹن کھول کر گہرے گہرے سانس لیتا وہ باہر آ گیا۔ نیچے دیکھنے پر سانسیں رکنے لگیں کہ اب گھر میں کچھ چہل پہل کے آثار بھی تھے اور کچن سے

pklibrary.com

آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ عجلت میں وہ اندر آیا اور محبّ کو کال ملائی۔

''محبّ...... محبّ! میں...... میں بہت پریشان ہوں یار! وہ......وہ کسی اور کی ہو رہی ہے۔ اس کا...... اس کا نکاح ہے آج اور تیرا بھائی کچھ بھی نہیں کر پا رہا......'' اسے لگا وہ رو دے گا۔

''میرا دل کھنچتا تھا اس کی جانب...... کچھ الگ تھا اس کے لیے میرے دل میں مگر میں خود کو سمجھ ہی نہیں سکا اور آج...... آج وہ کسی اور کی ہونے جا رہی ہے تو......''

وہ بے قراری سے کہہ رہا تھا پھر کچھ دیر دوسری طرف محبّ کی بات سنتا رہا اور موبائل تیزی سے وہیں چھوڑ کر بھیگی آنکھیں آستین سے پونچھیں اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔

☆☆☆

''اور میں سچ کہہ رہی ہوں کہ اتنی حسین دلہن میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' کسی مورتی میں ڈھلی متاع کا دوپٹا ٹھیک کرتے سپنا نے کہا۔

''جلدی کرو! چادر لے کر آؤ۔ مولوی صاحب آ رہے ہیں۔''

نجانے اس نے کس سے کہا تھا...... متاع کو لگا اس کا کوئی گلا دبا رہا ہے، گلے پر ہاتھ رکھتے اسے کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ سپنا نے اس کو پانی پلا کر کمر سہلائی تھی۔

''کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو......؟''

مگر تخیل کے پردے پر وہ تھا۔ گھبرا کر نیچے گرا ہوا اپنے زخموں کو سہلاتا۔ سرخ چہرے کے ساتھ اس کے کہنے پر اس کے گھر سے نکلتا۔ ہاسپٹل میں اس کے بے حد قریب بیٹھ کر اس کو تسلی دیتا ہوا۔

''یہ...... یہ نکاح نہیں ہوسکتا......'' کیا اس کا تخیل اتنا طاقتور تھا کہ اس کی آواز بھی اس کے ہر طرف گونج رہی تھی۔ متاع بھاری بھرکم لہنگے کو تھام کر برآمدے کی طرف آئی، پھر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کہ وہ اس کا تخیل نہیں تھا۔ حقیقت تھی۔

''کیونکہ ان کا نکاح میرے ساتھ ہو چکا ہے۔'' دروازے میں ساکت کھڑی متاع کی طرف اشارہ کر کے وہ بولا۔ سفیر، دولہا اور گواہان اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولوی صاحب البتہ ناسمجھی سے دونوں فریقین کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ایسے واقعات ان کی زندگی کا حصہ تھے۔

''یہ کیا بکواس ہے؟ کون ہو تم اور کیا بک رہے ہو؟''

سفیر غرایا اور اس کے قریب آ کر غصے سے کہا۔

''فرید! یہ سب کیا ہے بچے؟ کیوں تم ایسا کہہ رہے ہو؟ جانتے ہو ناں متاع کا نکاح ہے آج اور اس نے انوائیٹ بھی کیا تھا تمہیں؟'' صالحہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور اس کے قریب آ کر بے بسی سے کہا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں آنٹی! ہم دونوں نے ایک ماہ پہلے نکاح کر لیا تھا۔ کسی اچھے موقع پر بتانا چاہتے تھے ہم لیکن حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ آج بھی میں نہ بتاتا نکاح کا تو آپ لوگ نکاح پر نکاح جیسے گناہ کے مرتکب ہو جاتے۔''

اس نے خود اعتمادی سے صالحہ سے کہا۔ متاع کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کا چہرہ بھگوتے ہوئے اس کی گردن تک آ رہے تھے۔ وہ دروازے میں ہی ایستادہ تھی۔

''بتاؤ متاع! ان سب کو کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

مضبوط قدموں سے چلتا ہوا وہ اس کے قریب آیا تھا۔ متاع نے صرف ایک پل کو اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر آنسو صاف کرتی ہوئی مضبوطی سے بولی۔

''یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔''

''یہاں پر دلہن اپنے خصم کے لیے بن کر بیٹھی تھی تو ہمیں کیوں بلایا......؟'' سفیر حلق کے بل چیخا۔

''مائنڈ یور لینگویج مسٹر! آپ اس وقت میری بیوی سے مخاطب ہیں کسی عام عورت سے نہیں......'' پلٹ کر وہ ناگواری سے بولا۔

pklibrary.com

کچھ دیر بکتے جھکتے وہ لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔ جاتے ہوئے رانا، سفیر کو..... سفیر، سپنا کو دھمکیاں دیتا ہوا گیا تھا۔ مولوی صاحب تو متاع کے اقرار کرتے ہی استغفار پڑھ کر پہلے ہی جا چکے تھے۔ سپنا خود ہی سفیر کے پیچھے جا چکی تھی ان دونوں سے ناراض ہو کر۔

☆☆☆

ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ سامنے ہی بیٹھا بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر بول اٹھا۔

"شاید آپ بھول گئی ہیں کہ یہ ایکٹ ہماری زندگی کی فلم میں کچھ دیر پہلے کا تھا۔ اس ٹائم تو شاید دلہن شرمائی ہوئی پائی جاتی ہیں یا رونمائی لیتی ہوئی....." کان کھجاتے وہ بولا تھا۔

"کیسی دلہن..... کہاں کی دلہن..... یہ تو میں اس خبیث اسمگلر سے جان چھوٹنے پر خوشی سے رو رہی ہوں۔" روتے ہوئے ہنس پڑنے پر کسی کو اتنا حسین لگنا اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"شش..... حقیقت صرف ہم دونوں کے درمیان ہی رہے تو زیادہ بہتر ہے اور آج کی تاریخ میں، میں نے بہت سے کام کرنے ہیں۔ جن میں پہلا کام یہ ہے کہ زندگی میں پہلی بار دل کو چھو جانے والی لڑکی کو پرپوز کرنا۔ کیا مجھ سے شادی کرو گی؟"

وہ آہستہ سے مگر شرارت سے بولا۔ وہ کچھ لمحے خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی ان الفاظ کی خوب صورتی کو محسوس کرتی رہی تھی۔

"ہم..... سوچوں گی؟" شرماتے ہوئے کہا گیا۔

"ارے یہ غضب مت کریں پلیز! پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہیں ہم۔ ابھی کے ابھی جا کر نکاح کرنا ہے ہم نے، اب غصے میں کسی نے نکاح نامے کا نہیں پوچھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور نہیں پوچھے گا۔ قسم سے دل دھڑک دھڑک کر باہر آنے کو تھا کہ اب کسی نے نکاح نامہ مانگا کہ تب مانگا۔"

"یار یہ محبت تو ان باتوں میں مجھ سے زیادہ چالاک ہے، اس نے ہی یہ سارا سین کری ایٹ کر کے دیا..... اور اسی کے یقین پر ہی میں نیچے آیا تھا کہ اس نے کہا تھا بھائی میں ایک بار ملا ہوں اس "لڑاکا میزائل" سے لیکن اتنا جان گیا تھا کہ محبت تو وہ بھی کرتی ہیں آپ سے اور دیکھنا وہ آپ کا ہی ساتھ دیں گی۔ آپ جا کر ایک بار یہ بازی کھیلیں تو سہی۔"

اس نے محبت کے الفاظ دہرائے۔

"کیا..... لڑاکا میزائل۔" متاع کی سوئی اسی پر اٹک گئی۔

"ہاں ناں..... اس نے اور بھی بہت سے نام رکھے ہیں آپ کے، ہر ہر موقع کے حساب سے مختلف نام....."

"اچھا ہماری زندگی کی شروعات کا پہلا مرحلہ..... اگر ہاں ہے تو اگلے مرحلے کی طرف آیئے تاکہ میں آپ کو آپ کی رونمائی دے سکوں۔ کیا ہوا جو شادی بعد میں ہو گی..... انسان کو کچھ مختلف بھی تو کرنا چاہیے زندگی میں....."

وہ جیب تھپتھپاتا ہوا بولا۔ متاع تو بس مسکراتے ہوئے اس کم گو انسان کو دیکھ کر اپنی خوش بختی پر ناز کرتے نہ تھک رہی تھی۔

"اور یہ مت سمجھنا کہ یہ بھی محبت نے مشورہ دیا تھا۔ یہ تو کسی اچھے وقت کی امید میں، میں نے اپنے پاس رکھ لیے تھے۔"

وہ اسی کی چین اور دونوں انگوٹھیاں اس کو پہناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب ذرا کپڑے تبدیل کر کے تیار ہو جاؤ۔ نکاح کے لیے بھی چلنا ہے۔ جب تک میں صالحہ آنٹی کو منالوں پھر رات تک ہم نے گھر کے لیے بھی نکلنا ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

متاع کو یقین تھا کہ جس طرح اس نے اس کی زندگی کی کشتی کو حالات کے بھنور سے اپنی محبت کے ذریعے کھینچ کر نکال لیا تھا۔ آگے کے مشکل سفر میں بھی وہ اس کا شریک سفر رہنے والا تھا اور کچھ بھی ہو وہ اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔

pklibrary.com

رابعہ عبدالقدیر

چائے میں آج پھر چینی تیز ہو گئی تھی چائے چکھتے ہی اقصی کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔عفان کو چینی ہمیشہ کم چاہیے ہوتی تھی۔اب اتنا ٹائم بھی نہیں تھا کہ وہ دوبارہ چائے بناتی۔ ڈرتے ڈرتے اس نے چائے کا کپ عفان کو تھمایا۔

"تم بھی بیٹھو، ناشتہ کر لو۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔وہ الگ بات کہ دل لرز رہا تھا۔گرما گرم پراٹھے اور آملیٹ دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی۔پراٹھے کا نوالہ توڑ کے اس نے ابھی لقمہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ عفان کی گرج سے اسکا دل دھڑک اٹھا۔

"جاہل عورت یہ چائے ہے شربت؟ کوئی کام نہیں کرنا آتا،ایک ڈھنگ کی چائے بھی نہیں بنانی آتی۔میری زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے۔"

اقصیٰ کا نوالہ حلق میں ہی اٹک گیا۔کبھی کبھی کسی چیز میں کمی یا زیادتی ہو جاتی تو عفان اسے ایسے ہی ذلیل کرتے۔اس کی بھوک مر گئی وہ بہ مشکل آنسو روکنے لگی جو نا چاہتے ہوئے بھی آنکھوں سے برس پڑے تھے۔

"میں ہوٹل سے ناشتہ کر لوں گا۔" عفان غصے سے ادھورا ناشتہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اقصی برتن سمیٹنے لگی۔عفان کے جاتے ہی اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اقصی کی اپنے خالہ زاد عفان سے شادی ایک

سال پہلے ہوئی تھی۔ اقصیٰ نے سسرال آ کر ہی کچن میں جھانکا تھا۔ اسے کوئی بھی کام نہیں آتا تھا۔ آہستہ آہستہ سارا کام اس کی ساس جو رشتے میں اس کی خالہ تھیں انہوں نے سکھا دیا تھا۔ اب وہ سب کچھ بنا لیتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے انسان تھی کبھی نمک تیز ہو جاتا کبھی مرچ، کبھی چائے میں چینی کم ہو جاتی تو کبھی پتی اور ان غیر معمولی غلطیوں پر اسے عفان سے ہمیشہ باتیں سننی پڑتیں۔ عفان روایتی ظالم مردوں میں سے نہیں تھے لیکن غصے کے تیز تھے۔ انہیں ہر چیز بالکل پرفیکٹ چاہیے ہوتی تھی اور خاص طور پہ کھانے کے معاملے میں وہ کوئی کمی یا کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اقصیٰ بہت محنت اور توجہ سے ان کے لیے ہر چیز بناتی لیکن کبھی کبھار کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کی شامت آجاتی۔ وہ خاموشی سے عفان کی ڈانٹ سنتی آگے سے جواب نہیں دیتی اس لیے معاملہ بڑھتا نہیں تھا۔ خالہ بھی بیٹے کی اس عادت سے بہت رنجیدہ ہوا کرتیں اور عفان کو بہت سمجھاتیں۔ لیکن عفان غصے کے وقت ہر بات بھلا دیتے۔ آج خالہ سو رہی تھیں ورنہ وہ اس کی حمایت کرنے آیا کرتیں۔

وہ سارا کام نمٹا کر افسردہ سی بیٹھی تھی۔ صبح صبح عفان کا غصہ اور ناراضی اب پورے دن پر اثر انداز ہو رہا تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر عفان برداشت کر لیا کریں تو کیا ہو جائے گا؟ روز تو یہ غلطی نہیں ہوتی کبھی کبھار ہوتی ہے پھر بھی یہ معاف نہیں کرتے۔ انہیں میرا احساس ہی نہیں ہے۔ کاش میری شادی ہی نا ہوئی ہوتی۔ امی کے گھر کوئی ٹینشن نہیں ہوتی تھی۔ پتا نہیں ابو کو یہی ملے تھے میرے لیے۔ اس کی نگاہوں میں سیما باجی کے شوہر گھوم گئے۔ کیسے نرم مزاج ہیں بالکل غصہ نہیں کرتے۔ سیما باجی کچھ بھی کہہ دیں وہ انہیں اف بھی نہیں کہتے۔ کاش میرے میاں بھی ایسے ہوتے۔ وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ خالہ کی آواز اسے حواسوں میں لے آئی۔ وہ جاگ گئیں تھی۔ اقصیٰ نے منہ صاف کیا اور خود کو مضبوط کیا وہ کسی کے سامنے اپنا دکھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

رات کو عفان کام سے واپس آئے تو اقصیٰ کا اداس چہرہ دیکھ کر انہیں تھوڑا بہت احساس ہوا۔ یہ احساس انہیں ہمیشہ ہوتا تھا لیکن اچھی طرح غصہ اور طعنے دے کر اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد۔ اب انہوں نے اقصیٰ کے ساتھ تھوڑا بہت ہنسی مذاق کر کے اس کا موڈ اچھا کرنا چاہا۔ اقصیٰ فطرت کی بہت اچھی تھی۔ مجازی خدا کی ایک ہی محبت بھری نگاہ اسے فوراً گھائل کر دیتی۔ عفان کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد وہ یکسر صبح والے واقع کو بھول گئی تھی۔

وہ صبح سے کپڑے دھو رہی تھی کپڑے دھونے کے بعد فارغ ہوئی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ عفان کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔ تھکاوٹ سے برا حال تھا۔ سالن اس نے صبح بنا لیا تھا اب بس روٹیاں بنانی تھی۔ خالہ کچھ دنوں کے لیے بیٹی کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ مطمئن تھی کہ زیادہ کام نہیں ہوگا۔ اس نے عشاء کی نماز پڑھی اور روٹیاں بنا کر ڈھک کے رکھ دیں۔ اب اسے عفان کا انتظار تھا وہ رات کا کھانا ہمیشہ ان کے ساتھ کھاتی تھی۔ عفان آفس سے آئے تو ان کا چہرہ سپاٹ تھا، اقصیٰ کا دل ڈگمگانے لگا۔ اللہ جانے مجھ سے ایسی کونسی غلطی ہو گئی جو یہ خفا ہیں وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ صبح تو بالکل ٹھیک موڈ کے ساتھ آفس گئے تھے۔ اس نے ٹھنڈا پانی عفان کو دیا اور دسترخوان لگانے لگی۔ وہ بے چین تھی کہ عفان خود ہی بتائیں گے اب اتنا وہ جان گئی تھی کہ جب تک یہ اچھی طرح دل کی بھڑاس نکال نہ لیں انکا موڈ آف ہی رہے گا۔ اس نے کھانا شروع کیا اور ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھ ہی لیا۔

''آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ کیا ہوا ہے میں نے کچھ کر دیا ہے کیا؟''

''تمہارا موبائل کہاں ہے؟'' خونخوار لہجے میں پوچھا گیا۔

اقصیٰ فوراً جان گئی کہ موبائل صبح سے سائیلنٹ تھا اور اسے عفان کی کال کا پتا نہیں چلا۔ کپڑے

pklibrary.com

دھونے کے بعد جب اس نے موبائل اٹھایا تو عفان کی لاتعداد کالز دیکھ کر ہی وہ سمجھ گئی تھی کے آج شامت پکی ہے۔ پھر عفان نے دھاڑتے ہوئے اس سمیت اس کے ماں باپ کو بھی گھسیٹا۔ وہ سر جھکائے نم آنکھوں سے سنتی رہی۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جب اس کی برداشت جواب دے گئی تو وہ بول ہی اٹھی۔

''عفان پلیز۔ آپ مجھے کچھ بھی بول دیں لیکن میرے والدین کے بارے میں غلط زبان استعمال نہ کریں۔'' عفان نے طیش سے کھانا سائڈ پہ پٹخا اور بیڈ پہ لیٹ گئے۔

اس کا مطلب تھا ناراضی شدید ہے۔ اقصیٰ کی بھوک تو ویسے ہی مر چکی تھی اس نے کھانا سمیٹا اور کمرے کی لائٹ آف کردی۔ دل شوہر کی بے رخی سے خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ ہر بات برداشت کر لیتی تھی لیکن جب عفان اس کی غلطی کا ذمہ دار اس کے والدین کو بھی ٹھہراتے تو وہ تڑپ اٹھتی۔

اقصیٰ ان باتوں کی عادی ہوتی جارہی تھی۔ اب اسے عفان کی ڈانٹ پہ رونا نہیں آتا تھا۔ عفان کبھی اتنے اچھے بن جاتے کہ ان جیسا کوئی ہوگا ہی نہیں اور کبھی معمولی سی بات پر ایسا ہنگامہ کھڑا کر دیتے گویا دنیا کے ظالم ترین شوہر ہیں۔ ان کی زبان سے نکلے تیر اقصیٰ کا دل چیر کے رکھ دیتے تھے۔

گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے۔ اقصیٰ نے عفان کو کھانا دیا جو ہمیشہ کی طرح انہیں پسند نہ آیا اور اس بات پر وہ اقصیٰ پر چلانا شروع ہوگئے۔ اقصیٰ بے چاری انہیں بولتی رہ گئی کے بعد میں بحث کر لیجیے گا، ابھی گھر میں مہمان ہیں۔ لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ سب مہمان تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ اپنی اتنی بے عزتی دیکھ کر اقصیٰ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ رشتہ داروں کی طنزیہ نگاہیں اسے کاٹ رہی تھیں۔ اس کا بھرم آج عفان نے توڑ دیا تھا۔ وہ مہمانوں کے سامنے شرمندگی سے صفائیاں دینے لگی۔ اب یہ باتیں دو چار لگا کر سب نے آگے پھیلا کر اپنا اہم فرض بھی ادا کرنا تھا۔

اگلے دن جب عفان آفس سے آئے تو گھر میں اقصیٰ نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے بیٹھے منتظر رہے کے امی بتادیں گی کے اقصیٰ کہاں ہے۔ لیکن جب وہ کچھ نہ بولیں تو انہوں نے خود ہی پوچھ لیا۔

''امی! اقصیٰ کہاں ہے؟''

''اقصیٰ اپنی امی کے گھر چلی گئی ہے۔ وہ اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ جب تک تم اسے لینے نہیں جاؤ گے، وہ نہیں آئے گی۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ وہ میری اجازت کے بغیر گئی ہے اور اب میں اسے لینے بھی جاؤں گا؟ یہ اس کی سوچ ہے، میں اسے لینے کبھی نہیں جاؤں گا۔ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اپنی مرضی سے ہی آئے گی۔'' عفان نے غصے سے کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ خالہ جان افسوس سے ان کی پشت دیکھ کر رہ گئیں۔

دو ہفتے گزر گئے تھے، اقصیٰ عفان کی منتظر تھی۔ وہ جیسے بھی تھے اقصیٰ کو ان سے بے حد محبت تھی اور وہ ایک ہفتے سے زیادہ میکے میں کبھی بھی نہیں رکی تھی۔ اب لوگوں میں بھی چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں۔ وہ چھپ چھپ کے روتی اور سوچتی کہ عفان کو میری یاد نہیں آتی؟ انہیں میری کمی محسوس نہیں ہوتی انہوں نے ایک دفعہ بھی کال یا میسج نہیں کیا۔ وہ موبائل کی اسکرین دیکھتی رہتی لیکن کوئی میسج کال نہ پا کر اس کے رونے میں شدت آجاتی۔ گھر والوں نے اسے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ وہ خود عفان سے رابطہ نہیں کرے گی۔

☆☆☆

رات کے دو بج رہے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج اقصیٰ انہیں شدت سے یاد آرہی تھی۔ کل ان کی شادی کی تیسری سالگرہ تھی۔ وہ اپنا احتساب کرنے لگے۔ شادی کے تین برسوں میں انہوں نے اقصیٰ کو سمجھنے کی کتنی کوشش کی؟ کتنی دفعہ اس کی تعریف کی؟ اس کے بنائے گئے کھانے پر کبھی اس کی حوصلہ افزائی کی؟

pklibrary.com

سب کے جواب انکار میں تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بار بار اس کی آنسو بھری آنکھیں آجاتی اور وہ بے چین ہو جاتے۔ یک دم انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل کرنے کا حتمی ارادہ بھی کر لیا۔ اب ان کا دل کچھ مطمئن تھا۔

''آج ہماری ویڈنگ اینورسری ہے۔ مجھے تھوڑا تیار ہونا چاہیے۔ پتا نہیں عفان کو شادی کی سالگرہ یاد بھی ہوگی یا نہیں۔'' اقصیٰ افسردگی سے تیار ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر باہر آئی تو اس کے دل کی دھڑکنیں خود بہ خود تیز ہونا شروع ہو گئیں۔ کسی انہونی نے اسے دھڑکا دیا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی ہی تھی کہ دروازے پہ بجی بیل نے اسے بوکھلا دیا۔ وہ بھاگتے ہوئے گئی اور دروازہ کھولا سامنے اس کا بھائی تھا۔ وہ مایوسی سے پلٹنے لگی تھی کہ کسی نے اس کا بازو تھام لیا۔ وہ مڑی اور عفان کو دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''عفان آپ؟'' شدت جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''اندر آنے کو نہیں کہو گی؟'' عفان نے اس کی آنکھوں سے موتی صاف کرتے ہوئے کہا۔ اثبات میں سر ہلاتے وہ انہیں اندر لے آئی۔ سب گھر والے کمروں سے نکل آئے تھے۔

''اوہو، بھئی میں کہوں آج اپیا اتنی تیار کیوں ہوئی ہیں۔'' چھوٹی حرا شرارت سے بولی۔

''اور دروازہ کبھی نہ کھولنے والی بجیا آج بھاگتے ہوئے دروازہ کھولنے بھی گئیں۔'' علی بھی اقصیٰ کو تنگ کرنے لگا۔

''بس بچو! اب انہیں تنگ نہیں کرو۔'' امی جان مسکراتے ہوئے بولیں۔ ان کی بیٹی کے چہرے پہ کتنے دنوں بعد مسکراہٹ آئی تھی۔ وہ سب بہانے سے وہاں سے اٹھ گئے تاکہ عفان اکیلے میں اقصیٰ سے بات کر سکیں۔

''اقصیٰ! مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارا بہت دل دکھایا، اب آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔'' عفان کان پکڑ کر معافی مانگنے لگے۔ اقصیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''اچھا، اگر کھانے میں نمک تیز ہو جائے تو.....؟''

''تب بھی نہیں۔'' عفان معصومیت سے بولے۔

''چائے میں چینی تیز ہو جائے تو؟''

''بالکل نہیں۔''

''اور.....اور اگر میں کال نہ اٹھا سکوں تو؟''

''ارے پاپا! کبھی نہیں۔ کسی بھی غلطی پہ غصہ نہیں کروں گا۔ غلطی تو ہر انسان سے ہی ہوتی ہے۔ تمہاری کمی نے مجھے اس بات کا شدت سے احساس دلایا کہ بیوی کے بغیر زندگی کتنی مشکل ہو جاتی ہے۔ اب جلدی گھر چلو، بہت کام تمہارے منتظر ہیں۔'' عفان اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے پیار سے بولے۔

اقصیٰ نے مطمئن ہو کر ان کے ہاتھ تھام لیے اور دونوں نے گھر واپس جانے کے لیے باہر کی طرف قدم بڑھا لیے۔

دوسری طرف امی جان عفان کی امی کو مبارکباد دینے لگیں کہ یہ سب ان کا منصوبہ تھا۔ اس دن رشتہ داروں کے سامنے اقصیٰ کی بے عزتی دیکھنے کے بعد انہوں نے اقصیٰ کو میکے بھیج دیا تھا تاکہ عفان کو احساس دلایا جا سکے۔ اور ان کی پلاننگ میں اقصیٰ کی امی بھی شامل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اقصیٰ کو سسرال نہیں جانے دیا تھا، نہ ہی عفان سے بات کرنے دی تھی اور خالہ جان نے روز اقصیٰ کی کمی کا احساس دلاتے ہوئے اور اقصیٰ کے بغیر گھر ویران ہونے کی باتیں کر کے عفان کو بالکل بھی اقصیٰ کی یادوں سے نکلنے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ دو بڑوں کی سمجھ داری نے اقصیٰ کی آئندہ زندگی کے لیے آسانی پیدا کر دی تھی۔

pklibrary.com

انتباہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ''آفیشل پیج'' کی اصطلاح استعمال کررہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اورکہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اَپ لوڈ کرکے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کررہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کردیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

Prevention of Electronic Crimes Act 2016

اور

Copyright Ordinance 1962 / 2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

خواتین ڈائجسٹ　　ماہنامہ شعاع

ماہنامہ کرن　　عمران ڈائجسٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

pklibrary.com

زینب نور

بچپن

pklibrary.com

ہمارا بچپن، یہ پیارا بچپن
یہ بچپنوں میں عظیم بچپن

ہم نے ابھی یہ دولائنیں ہی کھینچی تھیں کہ شوہر نامدار کے فلک شگاف قہقہے نے ہمیں گڑبڑانے (دراصل ڈر جانے) پہ مجبور کر دیا۔ ہم نے سٹپٹا کر ڈائری سے سر اٹھایا۔ وہ کندھوں پہ تولیہ ڈالے ہماری پشت پہ کھڑے تھے۔ نہ جانے وہ کب باتھ روم سے آئے تھے، ہمیں خبر ہی نہ ہو سکی۔ ہم تو اپنے ماضی..... بلکہ سنہرے ماضی میں گم تھے۔

"یار! تم نے تو قومی نغمے کا حلیہ ہی بگاڑ ڈالا....." انہوں نے جیسے افسوس سے سر جھٹکا۔

"جی نہیں..... ہمیں تو اپنا بچپن یاد آ رہا تھا اس لیے ہمارے زرخیز ذہن میں یہ مصرعے بن گئے۔ ورنہ ہمیں کیا پتا کہ ایسا بھی کوئی نغمہ ہے۔" ہم نے سفید، چٹا جھوٹ بولا۔

"چلو، تمہاری بات مان لیتے ہیں۔ مگر کیا صرف تمہارا بچپن ہی پیارا تھا؟ بھئی بچپن تو سب کا ہی پیارا ہوتا ہے۔" گیلا تولیہ ہمارے اوپر اچھال کر وہ مزے سے بالوں میں برش پھیرنے لگے۔

"ہوتا ہوگا سب کا پیارا۔ مگر ہم دیہاتی لوگوں کے بچپن کی تو بات ہی اور ہے..... یہاں آ کر، شہر کی روشنیاں، رونقیں دیکھ کر بھی وہ کچی، زرد بلبوں اور چراغ کی لو سے روشن ہوتی گلیوں کو نہیں بھولے ہم....." ہم ضرورت سے زیادہ اٹھلائے۔ انہوں نے بھنویں سکیڑ کر ہمیں دیکھا۔

"کیوں ایسی کیا خوبی ہے تمہارے گاؤں

ناولٹ

میں؟"

"سب سے بڑی خوبی خلوص ہے۔ یہاں شہروں میں ہر چہرے پر درج ہوتا ہے "باپ بھلا نہ بھیا، سب سے بڑا روپیہ۔"

ہماری بات پہ انہوں نے "اُف" لفظ سے ملتی جلتی سانس خارج کی۔

"چلو بھئی تم اچھی، تمہارا گاؤں اچھا۔ اب جلدی سے ناشتہ لے آؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔" وہ تو ناشتہ کر کے دفتر چلے گئے اور ہم ماضی میں کھو گئے۔

☆☆☆

پانچ بہن بھائیوں میں ہمارا نمبر تیسرا تھا۔ شگفتہ آپا اور ساجی بھیا ہم سے بڑے تھے اور گڑیا اور جگنو ہم

pklibrary.com

سے چھوٹے۔

اماں، ابا کے بڑے سے کچے صحن میں ایک طرف جامن، امرود اور فالسے کے درخت تھے۔ جو ہمیں خوب موج کراتے تھے، پھل بھی کھلاتے اور جھولے بھی..... بیروں کو دل للچاتا تو بوا سگو کی بیری زندہ باد۔ ان کے صحن میں لگی اس بیری کی آدھی سے زیادہ شاخیں باہر جھکی، ہمیں للچاتی رہتی تھیں جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے ہمارے پھینکے گئے پتھر سے تو بس تین چار بار ہی بوا کے کسی چھوٹو موٹو کا سر پھوٹا تھا۔ ورنہ ہمارا پورا پنڈ اس بیری کا ایسا ویری تھا کہ بوا سگو دن میں زیادہ نہیں تو تین چار بار روئی جلا کر اپنے گیارہ میں سے تین چار بچوں کے خون ابلتے سر میں بھرتیں اور ساتھ ہم بے چارے بچوں کو کوستیں۔ بھئی اس میں ہمارا کیا قصور؟ ان سے کس نے کہا کہ بیری کے نیچے ڈیرے ڈالے رکھو۔ کیا انہوں نے سیانوں کی وہ بات نہیں سنی؟ ''جہاں بیری ہو، وہاں پتھر تو آتے ہیں تو خود کو بچانا تو ان کی اپنی ذمہ داری تھی۔''

نیلی کرتی کے نیچے سفید شلوار پہنے، سفید دوپٹہ اوڑھے، اپنے گاؤں کے واحد پرائمری اسکول کے ہاتھ والے نلکے کے قریب بیٹھ کر تختی ''پوتتے'' تو سب سے نظر بچا کر گاچنی مٹی کا تھوڑا سا ٹکڑا منہ میں رکھ لیتے (اللہ معاف کرے) مٹی کے علاوہ جو بلی ٹافی، گوگو پان مسالا، کریلا پاپڑ، لمبر پاپڑ، کون والا چورن، لمبے چورن اور میٹھی املی بھی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

اسکول سے واپسی پہ جب حکیم چاچا کے ''حکمت خانے'' کے سامنے سے گزرتے تو ہم زبان کو لاکھ قابو میں رکھتے، مگر یہ زبان ہی کیا جو مان جائے، فوراً بول اٹھتی ''چاچا چورن والی پھکی دے دے۔''

چاچا مسکراتے ہوئے دو دو چٹکیاں ہم سب بچوں کی ہتھیلیوں پہ رکھ دیتا۔ اور ہم زبان سے پھکی چاٹتے، اماں کے ہاتھ سے سلے کپڑے والے بستے کو اچھالتے گھر کو ہو لیتے۔

محلے کے نکڑ پہ صغریٰ بوا کا تندور ان کے مزاج کی طرح تپتا نہیں رہتا تھا..... (مزاج صرف بہو کے لیے تپتا تھا) محلے کی ساری عورتیں دوپہر اور شام کو اپنے اپنے آٹے کی پرات اٹھا اٹھا کر وہاں جمع ہو جاتیں، باتیں مٹیارتیں اور ساتھ ساتھ روٹیاں لگاتی رہتیں۔

آپا جی بیوہ عورت تھیں..... بڑی نیک طینت مگر ہم بچوں کو تو بڑی بے رحم لگتی تھیں۔ وہ قرآن پاک پڑھاتی تھیں گاؤں کی بچیوں کو..... غضب خدا کا..... اتنی صبح بلاتی تھیں کہ بانگ دینے والے مرغے بھی ہماری ''باسی'' جمائی لینے کی آوازوں سے جاگتے ہوں گے۔

اور رہ گئی رشیدن ماسی..... اس کے ذکر کے بغیر گاؤں کا تعارف مکمل کیسے ہو سکتا ہے۔ گھر میں چاہے ایک نہ چلتی ہو، مگر گاؤں بھر پہ رعب تھا..... بڑی دبنگ عورت ہوا کرتی تھی۔ ناک میں دائیں بائیں دونوں طرف سونے کے بڑے بڑے کوکے پہنے آنکھوں کو سرمہ سے بھر کر رکھتی تھی۔ ہاتھوں کے ناخن ہم نے کبھی بھی سفید نہ دیکھے تھے ان کے..... یہ بڑا سا لکڑی کا پھاٹک نما گیٹ والا گھر ہوتا تھا۔ داخل ہونے والے ہر بندے کا ایک عدد ''دُم'' استقبال کیا کرتی تھی۔ جی ہاں..... دُم، وہ کیا ہے ناں کہ گیٹ کے دائیں طرف ماسی کی کہیں بیس تیس کے لگ بھگ بھینسیں اور گائیں بندھی ہوتی تھیں۔ تو اتنی دموں میں سے کوئی بھی ایک دُم یا تو آنے والے کے گلے کا ہار بن جاتی یا منہ چوم کر واپس اپنے ٹھکانے چلی جاتی۔

خیر تب ہم تو چھوٹے تھے..... سو اماں کی ہر نصیحت کی طرح یہ دُم بھی ہمارے سر کے اوپر سے گزر جاتی تھی۔ یوں ہم اس گیلی سیلی دُم کے فیض سے محروم رہتے۔

☆☆☆

pklibrary.com

یہ تب کی بات ہے جب ہم قریبی گاؤں کے مڈل اسکول میں چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ شگفتہ آپا کو نہ جانے کہاں سے رسالے پڑھنے کا شوق چڑھا۔ اماں، ابا، بھیا سے چھپ کر، سردیوں کی راتوں میں رضائی میں منہ اور رسالہ گھسیڑ لیتیں۔

ایک دن ہمیں ان کے تکیے کے غلاف میں سے سگریٹ جلانے والا لائٹر ملا تو ہمیں بے حد تشویش ہوئی..... کہ ہماری بھولی بھالی آپا نے یہ کیا کام شروع کر دیا ہے؟ ہمارے یہاں تو کبھی ابا نے بھی سگریٹ نہ پی تھی اور یہاں آپا؟ صرف سوچا نہیں بلکہ آپا کے سامنے اظہار بھی کر ڈالا۔ آپا سن کر ہنسیں اور بولیں۔

''پگلی، اس کو الٹا کر کے دیکھو، بتی لگی ہے..... جب رضائی منہ پہ ڈال کر رسالہ پڑھتی ہوں تو یہ بتی جلا لیتی ہوں۔''

آپا رسالے اپنی ایک سہیلی سے منگواتی تھیں اور اس مقصد کے لیے ہمیں استعمال کیا جاتا..... ویسے تو اس کام کے ایک دو روپے لے لیتے تھے، مگر ہمیں تو آپا کے چہرے پہ پھیلنے والی وہ مسکراہٹ مالا مال کر دیتی تھی جو رسالہ ملنے پر ان کے چہرے سے مسکراہٹ کی صورت پھوٹتی تھی۔

ایک دن اماں، ابا گاؤں میں کسی عزیز کے ہاں عیادت کے لیے گئے۔ آپا کو موقع غنیمت لگا..... اور فوراً ہمیں اپنی سہیلی کی طرف دوڑایا۔ اسی محلے میں ہماری اپنی بھی ایک عدد سہیلی آباد تھی۔ سو اول وہاں ہی گئے اور پھر آپا کی سہیلی کی طرف..... عصر کا وقت تھا اور گرمیوں کے دن..... وہاں سب لوگ گڑ کا شربت پی کر گرمی مارنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے..... پیتل کا گلاس بھر کر ہمیں بھی شربت پیش کیا گیا۔ شربت پیتے، رسالے لے کر دوپٹے کے نیچے بغل میں چھپاتے ذرا دیر لگ گئی۔ مسرور سے اٹکھیلیاں کرتے گھر واپس آئے، دروازے پر پہنچتے ہی خیال آیا کہ پہلے دیکھ لیا جائے کہ اماں ابا آ تو نہیں گئے؟

لکڑی کے دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو بڑے سے صحن میں چارپائیاں ایک قطار میں بچھی تھیں۔

اماں پہلی منجی پہ فرشی پنکھے کے عین سامنے بیٹھی تھیں۔ دوپٹہ سامنے سے اٹھا کر سر پہ اکٹھا کر کے چوٹی کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ ابا نظر نہیں آئے، غالباً مسجد چلے گئے تھے۔ ہم پریشان ہو گئے کہ رسالوں کو اندر کیسے لے کے جایا جائے۔ ہم اماں کے مزاج اور مار سے بخوبی واقف تھے۔ خیر اب ہم اتنے بھی کند ذہن نہ تھے۔ اپنی عقل کا استعمال کیا اور تین عدد رسالے بغل سے نکال کر باری باری بیٹھک کی چھت پہ اچھال دیے۔ پھر مطمئن سے جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، اماں کے پہلو میں بیٹھے ساجی بھیا نے بھرپور مسکراہٹ ہم پہ اچھالی۔ ہم بھی مسکرا دیے۔

''توں کتھے لور لور پھر رئی ایں؟'' اماں نے تیوری چڑھا کر پوچھا تو ہم گھبرا گئے، سٹپٹا گئے پھر آپا کی مسکراہٹ دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔

''وہ اماں..... ہوم اکنامکس کی پریکٹیکل نوٹ بک بنائی ہے ناں تو..... بینا باجی کو بولنے گئی تھی کہ کسی کپڑے پہ سندھی ٹانکا کاڑھ دیں تھوڑا سا.....'' ہم نے ساجی بھیا کی طرف چور نظروں سے دیکھتے تھوک نگلا۔ جو دیوار کے ساتھ لکڑی والی سیڑھی لگا چکے تھے۔ ہمارا دل کانوں میں بجنے لگا۔ بھیا سیڑھی سے دیوار پہ چڑھے اور دیوار سے بیٹھک کی چھت پہ.....

''سندھی ٹانکا..... ایک'' کرنن ان کے ہاتھ میں تھا۔ ہم نے تھوک نگلا ''سندھی ٹانکا..... دو'' شعاع بھی برآمد ہوا۔ ہماری جان سوکھی ''سندھی ٹانکا..... یہ تین'' خواتین پہ ہنستی مسکراتی خاتون کی مسکراہٹ کو ہم نے رونی سی شکل کے ساتھ دیکھا..... اماں کے تیور، لال بھبھوکا چہرہ دیکھ کر ہماری بے چاری سی جان کی رہی سہی کسر بھی جاتی رہی۔ آپا کی بھی ایک لمحے کو رنگت متغیر ہوئی۔ مگر اگلے ہی پل۔

''اررے..... اس نے پھر بھیج دیے کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ ایسے پچھن ہمیں نہیں آتے۔ پھر بھیج دیتی ہے کہ پڑھ کے تو دیکھو، یہ بے چاری مروت کے

pklibrary.com

مارے لانے سے انکار نہ کر سکی ہوگی اور یہاں لاتے ہوئے ڈر رہی ہوگی...... اسی لیے اوپر پھینک دیے...... ہے ناں؟" آپا نے ہم سے پوچھا تو جھٹ سے ہاں میں سر ہلا دیا۔"

"پگلی" مسکراتی ہوئی آپا نے چپت رسید کی۔ "ہماری اماں غصے کی تیز ضرور ہیں، مگر ایسے بلاوجہ اس بات پہ تھوڑی نہ ڈانٹتی ہیں، جس میں ہمارا قصور ہی نہ ہو۔" آپا نے بڑے سبھاؤ سے تپتے تندور میں پانی کے چھینٹے مارے تھے کہ "سوں سرررر" کی آواز بھی نہ آئی اور شعلے بھی ٹھنڈے...... اپنی بھولی بھالی سی آپا کی یہ ہوشیاری دیکھ کر ہم انگشت بدنداں رہ گئے۔

"لاساجی......! کل منہ پہ مار کے آؤں گی اس کے......" آپا نے بھیا کے ہاتھ سے رسالے جھپٹے...... یوں ہماری جان خلاصی ہوئی۔

☆☆☆

اگر اس سے بھی کچھ سال پیچھے جائیں تو سردیوں کی کئی صبحیں یاد آتی ہیں۔ ماگھ پوہ کی دھندیں پڑ رہی ہوتیں اور ہمارے اسکول جانے سے بھی پہلے "چونیوں" (کپاس چننے والیاں) کی ٹرالی بھر کر کھیتوں کو روانہ ہو جاتی۔ اتوار کی چھٹی ہوتی تو ہم بھی آپا اور اماں کی سہیلیوں، اپنی زمین دار سکھیوں کے ساتھ کپاس چننے چلے جاتے۔ کپاس کم چنتے، بوٹوں کا بیڑا غرق زیادہ کرتے۔ کبھی جوسنڈی نظر آجاتی تو چنگھاڑیں مارنے لگتے...... دن ڈھلے جب تمام چونیاں اپنے بڑے بڑے گٹھڑ ڈیرے پر لے کر جاتیں تو ہم بھی اپنی پوٹلی اٹھا کر ساتھ چل دیتے۔ کپاس تولنے کے لیے کھڑے مرد ہماری چتی منی سی گٹھڑی دیکھ کر بے تحاشا ہنستے۔

"اویارا پہلے ریتی دی کڑی دی کپاہ تول۔" وہ ہنس کر کہتے۔ ہمیں چونکہ کپاس چننے کا تجربہ تو تھا نہیں، اسی لیے اتنی ہی چن پاتے۔ ورنہ میری ہی عمر کی چونیاں پڑھائی کو پس پشت ڈال، اپنے قد سے بھی اونچا گٹھڑ بنا لیتی تھیں۔ خیر پانچ چھ روپے تو ہمیں بھی مل ہی جاتے تھے۔ واپسی پہ من بھائیوں کے لیے ان پیسوں کی تل شکری، جلیبیں اور مرونڈے خرید کر خوش خوش گھر آتے۔

کپاس چننا تو ایک طرف ہمیں تو مالٹوں کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر روٹی کھانا بڑا مزہ دیتا تھا۔ دوپہر کا کھانا سب اپنے اپنے گھروں سے لاتی تھیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو سب عورتیں، لڑکیاں ٹیوب ویل یا ہاتھ والے نلکے پہ ہاتھ دھو کر دائرے میں گھاس پہ بیٹھ جاتیں، سب کا لایا ہوا کھانا درمیان میں رکھا ہوتا۔ یہ تیرا یہ میرا والا حساب نہ ہوتا تھا۔ جس کا جو دل کرتا کھا لیتا۔ درمیان میں بڑی سی بالٹی میں ٹھنڈی ٹھار لسی رکھی ہوتی۔ ہمیں روٹی ساتھ لے کر جانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کہ آپا اور اماں کی سہیلیاں زندہ باد۔

صبح کو، گرم گرم روٹی کو دیسی گھی سے چپڑ کر، اندر اچار رکھ کر فوراً رومال میں لپیٹ دیا جاتا۔ جب یہاں دوپہر کو وہ روٹی کھولی جاتی تو کسی اور کا تو پتا نہیں...... مگر ہمیں وہ نرم نرم، گھی اور اچار کے تیل میں چپڑی ہوئی روٹی لسی کے گلاس کے ساتھ بڑی مزیدار لگتی۔ کسی کو دوپہر میں ٹماٹر کی چٹنی بھاتی، کسی کو کدو کا رائتہ تو کوئی مسی روٹی کی شیدائی...... خیر لڑکیاں ہنستے مسکراتے، ٹھٹھے لگاتے، ماؤں ماسیوں سے نظر بچا کر منگنی شدہ لڑکیوں کو چھیڑتے کھانا کھاتیں۔ اور کھانے کے بعد پھر سے چنائی میں مصروف ہو جاتیں۔

جب کپاس چن لی جاتی تو خالی ہو چکے بوٹوں کو کاٹ کر سال بھر کا بالن جمع کر لیا جاتا۔ اس موسم میں ہر گھر کے سامنے "مشینوں" کا ایک ڈھیر رکھا نظر آتا جس پہ بچے زور زور سے اچھلتے چھلانگیں لگاتے، جھولے لیتے تھے۔

گنا کاشت ہوتا تو ڈیروں پہ بیلنا لگتا تھا۔ لوگ ڈیرے جاتے اور گلاس بھر بھر گنے کا جوس پیتے۔ ہم جوس تو نہ پیتے تھے، مگر ہمیں وہ گرم گرم تازہ گڑ بڑا مزے کا لگتا تھا جو "بڑ" کے پتوں پہ رکھ کر بچوں میں

بانٹا جاتا تھا۔ آپا اس گڑ میں تل اور چھلی ہوئی مونگ پھلیاں ڈال کر کچھ دیر کے لیے رکھ دیتیں۔ ٹھوس ہو جانے کے بعد وہ گڑ بھی ذائقے میں ثانی نہ رکھتا تھا۔

سردیوں میں جلد کو خشک ہواؤں سے بچانے کے لیے اماں تیل میں موم بتیاں پکا کر ویسلین تیار کرتیں اور آپا کے لیے نیلی رنگت کی سفید ڈھکن والی گھڑا نما کانچ کی ڈبی والی کریم آتی تھی۔ اماں سے چھپ کر یہ کریم بھی لگا لیتے تھے۔ مگر گرمیوں میں ''تبت'' لگاتے تو اماں کو فوراً پتا چل جاتا (بھلا ہو تبت کی اس قدر تیز خوشبو کا)

گرمیوں میں بھی مشقتیں ہوتی تھیں۔ بلکہ سردیوں کی نسبت زیادہ ہمت مانگتی تھیں۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں عورتیں اور لڑکیاں گندم کی کاشت زدہ زمین سے ''سٹے'' چنتیں اور اپنے کپڑوں یا جہیز کے لیے پیسے جوڑتیں...... گندم کو بھڑولوں میں منتقل کرنے تک خواتین اور مرد برابر محنت کرتے...... دلیے کی دیگیں چڑھائی جاتیں اور گھر گھر دلیہ بھیجا جاتا۔

لڑکیاں اپنے جہیز کے تکیوں کے غلاف اور انگیٹھی، الماری کے جھاڑوں پہ کبوتر، چڑیاں اور بیل بوٹے کاڑھتیں۔ ذرا جو محنت سے گھبرائی ہوں۔ خورشیداں بھابھی تو گاچنی مٹی اور کاغذوں کے ڈھیر کو بڑے سے ڈرم میں پانی ڈال کر بھگو دیتیں۔ کئی دن بعد جب مٹی اور کاغذ خوب گل جاتے تو، نکال کے کوٹتیں، جب مٹی اور کاغذ یکجان ہو جاتے تو ان سے گھڑے، صراحیاں اور مرتبان بناتیں۔ گیلے برتنوں پہ تنکے سے طرح طرح کے نقش و نگار بناتیں اور پھر ان میں رنگ بھرتیں۔ ایسے شاہکار بنانے میں وہ گاؤں میں لاثانی تھیں۔

جب شاہ خاور اپنا جلال کم کرتا تو ہم سب بچے ماسٹر جی کے محلے میں جمع ہو جاتے تھے کھیلنے کے لیے...... اس وقت اس محلے میں صرف بچے ہی بچے نظر آتے تھے۔ اس کی بھی کئی وجوہات تھیں۔

اول تو یہ کہ حاجی چاچا قلفیوں والا، سارا دن ایک روپے کی قلفی بیچتا اور اس وقت جب اس محلے سے گزر کر اپنے گھر کی جانب جاتا تو ''اک روپے دی دو، ماں لڑے نہ پیو'' کی آواز لگاتا تھا۔

آدھے بچے دن میں ایک روپے کی ایک قلفی لینے کے بجائے شام کو ایک روپے کی دو خریدتے تھے اور کچھ بچے تو اس قدر تیز تھے کہ حاجی چاچا کی ریڑھی (گدھا گاڑی) کے پیچھے پیچھے چلتے ان کے گھر تک جا پہنچتے کیونکہ حاجی چاچا گھر کے دروازے پہ پہنچ کر ساری قلفیاں بچوں میں مفت بانٹ دیا کرتا تھا۔

اسی محلے میں ماسٹر صاحب کی بیٹھک بجتی تھی۔ نمازِ عصر ادا کر کے تمام بزرگ ماسٹر صاحب کے دروازے کے سامنے بنے نسبتاً اونچے چبوترے پہ جمع ہو جاتے۔ کچے چبوترے پہ پانی کا چھڑکاؤ کر کے سفید چاندنیوں کے ساتھ چارپائیاں اس طرح بچھا دی جاتیں کہ چار چار پائیوں کے درمیان مستطیل جگہ بچ جاتی۔ جہاں حقہ رکھا جاتا...... حقے کی نال چاروں اور گھومتی، کبھی کسی کے ہاتھ گڑگڑ کرتی کبھی کسی کے ہاتھ...... بابا مجید کے ریڈیو سے خبریں یا چٹھی ذرا سیاں جی کے نام لکھ دے، جیسے گانے سنے جاتے۔

اردگرد کٹ کٹ کرتی مرغیاں اور چوں چوں کرتے چوزے چہل قدمی میں مصروف ہوتے۔ بوڑھے حضرات کچھ دوسروں کی سنتے، کچھ اپنی سناتے، دکھ سکھ بانٹتے تھے۔ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی محفل برخاست ہو جاتی۔

☆☆☆

ماہ رمضان کا چاند نظر آتے ہی رات نورانی سی لگنے لگتی۔ جشن کا سا سماں بندھ جاتا چہل پہل بڑھ جاتی مکھن آگ پر چڑھا کر گھی میں بدلا جاتا تو بڑی پیاری خوشبو گلیوں میں چکراتی پھرتی۔ شکر، کھانڈ، بورا، وہی سب کا انتظام رات کو ہی کر لیا جاتا۔

''شگو کی ماں...... میرے لیے تو سحری میں میٹھی چوری بنا دینا، پھیکے دودھ کے ساتھ سوادی لگتی ہے

سحری میں۔" ابا کہتے۔

"اماں..... دیسی گھی میں بوراڈال دینا میرے لیے۔" ساجی بھیا کہتے ہم تینوں یعنی چھوٹے پیس..... دو دونوالے ہر شے کے کھاتے تھے۔

ویسے تو ہم چاہے پورا ماہ رمضان کی سحریاں سو کر گزارتے مگر پہلی سحری میں پیلا کگو (سائرن) بجتے ہی اٹھ جاتے۔ اس کگو کے ساتھ میراثی کے پیپا بجانے اور "روزہ دارو، اللہ نبی کے پیارو" کی صدا ہر گھر سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھتے، بڑی بھلی لگتی تھی۔

پہلی سحری کے بعد ہر سحری ہم پہ بھاری تھی..... پورا رمضان انتظار میں گزرتا..... چاند رات اور عید کا انتظار۔

چاند رات کو تو رونقیں اور بھی عروج پر ہوتیں۔ پورے پنڈ کے بچے اور مرد مسجد میں اور مسجد کے دروازے کے باہر جمع ہو جاتے۔ عورتیں اپنے گھر کے دروازوں میں کھڑی ہوتیں۔ مرد حضرات ہاتھ میں پکڑے پھولوں کے ہار اعتکاف سے اٹھنے والوں کے گلے میں ڈالتے جاتے تھے۔ اتنے ہار پہنائے جاتے کہ بے چاروں کی صرف ٹوپیاں ہی نظر آ رہی ہوتی تھیں۔ ہم بچے کھیلتے، کودتے اور وہ شور کرتے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ خوشی ہمارے انگ انگ سے پھوٹتی محسوس ہوتی۔

خواتین مٹی کی ہانڈی کو کوئلوں پہ رکھتیں، ہانڈی کے اندر بالکل درمیان میں ایک پیالی رکھ کر، اردگرد گڑ کی کئی ڈلیاں رکھ دیتیں۔ ہانڈی پہ ڈھکن ڈھک کر، اردگرد آٹا لگا دیا جاتا، تاکہ بھاپ باہر نہ نکل سکے، یوں عرق تیار کیا جاتا۔ یہ مانوس سی خوشبو مسحور کر دیتی تھی، یعنی رونقوں میں حصہ لیتی تھی۔ ہم لڑکیاں کلائیاں بھر بھر چوڑیاں پہنتیں..... اور نسبتاً کھلی پہنتے تھے تاکہ زیادہ بجیں۔ مہندی کی خوشبو، چوڑیوں کی چھن چھن اور ہار بندے کلپ خریدتے ہوئے چہروں کی دمک یقیناً ہواؤں کو بھی اترانے پہ مجبور کرتی ہو گی۔

رات گئے چارپائیوں پہ لیٹتے تو نیند ہی نہ آتی۔ اور ہم بھی کہاں ڈھونڈتے تھے نیند کو..... اگر کبھی بے چاری بھولے بھٹکے آ بھی جاتی تو ہم آنکھیں جھپک جھپک کر بھگا دیتے۔

پہلی سحری کی طرح عید کی صبح بھی ہم تینوں بہن بھائی فجر کی اذان دینے والے موذن سے بھی پہلے اٹھ جاتے۔ اٹھتے ہی اپنی مہندی دیکھتے، سرخ ہاتھوں کو دیکھ کر خوشی دوچند ہو جاتی۔

"آج عید ہے۔" یہ فقرہ بار بار کہتے تھے۔ سنتے تھے تو دل گدگدانے لگتا۔ ہماری کھسر پھسر، دبی دبی ہنسی اور چوڑیوں کا شور، باقی گھر والوں کو بھی وقت سے پہلے جگا دیتا..... کیسی سہانی صبح ہوتی تھی....."

پورے گاؤں میں انواع و اقسام کے کھانے بنائے جاتے، میٹھا خاص طور پہ بنتا تھا اور ایک دوسرے کے گھروں میں بھیجا جاتا تھا۔

اماں کے ہاتھ کی بنی اور آپا کے ہاتھ کی پکی سویاں ہم بھی بانٹتے تھے اور بڑے شوق سے بانٹتے تھے۔ دانت صاف کر کے، جھلمل کپڑوں، سرخ ہاتھوں، چھن چھن کرتے ہاتھوں اور نئے پراندوں کے ساتھ ہم اتراتے بھی تھے، شرماتے بھی تھے۔ سکھیوں سہیلیوں کو مہندی دکھاتے تو "یہ دیکھ میرے ہاتھوں پہ زیادہ رنگ چڑھا ہے" کہہ کہہ کر اس قدر زچ کر دیتے کہ وہ بے چاریاں مجبوراً کہہ دیتیں۔

"ہاں ہاں تینوں ای بوہتا رنگ چڑھیا اے"

لو جی..... ہم خوش۔"

"شگو..... تیری مہندی دسی اے کہ تیری سس بڑی چنگی ہووے گی۔" آپا اپنی سہیلیوں کے نرغے میں بیٹھی تھیں۔

"تے رجو دی سس پھاپھا کٹنی ہووے گی۔ دیکھ لویں، سکھ دا سانہہ نی لین دینا۔" لڑکیوں نے ایک دوسرے کی مہندی دیکھ کر پیشن گوئی کی۔ رجو بے چاری رونے کو ہی ہو گئی۔

ابا سادہ سفید تہبند کرتا پہنے، لٹھے کی شلوار، بوسکی کا کریمی رنگ کا کرتا اور پیروں میں سیاہ کھیڑی پہنے ساجی بھیا کو لے کر عید کی نماز پڑھنے چلے جاتے۔

pklibrary.com

اماں ہمیں پانچ پانچ روپے کا نوٹ تھما کر بچوں کی عیدگاہ بھیج دیتیں اور خود تیار ہو کر، آپا کے ہمراہ آپا جی کے گھر عید کی نماز پڑھنے چلی جاتیں جہاں پورے پنڈ کی عورتیں عید پڑھنے آئی تھیں۔ عیدگاہ میں بچے خوب رونق لگاتے، کھاتے، پیتے، موج اڑاتے تھے۔ ابا اور سابی بھیا سے عیدی لیتے جب ہم گھر والوں کے ساتھ گھر آتے تو آپا صاف ستھری، نیا جوڑا پہنے بیٹھی ہوتیں۔ لبوں پہ دنداسے کا رنگ اور چہرے پہ تبت کریم، آنکھوں میں ہاشمی سرمہ لگائے وہ ہمیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ عورتیں ایک دوسرے کے گھروں میں بھی جاتی تھیں۔ عید کے موقع پر میٹھی نمکین لسی کے بجائے سیون اپ، امرت اور مرنڈا سے تواضع کی جاتی۔

رات کو ٹانگیں دکھ رہی ہوتیں، تھکن حد سے سوا، سو لیٹتے ہی نیند آ جاتی۔ مگر خواب میں بھی سارے دن کا منظر گھومتا رہتا۔

☆☆☆

اماں نے صبح سویرے چولہے اور چولہے کے اردگرد کی چوکور جگہ پہ مٹی گارے کا پوچا لگا دیا۔ سورج کی اولین کرنوں نے آپا کے ہاتھ سے مانجھی گئی دیگچیوں پہ ڈیرہ ڈالا تو چمکار آنکھوں کو چندھیانے لگی۔ صاف ستھرے وسیع آنگن میں چڑیاں پھدکتی چہک رہی تھیں۔ منڈیر پہ بیٹھے کوے مہمانوں کے آنے کے سندیسے دے رہے تھے۔

بزرگ خواتین تو صبح سویرے ہی آ گئی تھیں۔ جن سے اماں وقتاً فوقتاً اصلاح لے رہی تھیں۔

''ماسی...... پیراہنیاں (پہناؤنیاں) بناواں یا کلا کرتے دا کپڑا؟''

''ماسی...... رومال وی ٹانک دواں......؟''

اماں کے ہاتھ پاؤں پھولے تھے کہ شگو آپا کی چٹھی لینے والے آ رہے تھے۔

شگو آپا کو قریبی گاؤں کے سیکرٹری کی بیگم نے کسی شادی میں دیکھ لیا تھا۔ وہ تو آپا کی خوب صورتی اور معصومیت دیکھ کر فدا ہی ہو گئیں۔ ہم سب بہن بھائیوں نے رنگ ابا سے چرایا تھا اور روپ اماں سے...... یوں ہم پانچوں بہن بھائی غیر معمولی حسین تھے۔ خیر سیکرٹری صاحب کی بیگم نے چھان پھٹک کی تو دور کی سہی مگر رشتہ داری نکل ہی آئی تو فوراً رشتہ ڈال دیا۔ یوں آپا کی چند دنوں میں ہی بات پکی ہو گئی۔ آج جب ان کے سسرال والے چٹھی لینے آ رہے تھے تو اماں دیگر انتظامات کے ساتھ دل کو بھی سنبھال رہی تھیں۔ بزرگ خواتین اماں کو اصلاح بھی دے رہی تھیں اور تسلیاں بھی۔

''سیما...... سنیہا سب نوں دے آئی سی چیتے نال......؟'' اماں نے چھوٹی چاچی سے پوچھا۔

''ہاں باجی...... سب نوں دے آئی...... بس صفوراں بوا دی نوہ (بہو) رہ گئی۔'' چاچی کی بات پہ اماں نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

''لے باجی...... اوہنوں کج کرنا تے اندانی...... کی کریں گی اوہنوں بلا کے......؟'' چاچی نے توجیہہ بھی پیش کر دی۔

''کج نئی ہوندا...... آ ثانہ سئی، ویلہ تے ہووے گا۔ بندہ ماڑا لگدا اے، پورا ملا (محلّہ) بلا لیا، اک اوہ رہ گئی۔'' اماں کی بات پہ سیما چاچی نے جوتے پہنے اور صفوراں اماں کی بہو کو سنیہا دینے چلی گئیں۔

چاچی کی بات درست تھی، صفوراں اماں کی بہو کو کچھ بھی نہ کرنا آتا تھا۔ وہ صرف ہدایتیں دے رہی تھی۔ کبھی کسی کے سر پہ کھڑی ہو جاتی، کبھی کسی کے پہلو میں جا بیٹھتی...... محلے اور خاندان کی خواتین نے آ کر سارا کام سنبھال لیا تھا۔ سگو بوا کی تینوں بہوویں توی پہ دھڑا دھڑ روٹیاں پکا رہی تھیں، رشیدن خالہ کی بیٹی نے سالن کا دیگچہ چڑھایا تھا اور خورشیدہ بھابھی کو زردہ بنانے کا کام سونپا گیا۔

''ویکھیں نی کرسیداں (خورشیداں) چول کلا کلا رہوے۔ لئی نہ بنا دویں۔'' (دیکھنا خورشیداں، چاول اکیلا اکیلا ہو، لئی نہ بنا دینا) صفوراں اماں کی بہو، خورشیداں بھابھی کے سر ہوئی تو بوڑھی اماں، خصوصاً بھابھی کی ساس سے برداشت نہ ہوا۔

"اے بہو..... تو تو سورج کو چراغ دکھا رہی ہے۔ میری بہو تو آغا میر کی دائی سب سیکھی سکھائی ہے۔" ساس نے پاٹ دار آواز میں تنبیہ کر کے پاس بیٹھی ساتھی خاتون سے سرگوشی کی۔

"لے بتا، آنکھ نہ دیدہ، کاڑھے کشیدہ میری بہو نے سکھاوے۔"

بیٹھک میں آپا کے سسرال سے آئے قریباً دس افراد بیٹھے تھے۔ ابا نے گاؤں کے سرپنچ، چوہدری، امام صاحب اور دیگر عزیز و اقارب کو بھی بلوایا تھا۔ امام صاحب نے چٹھی لکھی تو سیما چاچی کے بیٹے نے آ کر صحن کے بیچ و بیچ صدا لگائی۔ "لکھی گئی چٹھی" تمام خواتین کی آنکھیں یکا یک نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ اماں نے ایک چادر لی اور کمرے میں بیٹھی شگفتہ آپا پہ ڈال دی۔ شادی تک آپا نے اسی چادر کی بکل میں رہنا تھا، چادر ڈالنے کا مطلب آپا سمجھ گئیں۔ کمرے کی خاموش فضا میں آپا کی سسکیاں گونج اٹھیں۔ اماں نے زور سے انہیں خود میں بھینچ لیا۔ ابا بھی آپا کے سر پہ ہاتھ رکھ کے رو دیے۔ ہمارا بھی دل بھر بھر آ رہا تھا۔

باہر عورتوں نے اپنے آنسو پونچھے اور اسٹیل کے برتنوں میں سلیقے سے کھانا رکھ کر، بیٹھک میں پہنچایا گیا۔ کھانے کے بعد وہ کاغذ کا ٹکڑا جسے چٹھی کہا جاتا تھا گھر آیا۔ چٹھی میں دن تاریخ بارات کے آنے کا وقت اور بارات میں آنے والے افراد کی تعداد سب درج ہوتا تھا۔ وہ تہہ کیا ہوا کاغذ کا ٹکڑا اب دولہا کے گھر جا کر شادی سے چند روز پہلے ہی کھلنا تھا، جیسے چٹھی لکھنے کے لیے سب عزیزوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے ایسے ہی کھولنے کے لیے بھی سب کو دعوت دی جاتی ہے۔

دادی اور تائی نے چٹھی سبز رنگ کے کرن لگے خوب صورت رومال میں سلیقے سے لپیٹی اور آنے والوں کے حوالے کر دی۔ مہمان رخصت ہو گئے اور ہمارے پورے آنگن میں سوگواری رقص کرنے لگی۔

☆☆☆

رسوئی میں پڑے روئی کے کوہ ہمالیہ کو دیکھ کر ہمارا سر چکرا گیا۔ ہمارا سر تو یوں بھی آج کل چکروں کی زد میں تھا کہ گھر بھر کی ذمہ داریوں کا بار ہمارے ناتواں کندھوں پہ آنے والا تھا۔ موجودہ چکر، جو روئی کو دیکھ کر آ رہے تھے، وہ اس لیے کہ اتنی ڈھیر ساری رضائیاں بنانی ہیں آپا کے جہیز کے لیے۔ مگر یہ اتنی رضائیاں بنائے گا کون.....؟

مگر شاید ہم "لپائی" کے موسم کو بھول گئے تھے جب محلے کی تمام عورتوں نے اکٹھے گارا بنایا اور محلے کے پہلے گھر سے لے کر آخری گھر تک کی لپائی مل جل کر کی گئی۔ ساتھ ساتھ ہم ننھے ننھے ڈھیروں ڈھیر برتن بناتے رہے۔ دیگچیاں، ڈھکن، پلیٹیں، گلاس اور جگ بنانے میں ہم یکتا تھے مگر حقہ ساجی بھیا سے بنواتے تھے۔

اب بھی سب خواتین نے اتحاد کر لیا۔ یوں بھی شادی بیاہ ایک گھر کا نہیں، پورے محلے کا ہوتا تھا..... اماں کی دعا سلام والی اور آپا کی سہیلیاں اپنا کام کاج نبٹا کر ہمارے گھر آ جاتیں۔ ہنسی مذاق، چغلیوں اور چٹکلے بازیوں کے درمیان کام ہوتا رہتا۔ روئی پنوائی گئی، چھاڑوں بھری گئی اور نگندے ڈالنے کے لیے صحن میں بچھا دی گئی۔ لڑکیوں نے دھاگے میں موتی پرو کے اور خواتین نے ننھی ننھی ڈبیاں بنا کے نگندے ڈالے۔ بزرگ خواتین پاس بیٹھی نکتہ چینی کرتیں۔ ان کی ہر بات ہمارے دور میں سے شروع ہوتی اور آج کل پہ ختم۔

"نگندے ڈالنا اتنا آسان کام بھی نہیں، جتنا نظر آتا ہے..... اوپر نیچے برابر ٹانکا آئے۔ بڑا چھوٹا نہ ہو۔" اس بات پہ لڑکیاں جھنجھلا جاتیں۔

"نانی..... ٹھیک تو ہے..... تو ایسے ہی نکتے نکال رہی ہے۔" بجو نے جھنجھلاہٹ اتاری۔

"ناں میری دھی..... واپس نکال دھاگا، ادھیڑ کے دوبارہ بھر ٹانکا....." نانی نے پچکارا۔

"لے..... میری اتنی محنت ضائع کرے گی نانی۔" بڑبڑاتے ہوئے دھاگا واپس نکالنا شروع کر

pklibrary.com

دیا۔
"نی کڑیے..... ڈھے ڈھے سوار ہوندے نیں..... انج ای سکھیا جانا اے۔" (اے لڑکی...... گر گر کے ہی سوار ہوا جاتا ہے، یونہی سیکھوگی) دادی نے بھی حصہ لیا۔
یوں کھٹی میٹھی نوک جھونک کے درمیان چٹکیوں میں کام نبٹ گیا۔

☆☆☆

شادی سے سات دن پہلے تیل لگتا تھا۔ تیل لگنے سے ایک دن پہلے اماں نے آپا کی ہم عمر لڑکیوں کو بلا لیا۔ ان لڑکیوں نے شادی تک اب ہمارے گھر ہی رہنا تھا۔ تیل والے دن سب عورتیں اور لڑکیاں عصر کی نماز کے فوراً بعد آ گئیں۔ گھاس کے دو چھوٹے چھوٹے آ ہلنے سے بنا کر، تیل ملی لسی میں ڈبو ڈبو کر، گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی آپا کے سر، گھٹنوں، کندھوں اور پاؤں سے ٹکرا ٹکرا کر مختلف گیت گائے گئے اور ایسے گیت گائے کہ ہم تیل کے گیتوں اور بابا مجید کی وفات پہ ڈالے گئے۔ بینوں میں فرق ہی تلاشتے رہے۔
تیل کے بعد سب کو بتاشے بانٹ کر رخصت کر دیا گیا۔
اگلے دن لڑکیوں نے دولہا کی ماں، پھپھی، چچی تائی اور خالاؤں کے کپڑے ٹانکنا شروع کر دیے۔ مردوں کی پہناوٴنیاں بنائی گئیں دولہا کی پہناوٴنی کو کنگھے، شیشے، سرمے، ناڑے اور ہاتھ والے رومال سے سجایا گیا۔ زنانہ کپڑوں کی چوکور تہہ لگا کر سنہری کرن کے مختلف ڈیزائن بنائے گئے۔ آپا کے کپڑوں پہ گوٹا، کناری اور کرن لگاتی لڑکیاں چپکے چپکے آپا کو بھی چھیڑتی رہتیں۔ ہماری شرمیلی آپا گلال ہو جاتیں۔ دوپٹوں پہ چوفیرے، ہاتھ سے کروشیہ بناتیں۔ رات کو پرات بجانے کے ساتھ ساتھ آپا کو گورا کرنے کے لیے ابٹن ملتیں۔ زرد بلبوں کی روشنی کچے صحن کو روشن کرتی عجیب حسن دے رہی ہوتی۔
لڑکیاں بالیاں اس روشنی میں نیچے "تپڑ" (تپائی) بچھا کر اس پر پرات رکھ لیتیں اور اردگرد جمگھٹا لگا کر بیٹھ جاتیں...... اور یہاں بھی اردگرد چار پائیوں پہ ماسیاں پھپھیاں، نانیاں دادیاں آسن جما کے بیٹھ جاتیں۔ ٹپے گاتیں، تانیں لگاتیں، خوب رونق لگتی، محفل جمتی۔

چٹا ککڑ بنیرے تے۔
کاسنی دوپٹے والیے منڈا عاشق تیرے تے۔

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو خواتین نے بے چاری لڑکیوں کی کمر سینک دینی تھی، مگر بیاہ شادی کے موقع پہ وہ خود بھی شامل ہوتیں۔

گڈی چلدی اے رمے رمے
اگے سائیاں نت ملدا، ہن ملدا اے جمے جمے

ایسے ٹپوں سے بات شروع ہوتی تھی۔

بنڈوں چلی اے نمانی نی
پگ لاہ کے بابل دی میں رکھلاں نشانی نی
سر چنری لال رکھیو
میرے پھپھوں امڑی دانی سکھیو خیال رکھیو

یہاں پہ آ کر گانے والیوں کے گلے رندھ گئے، خواتین نے آنچل کے پلو سے آنکھیں پونچھیں اور سر نیواڑے بیٹھی آپا کی گود میں دھرے ہاتھوں کی پشت بھگتی چلی گئی۔
تین روز پہلے ہمارے سارے ننھیالی رشتہ دار، بھات، (نانک چھک) بھرنے آئے تھے گرمی سردی کے پانچ پانچ بستر، سونے کی لونگ، سب گھر والوں کے کپڑوں کے ساتھ آپا کا عروسی جوڑا بھی لائے تھے۔ خشک ناریل، چھوہارے اور میوے کے ہار گلے میں ڈال کر ان کا استقبال کیا گیا۔
شام ڈھلے گلی میں دیگیں چڑھائی گئیں، لڑکوں نے ہمسائیوں کے گھروں سے بستر اور منجیاں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ چہل پہل اور شور شرابہ بڑھ گیا۔
مہندی والی رات صحن کے دوسرے کونے میں مردوں نے بھٹی بنائی، حلوائی بلایا اور لڈو جلیبیاں بنوانے لگے۔

pklibrary.com

عورتیں مہندی کی رسم کی تیاری کر رہی تھیں اور مرد بھٹی کے گرد بیٹھے تھے۔ نو بیاہتا بہوویں سولہ سنگھار سے تیار تھیں کہ ان کے مجازی خدا چوری چوری انہیں تک رہے تھے۔ ریشمی دوپٹے سر پر ڈھیلے سے اس طرح دوہرے کر رکھے تھے کہ پیلی، سنہری کرن کے پھندنوں نے چہرے کے گرد گھونگھٹ نما ہالہ سا بنا دیا تھا۔ حق رکھنے والے لڑکے اس گھونگھٹ سے جھلکتی چمکتی رنگت اور سفید تیکھی ناک میں پڑی سنہری لونگ کو کن اکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ کبھی جو سر سے پھسلتی اوڑھنی کو سنبھالنے کی کوشش میں کلائی کی چوڑیاں سر بکھیرتیں تو بھٹی کے گرد بیٹھے مردوں میں حق داروں کے دل دھڑکنے لگتے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی شدید خواہش، بزرگوں کے لحاظ کے سامنے سر جھکائے کھڑی رہتی۔

ادھر جوں جوں مہندی کی رسم ادا کرنے کا وقت قریب آ رہا تھا، لڑکیوں میں افراتفری مچتی جا رہی تھی۔

''باجی...... میرے ہرے سوٹ کی شمیض نہیں سلی......؟'' منجھلے ماموں کی چوتھے نمبر والی روہانسی شکل لیے اپنی باجی کے سامنے تھی۔

''ہا...... مجھے یاد نہیں رہا۔ اچھا کل سی دوں گی سویرے سویرے ابھی لال جوڑا پہن لے اور سن رولا نہ پائیں (شور نہ ڈالنا) کہیں اماں ادھر سب کے سامنے اینہ لا بہا، کردے۔'' باجی نے عجلت میں تسلی اور مشورے سے نوازا...... ایسے موقعوں پہ ہماری دادی کو بھلا کون چپ کروائے۔

''نی کڑیو! تم ہڈ حرام ہوگئی ہو۔ ہم ہاتھ سے کپڑے سیتے تھے۔ پہلے کپڑے میں سے دھاگا نکال کے گچھی بناتے پھر سوئی سے کپڑے سیتے۔ پھر بھی وقت پہ تیار...... تم لوگ مشین پہ درڑ پھرڑ کرتی ہو پھر بھی حال دیکھ لو۔'' دادی کہہ کر اپنی کسی عزیزہ کی طرف مڑیں۔

''دس نی صدیقن۔'' ان سے تائید چاہی۔

''ہاں ہاں...... ہم نے تو اون بنانے کے لیے چرخے بھی کاتے ہیں۔ ہاتھ والی چکیوں سے آٹا پیستے...... اور تب تو آٹا بھی پرات تھالیاں بھر بھر گوندھا جاتا تھا۔ یہ لڑکیاں تو بس دو دو روٹی ہی کھاتی ہوں گی۔ ہم بہنیں مل کے بیٹھ جاتیں تو چھابہ خالی ہوتا ہی نظر آتا۔ ہم نے تو ایسی ایسی مشقتیں کی ہیں کہ یہ تو کر بھی نہیں سکتیں۔ یہ تو پیر خود ظہیر، شفاعت کسی کی کریں والا حساب ہے۔'' دادی کی عزیزہ نے بھی فٹ سے رائے دی۔ مگر لڑکیوں کو اپنی تیاری کی پڑی تھی، سو کسی نے سنی، کسی نے جان بوجھ کے کان بند کر لیے۔

''اوئے ہوئے، ٹھنڈی تے ہون دو۔'' تائی نے چھابیوں والا لال رنگ دیسی گھی میں ڈال کر پکایا اور سرخی تیار کی تھی کہ لڑکیوں سرکی کی تازہ بنی ہوئی نکیوں کی جانب لپکیں۔ دادی پھر شروع۔

''دیدوں کا پانی ڈھل گیا۔ کیسے لال ہونٹ کر رہی ہیں چھوکریاں باپ بھائیوں کا ذرا لحاظ نی...... ان ماؤں کو بھی لکھن (سمجھ، شعور) نی۔''

''بی بی بس کردے۔ تو آنکھ کی پری بھوں کے آگے کر رہی ہے۔ ماؤں کے نام کا بھلا ان پہ کیا اثر؟ کہنا فضول ہے ان کو...... آنولے کا کھایا، بڑے کا کہا، پیچھے مزہ آتا ہے۔'' (بڑوں کی نصیحتوں کی سمجھ بعد میں آتی ہے)۔

دادی کی پان چباتی بہن نے اپنے انداز میں لتاڑا۔ پاس بیٹھی نانی بھی شامل گفتگو ہوئیں۔

''اے بی بی گھر گھر یہی حال،
کس کو کہیں کس کی سنیں
اب تو بس چپ سادھ لو،
بجا کہے جسے ملا اسے بجا سمجھو''

لڑکیوں کو اگر کوئی بات گراں گزرتی بھی تو چپ رہتیں، بات بات پہ کود کے نہیں پڑتی تھیں۔ اب بھی بے چاریوں نے کان لپیٹنے، زبان سینے کی کوشش (ناکام) کی۔ مگر زباں بھلا کہاں بند رہنے والی تھی۔ حتی الامکان کوشش کرتیں کہ زبان قابو میں رہے۔ مگر پھر بھی کوئی ایسی بات منہ سے نکل جاتی کہ بور ہوتی

pklibrary.com

نانی دادیوں کا وقت اچھا پاس ہو جاتا۔

"اے نوری ...... بلب کے اگے ای کھڑی ہے۔ پچھے ہو، تھوڑا سا کروشیہ رہ گیا، وہ بنالوں۔" روانی میں کہتے کہتے شبو کی نظر جیسے ہی بزرگوں کی ٹیم، پہ پڑی، زبان دانتوں تلے داب لی اور دوسری لڑکیوں کی گھوریوں سے بچنے کے لیے آنکھیں زور سے میچ لیں۔ مگر شبو نے زبان اپنی ہی دابی تھی۔

"اے لے ...... نوے کم (ہم تو چاند کی روشنی میں قرآن شریف پڑھ لیا کرتے تھے، اس سے بلب کی روشنی میں کروشیہ کبھی نہیں بنایا جاتا)۔"

"اے صغریٰ تیرا پوتا تو بوت اے چوڑ چتا اے (شرارتی ہے)۔" محلے کی اماں حنیفاں نے بوا صغریٰ کے پوتے کے بارے میں رائے دی تھی۔ کہ پوتا ان کے پاندان لیے چھالیہ کا پورا ٹکڑا اٹھالے گیا تھا۔

"لپڑی ماں پہ گیا۔ (اپنی ماں پہ گیا ہے) بوڑے میں نے پاتھیاں (اپلے) اے لگیں گی۔" صغریٰ بوا نے سارا ملبہ بہو پہ گرایا۔

آپا کو خوشبو کا پیلا جوڑا پہنایا گیا۔ وہ بے حد حسین تھیں، مگر پیلا رنگ ان پہ اتنا جچتا تھا یہ ہم نے پہلی بار دیکھا تھا۔ آپا کے ہاتھ پہ دس روپے کا نوٹ رکھا گیا۔ باری باری سب عورتیں لڑکیاں آتی رہیں اور انگلی بھر کر نوٹ پہ مہندی لگا کر رسم حنا ادا کرتی رہیں۔ لڑکیاں پھر سے پرات بجانے بیٹھ گئیں رسم سے فارغ ہو کر خواتین کے بستر صحن اور کمروں میں لگائے گئے اور مردوں نے باہر گلی میں ڈیرے ڈالے تھے۔ ماموں کی صبی کے ساتھ چارپائی پہ لیٹ کے آسمان پہ جھلمل کرتے جھومر (سات تاروں کا جھرمٹ) کو تکتے اور آپا کو سوچتے ہم بھی سو گئے۔

☆☆☆

آج تو آپا کو پور پور سجایا گیا تھا۔ سرخ جوڑے میں غضب ڈھا رہی تھیں۔ نکاح کے لیے مولوی صاحب آئے۔ ایجاب وقبول کے بعد انہوں نے آپا کی طرف نیلی روشنائی سے کیلی فوم والی ننھی سی ڈبیہ آپا کی طرف بڑھائی۔ مگر ہماری پڑھی لکھی آپا نے پنسل لے کر گاؤں کی لڑکیوں کے برعکس، انگریزی میں، شگفتہ رانی لکھ دیا۔ اماں نے اپنے اوڑھے ہوئے پرانے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔ گاؤں میں رواج تھا کہ لڑکی کی شادی پہ خونی رشتوں میں سے بزرگ عورتیں اور مرد نئے کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ مگر ہم خوب دل لگا کر تیار ہوئے تھے کہ دودھ پلائی کی رسم بالخصوص ہم نے ہی ادا کرنی تھی۔

pklibrary.com

گاؤں میں آرسی مصحف جیسی کوئی رسم نہیں ہوتی، اور نہ ہی لڑکی کے گھر میں دلہن کے پہلو میں دولہا کو بٹھایا جاتا۔ سو دولہا کے لیے باہر صحن میں سفید اجلی چادر والی نئی چارپائی بچھائی گئی۔ ہم نے ہاتھ میں پکڑے دودھ کے گلاس کی طرف دیکھا۔ اس میں ہم نے ہری مرچیں خوب رگڑ رگڑ کر ڈالی تھیں اور پھر دودھ چھان لیا تھا۔ دودھ کی ذرا سی بدلی رنگت، غور کرنے پہ ہی محسوس ہوتی تھی۔ مگر اتنی سالیوں کے جھرمٹ میں دولہا کو کیا پڑے ہے غور کرنے کی؟ درگت تھوڑی نہ بنوائی تھی۔

دولہا بھائی کو دودھ پیش کیا۔ انہوں نے بڑا سا گھونٹ لیا اور اگلے ہی پل زبردست اچھو لگ گیا۔ لڑکیوں کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

"کی ہویا ویرے؟ میٹھا بوہتا پے گیا؟" (بھائی کیا ہوا؟ میٹھا زیادہ ہی پڑ گیا؟)

"ماسی نے بادام زیادہ گھوٹ دیے ہوں گے۔" معصومیت کی انتہا کرتے لڑکیوں نے فقرے اچھالے۔ دولہا کی رحم دل ساس (ہماری اماں) اصلی دودھ کا گلاس لے آئیں جلدی سے، جو ہم نے بوتل پینے والا پائپ (سٹرا) لگا کر پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ دولہا نے ممنون نظروں سے ساس کو دیکھا اور گلاس لے کر پائپ کو منہ لگایا۔ مگر یہ کیا؟ دودھ کھینچنے کی کوشش میں دولہا کی آنکھوں کے ڈیلے ناک پہ اکٹھے ہو گئے جیسے۔ وہ کیوں بھلا؟ کیونکہ ہم نے پائپ کا گلاس کے اندر والا سرا بند کر دیا تھا۔ ہم لڑکیوں کا دولہا کی بے چارگی دیکھ دیکھ کر ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ اماں نظریں چرائی، مسکراہٹ چھپاتی

جھرمٹ سے نکلتی چلی گئیں کہ انہیں سب پہلے سے معلوم تھا۔

دولہا کے ساتھ مذاق کرنے میں بزرگ خود ساتھ دیا کرتے تھے۔

بلقیس آپا کی شادی ہوئی تو پورے پنڈ میں یہ مشہور ہوگیا کہ دولہا بڑا سوٹڈ بوٹڈ رہتا ہے۔ لڑکیوں کے آگے بھلا کس کا دم ہے؟ بلقیس آپا کو لینے آئے تو چٹا لٹھے کا استری شدہ سوٹ پہنا تھا اور پاؤں میں سیاہ چمکتی کھیڑی۔ ان کے لیے کچے صحن میں چارپائی بچھائی اور ہاتھ کی کڑھی ہوئی چادر بچھادی گئی۔ محلے کی لڑکیاں بھی آئی تھیں اور کچھ عزیزوں میں سے بھی موجود تھیں۔ سنجیدہ مزاج سے دولہا بھائی، قمیص کا پچھلا گھیرا اٹھا کے جیسے ہی چارپائی پہ بیٹھے۔ چھڑاپ کی آواز کے ساتھ بغیر بھری چارپائی سے نیچے نکلتے چلے گئے بغیر بان کی چارپائی کے نیچے گارے کی ہودی بنائی ہوئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد وہ کبھی گاؤں سفید سوٹ نہ پہن کے آئے۔

ہمارے دولہا بھائی ایک سیکرٹری کے بیٹے تھے اس لیے آج کے دن اتنا ہی کافی تھا..... ہمارے گاؤں کی لڑکیاں بخشتی تھوڑا ہیں بعد میں ساری کسر نکال لیں گی۔

رخصتی کا وقت قریب آیا تو نہ جانے کب کب کے رکے آنسو آنکھ کی کٹوریوں میں آن اترے..... ڈھیروں ڈھیر دعاؤں کے سنگ بزرگوں کی شفقت اور قرآن پاک کے سائے میں آپا شہریار بھائی کے سنگ رخصت ہوگئیں۔ ہمارا دل گھر اور پورا محلہ ویران ہوگیا.....!

☆☆☆

''پھر..... پھر کیا ہوا؟'' کئی ثانیے ہم نے دل سنبھالنے میں لگائے۔ تو وہ ہماری خاموشی سے سکتے سے نکلے۔ تو اشتیاق سے پوچھا۔

ہمارے ماضی کے دریچے جو وا ہوئے تو دن ڈھلے اپنے مسکن کو لوٹ جانے والے پرندوں کے غول کی طرح یادیں ذہن کے آنگن میں آن وارد ہوئیں۔ ہم نے ٹشو سے نم آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔ پلکیں ابھی بھی آنسوؤں کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

''پھر کیا ہونا تھا.....؟'' ہماری آواز زکام زدہ سی اور دماغ کھویا کھویا سا تھا۔

''ہم بڑے ہوگئے، کچے گھر پکے گھروں میں بدل گئے، خلوص اور پیار بانٹنے والے لوگ یا تو آسودگان خاک ہوئے یا بجی کے محتاج ہمارے جیسی نئی نسل کو اپنے ہی دھندوں سے فرصت نہیں۔'' ہم نے رندھے گلے کو کھنکارا۔

''تم نے تعلیم کیسے حاصل کی گاؤں میں رہ کر.....؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جیسے جیسے ہم بڑے ہوتے گئے، زمانہ ترقی کرتا گیا..... ہم نے اپنے گورنمنٹ ماسٹر ساجی بھیا کی مدد سے گھر بیٹھے ایم اے کرلیا۔'' ہم نے پھر سے آنکھیں پونچھیں اور ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''چاچا کے بیٹے کی شادی میں چاچی کے میکے سے بہت سے رشتہ دار آئے تھے، ان رشتہ داروں میں سے اک شہری بابو، ہم پہ دل ہار بیٹھا۔'' ہم نے ان کو گم صم سا دیکھا تو شرارت سے بولے۔ وہ مسکرا دیے۔

''میری بات کر رہی ہو تو، میں نے تو تمہیں شادی میں دیکھا بھی نہیں تھا۔'' وہ صاف مکر گئے۔ ہم بھی اپنے نام کے ایک تھے۔

''آں ہاں..... دیکھا نہیں تھا؟ ایک ہم ہی بے خبر تھے آپ کی نظروں سے..... میری سہیلیوں نے تو کہنیاں مار مار کر میری پسلیاں توڑی نہ تھیں تو کریک ضرور کردی تھیں۔'' ان کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوا۔ اس شغل سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔

''ویسے شگفتہ آپا لگتی تو نہیں کہ اتنی سیدھی..... میرا مطلب ہے، گاؤں کی پیداوار ہیں۔ پکی شہری آپا لگتی ہیں۔''

''میں لگتی ہوں گاؤں کی پیداوار؟'' ہم نے تیکھے چتونوں سمیت پوچھا تو ان کا سر نفی میں ہل گیا۔

''زمانے کی چال نے سب کی چال بدل دی ہے.....؟'' ہم نے اداسی سے کہا۔

pklibrary.com

''تمہاری بولی کیسے بدلی؟ کیا اس میں بھی زمانے کی چال کا عمل دخل ہے؟'' انہوں نے جان بوجھ کر ہمارا، میں، کی جگہ ''ہم'' لفظ استعمال کرنے کو نشانہ بنایا۔

''وہ.....؟ وہ تو ہماری دوستوں نے ہماری تعریفیں کر کر کے ہمیں عرش پہ پہنچا دیا۔ کہتی تھیں کہ پرستان کا شہزادہ بھی ہمیں دیکھے تو نظر اتارے بنا نہ جائے گا۔'' ہم نے اپنی راج ہنس سی گردن (ہمارے خیال میں) اکڑائی۔

''یہ ان کا ہی مشورہ ہوگا ایسے بولنے کا.....؟''

ہم نے جھٹ ہاں، میں سر ہلایا۔

''تم نے وہ تو بتایا نہیں کہ آسمان پہ اڑتے جہاز کو دیکھ کر تم لوگ زور زور سے ہاتھ ہلاتے، ماموں جان بائے۔ چلایا کرتے تھے روٹی پکانے کے بعد اپلوں کی آگ سے توا اتارتے تو اس کی بجھاتی پشت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ ''تو ہنس رہا ہے.....؟'' ہم نے جواب دینے کو منہ کھولا۔ تو وہ جلدی سے بولے۔

''اور یہ بھی کہ اسکول میں اپنے تیل میں تربتر سر پہ کاغذ گھسا کر، چکنا کرتے اور پھر کتاب کی تصویروں پہ رکھ کے تصویریں ٹریس کرتے۔''

''یہ تو بہت بار آپ کو بتا چکی ہوں۔ اس لیے نہیں بتایا۔'' چند پل کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے بولے۔

''تمہارا بچپن مٹی کھاتے، فیس سے سلیٹیں صاف کرتے اور گارے مٹی کے کھلونے بناتے گزرا ہے۔ تم تو کہتی تھیں کہ سب سے پیارا بچپن ہے تمہارا۔ مگر ہمارا کہنا ہے کہ..... پیارا تو ہے۔ مگر سب کے جیسا پیارا ہی ہے۔''

وہ سنجیدگی سے پرسوچ انداز میں بولے مگر ہم نے ان کے لبوں کی تراش میں چھپی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ بالکل ایسے جیسے ساجی بھیا نے بیٹھک کی چھت پہ پھینکے گئے رسالے دیکھ لیے تھے۔

''پنچوں کا حکم سر آنکھوں پہ، مگر پرنالہ وہیں گرے گا۔'' ہم نے خالص دادی اماں کے انداز میں محاورہ بولا اور خفگی سے رخ موڑ گئے۔

☆☆☆

وہ خفگی سے رخ موڑ گئی۔ میں نے اس سچی محبت اور خلوص سے گندھی لڑکی کو نظر بھر کے دیکھا۔ جو دو سال پہلے میری زندگی کو باغ و بہار کرنے آئی تھی۔

سب کی نظر میں، میں ایک کامیاب انسان تھا کہ بینک بیلنس، گاڑی بنگلہ اور بابا کے بزنس کا اکلوتا وارث..... غیر معمولی ذہانت اور بے مثال وجاہت کا مالک انسان تھا میں۔

لیکن میرے خیال میں، میں ایک فیلیر تھا کہ میرے پاس دکھ سکھ بانٹنے کے لیے رشتے اور سچی محبتیں نہیں تھیں۔

ماما اس وقت عدم کو سدھار چکی تھیں جب میں نے اسکول جانا شروع کیا تھا۔ بابا جان مجھے سوتیلی ماں کا دکھ نہیں دینا چاہتے تھے اس لیے دوبارہ شادی نہیں کی..... کچھ عرصہ میرا خوب خیال رکھا اور پھر آہستہ آہستہ ان کے بڑھتے بزنس نے ہم دونوں کے دوریاں پیدا کر دیں۔ مجھے آیا سنبھالتی تھیں۔ مگر وہ ماں کا پیار، باپ کی شفقت تو نہیں دے سکتی تھی ناں؟

میں اپنی ذات میں پورا کا پورا مقید ہو گیا تھا جب بابا کو اچانک انجائنا کا اٹیک ہوا۔ میں ہسپتال میں دن رات ان کے پاس رہا۔ مگر میرے پاس ان سے کرنے کے لیے ایک بات بھی نہ تھی۔ وہ منتظر ہی رہتے کہ میں کچھ بولوں۔ مگر میں کیا بولتا.....؟ گھر آنے کے بعد ان کو تنہائی کاٹنے لگی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کو وقت دوں، مگر ان کی بیماری کی وجہ سے میں نے ان کے کہے بغیر خاموشی سے بزنس کی باگ ڈور سنبھال لی۔ یوں وہ اور بھی تنہا ہو گئے اور انہیں میری محرومیوں کا احساس ہونے لگا۔ وہ ازالہ کرنا چاہتے تھے۔

ماما کے میکے سے کہیں دور پرے کے رشتے داروں کے ہاں سے شادی کی دعوت آئی تھی۔ بابا کو ایک عرصہ ہوا تھا ان سے تعلق توڑے۔ مگر اب وہ مجھے اس شادی میں بھیجنے پہ بضد تھے۔ کہ شادی گاؤں میں تھی اور ان کے خیال میں گاؤں میں گزارے چند روز میرے لیے مثبت تبدیلی کا سندیسہ ہوں گے۔

بابا کا خیال صحیح نکلا..... اسی شادی میں، میں نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی خوب صورتی سے مکمل بے

pklibrary.com

نیاز اور بلا کی معصومیت کا امتزاج..... وہ خوشبوؤں، رنگوں جیسی لڑکی، گاؤں میں گزارے تین دن میں ہی میرے حواسوں پہ چھا گئی۔

واپس آتے ہی میں نے بابا سے شادی کی بات کی۔ وہ تو پہلے سے ہی خواہاں تھے مگر میں ہی ہاتھ نہ آتا تھا..... بابا کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میں نے ان سے کوئی فرمائش کی ہے۔ مگر میری پسند کا سن کر وہ سوچ میں گم ہو گئے۔

''دیکھ لو..... گاؤں کی لڑکی کے ساتھ گزارا کر پاؤ گے؟'' وہ بولے۔

''بابا..... آپ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ آپ میری یہ خواہش پوری کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں یا نہیں؟'' میرے لہجے میں حد درجہ بیزاری تھی۔ انہوں نے گہرا سانس بھرا۔

''میرے بیٹے نے مجھ سے پہلی بار کچھ مانگا ہے۔ اگر اب بھی تمہیں نہ دے پایا تو میں بدنصیبوں میں شمار ہو جاؤں گا۔'' میرے کندھے پہ تھپکی دیتے انہوں نے کہا۔

یوں وہ میری زندگی میں آ گئی..... مجھے زندگی حسین لگنے لگی۔ سنجیدگی اور بیزاری کا خول تڑخ گیا۔ وہ جب پنجابی زبان میں دیہی عورتوں کی طرح بات کرتی تو بڑی پیاری لگتی۔

''سوہنڑے لگ رے او جی..... پیارے لگ رہے ہو جی۔''

اسے لگتا تھا کہ میں اس کے اس انداز اور بولی سے چڑتا ہوں۔ اس لیے وہ جان بوجھ کے، کبھی کبھی مجھے چڑانے کی خاطر ایسا انداز و بیاں اپناتی۔ میں بظاہر جھنجھلاتا تھا مگر درحقیقت وہ اس روپ میں اور بھی بھاتی تھی۔

وہ سارا دن بابا کے ساتھ باتیں کرتی، گھر کے کام خصوصاً کھانا پکانا اپنے ہاتھوں سے کرنے کو ترجیح دیتی۔ اس کے آنے سے بابا بھی خوش رہنے لگے۔ جب بابا نے مجھے پہلی بار قہقہہ لگاتے دیکھا تو پہلے تو وہ مجھے تکتے رہے، نم آنکھوں کے ساتھ..... پھر اس سے بولے۔

''بیٹا..... تم نے میرے گھر اور میرے بیٹے کے دل کو آباد کر دیا ہے۔ میں نے کبھی اسے ایسے ہنستے نہیں دیکھا۔'' صوفے پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھی ان کی بہو نے ہاتھ جھلایا۔

''رہن دو ابا جی.....'' مجھے چڑانے کی خاطر میری طرف مسکراہٹ اچھالی۔

''آپ کے سامنے ڈرامے کرتے ہوں گے..... ورنہ ایک منٹ کے لیے بھی سنجیدہ نہیں ہوتے۔''

میں اور بابا ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اب ہمارے درمیان اپنائیت کی فضا واپس آ گئی تھی۔ یہ بھی اسی کی کارفرمائی تھی کہ جب رات کو بابا کو دودھ کا گلاس دینے جاتی تو مجھے بھی کھینچ کھانچ کے ساتھ لے جاتی۔ آدھ پون گھنٹہ ہم بابا کے ساتھ باتیں کرتے گزارتے تھے۔

چھ ماہ پہلے دائم کی آمد نے ہماری زندگی کی رونقوں کو دوچند کر دیا تھا..... زندگی کا ہر ہر لمحہ مہکنے لگا۔

''اجی دیمو کے ابا..... سنیے تو۔'' اس نے مزے سے مجھے چھیڑا۔

''تمہیں کوئی مسئلہ ہے.....؟'' میں غرا کر اس کی جانب پلٹا..... وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہوئی..... پھر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

''باقی تو میں برداشت کر لوں گا مگر میرے بیٹے کا نام بگاڑا ناں تو دیکھنا تمہارا حال حلیہ بگاڑ دوں گا۔''

میں نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ مگر شاید اس پہ چنداں اثر نہ ہوا تھا کہ وہ ابھی بھی گلا پھاڑے ہنسے جا رہی تھی۔ میں کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا۔ پھر میری ہنسی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی۔

میں نے بھی اسے مسکرا کر دیکھا۔ مگر وہ منہ پھلا کر پھر سے اپنی ڈائری پہ جھک گئی۔ آئیں ہم بھی دیکھیں کہ اب کی بار وہ کس بے چارے سے شاعر کا حلیہ بگاڑنے لگی ہے۔

واہ رے دیہات کے سادہ تمدن کی بہار
سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زرنگار
دل یہ چاہتا ہے فراقِ انجمن سہنے لگوں
شہر کی رنگینیاں چھوڑوں، یہیں رہنے لگوں

pklibrary.com

pklibrary.com

ماہنامہ کرن

جولائی 2021ء کے شمارے کی ایک جھلک

- اداکار "محسن عباس حیدر" سے شاہین رشید سے ملاقات،
- اداکار "سید عارض الدین احمد" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "بشریٰ رضوان" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "دامن سحاب" مہوش افتخار کا سلسلہ وار ناول،
- "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- "ذات عورت" اُم اقصیٰ کا مکمل ناول،
- "نمکین پانیوں کا سفر" منعم ملک کا مکمل ناول،
- "جنہیں راستے میں خبر ہوئی" نازیہ کنول نازی کا ناولٹ،
- "یاقوت" منشا محسن علی کا ناولٹ،
- "تری عورت" اُم ہانی کا ناولٹ،
- "سنگ تراش" کنیز زہرہ کا ناولٹ،
- شائلہ دلعباد، قرۃ العین خرم ہاشمی، ہاجرہ عمران، حوریہ بتول اور نادیہ بلوچ کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **"کرن کتاب"**

معلوماتی اور دلچسپ مضامین کے ساتھ اور بقرہ عید کے پکوان

جولائی 2021ء کا شمارہ شائع ہوگیا

عفت سحر طاہر

رنگ دے چنریے

pklibrary.com

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

زمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

زمین کی سہیلی بجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

زمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا اسے جانے کی اجازت

pklibrary.com

دے دیتے ہیں لیکن اس کی اماں ناراض ہی رہتی ہیں۔

زمین صوما کی سالگرہ کی تقریب میں (جو کہ ٹھیم پر تھی) گھر سے تیار ہو کے نہیں جاتی بلکہ بجل کے گھر سے تیار ہو کر جاتی ہے۔ راستے میں بجل رانا سعید سے عباد وسیم کے متعلق بات کرتی ہے کہ رانا سعید عباد کا دوست ہے وہ عباد سے زمین کی دوستی کرا دے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی دوست کو بربادی کے راستے پر مت ڈالو۔ پارٹی میں زمین کی عباد سے ملاقات ہوتی ہے لیکن وہ یمنیٰ الطاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگلی ملاقات میں بجل بتاتی ہے کہ عباد وسیم، رانا سعید سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔ زمین بے یقین ہوتی ہے۔

وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ فیملی ڈاکٹر فریحہ کی ولیے کی صبح اس کا چیک کرنے آیا تو اس نے کہا کہ شاکڈ اور ڈپریسڈ ہیں۔ میڈیسن دیں آرام کرائیں شام تک بہتر ہو جائیں گی۔

بجل زمین کو آفس کے بعد لے کر کلب آ جاتی ہے زمین کا موڈ آف ہے۔ وہاں ان کی ملاقات عباد وسیم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان رکھائی سے بات چیت ہوتی ہے۔ عباد وسیم ان کے جوس کا بل ادا کر دیتا ہے۔ زمین کو برا لگتا ہے۔

نصرت زلفی کو کہتی ہیں کہ اٹھ کر دکان پر چلا جا لیکن وہ نہیں سنتا۔ وہ زمین کی ہم راہی کا خواب دیکھتا ہے نصرت کہتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی تجھ سے شادی سے انکار کر دے گی۔ زلفی کہتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگ ہے۔

زمین کے پاس چھٹی والے دن عباد کا فون آتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دن گزارنا چاہتا ہے۔ زمین، بجل کے گھر کا بہانہ کر کے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کرتی ہے۔

عباد وسیم کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر زمین خوشی خوشی گھر لوٹ آتی ہے۔ زمین کو اس کی کھوجتی چمکتی آنکھوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔

زمین کی غیر موجودگی میں اماں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ حریم ابا کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے زمین کو فون کرتی ہے، فون بند ہونے کی صورت میں وہ تھک ہار کر بجل کے نمبر پہ کال کرتی ہے، اسے مبارک باد دیتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے کہ کس چیز کی مبارک باد اور اپنے گھر میں صبح سے کپڑے دھونے کی مظلومیت کا رونا روتی ہے۔ حریم پریشان ہو جاتی ہے۔ ابا آ جاتے ہیں وہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔

زمین کے آنے پر حریم اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں تھی، زمین سچ اسے بتا دیتی ہے۔

عباد وسیم، رانا سے ملتا ہے تو زمین کی بات ہوتی ہے، رانا کہتا ہے کہ وہ شریف گھرانے کی ہے اس کو بخش دے۔ عباد ہنسنے لگتا ہے۔

مائرہ صبح صبح پھپھو کے گھر پہنچتی ہے جہاں عباد وسیم اور نزہت ناشتہ کر رہے ہیں۔ مائرہ اور نزہت کی معنی خیز باتوں سے انجان بنتا عباد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

حریم بے ساختہ میرب کو پیار کرتی ہے، وہ گھبرا جاتی ہے۔

نزہت گھر واپسی پر حریم کو کہتی ہیں کہ وہ میرب کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گی۔

حریم عباد کھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کے شوروم تک آ جاتی ہے عباد اسے دھمکاتا ہے وہ اس سے کہتی ہے کہ تم خراب کیریکٹر کے ہو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ زمین پتا چلنے پر ناراض ہوتی ہے اور عباد سے معذرت کرتی ہے وہ معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مارک ڈینکیل کو بتاتا ہے کہ اس کی مسلمان لڑکی سے دوستی ہے۔ نصرت پھپھو تاریخ طے کرنے کے لیے مٹھائی اور شادی شدہ بیٹی کو لے کر آتی ہیں۔ زمین گھر میں نہیں ہوتی۔

حریم کو وہ اس کے گھر لے کر آتا ہے اماں اور طوبیٰ بہت خوش ہوتی ہیں لیکن ابا کے آنے سے پہلے اسے جانے کا کہتی ہیں۔

عباد کی برتھ ڈے کے موقع پر عباد زمین کو اپنے فلیٹ پر تنہا بلاتا ہے، وہاں جانے کے بعد زمین کو باپ کی بات یاد آتی ہے کہ دو نامحرموں کے بیچ تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے۔

عباد زمین کو اپنے فلیٹ پر بلاتا ہے۔ اس کے قریب آنے پر وہ وہاں سے واپس آ جاتی ہے۔ عبد کی پرکھ کہ وہ پورا اترتی ہے۔ ادھر نصرت پھپھو تاریخ لینے آ جاتی ہیں۔ اماں اور حریم کے پوچھنے پر زمین شادی کی ہامی بھر لیتی ہے۔ نصرت پھپھو اور زلفی خوش ہو جاتے ہیں۔ بجل فون کر کے زمین کو لاتی ہے۔ وہاں عباد وسیم موجود ہوتا ہے اور اسے پرپوز کرتا ہے۔

pklibrary.com

نرمین خوشی خوشی گھر آتی ہے۔

رات میں حریم نریم سے کہتی ہے کہ شادی کا کارڈ پسند کرلو۔ وہ کہتی ہے پہلے لڑکا تو پسند کرلوں۔ پھر اسے بتاتی ہے کہ عباد وسیم نے اسے پرپوز کیا ہے۔ دروازے میں کھڑی اماں یہ سن کر بے سدھ ہو کر گر پڑتی ہیں۔

تجل کے سمجھانے پر حریم کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے، اس نے اپنی زندگی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ حالات کو انتہا پر آتے دیکھ کر حریم شوہر سے کہتی ہے کہ وہ میرب سے دور نہیں رہ سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اسے آخری چانس دے رہا ہے، اس کے بعد اسے یہاں سے جانا پڑے گا۔

وہ میرب کے لیے شاپنگ کا کہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آؤٹ لیٹ پر آجاتا۔ زیاد واپس پہنچتا ہے تو کیتھی کی ساتھی ویٹرس اسے بتاتی ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔

زیاد کیتھی کو بتاتا ہے کہ اس کے بھائی نے پسند کی شادی کرلی ہے اور ماں باپ نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور بھائی کی منگیتر اس کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں۔

پال کیتھی سے کہتا ہے کہ اسے اب مارک کے مستقبل کی پلاننگ کرنی چاہیے۔ وہ اکتا کر وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔

مارک اس سے راستے میں معافی مانگتا ہے، کیتھی کے انکار پر ثبوت ملنے کا کہتا ہے۔

کیتھی زیاد سے کہتی ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ عباد ماں باپ سے معافی مانگ کر گھر واپس آنے کا کہتا ہے۔

مائرہ، حریم کو آؤٹ لیٹ پر دیکھ کر برہم ہوجاتی ہے۔ نزہت بھی اس پر ناراض ہوتی ہے۔ حریم میرب کو لے کر اپنے والدین کے گھر آتی ہے۔

حریم میرب کو لے کر اپنے والدین کے گھر جاتی ہے۔ اماں کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوتا ہے کہ حریم کا شوہر پہلے سے شادی شدہ ہے۔ وہ بچی کو پیار کرتی ہیں کہ اس میں نرمین کی شباہت ہوتی ہے۔

مائرہ کو دیکھنے کچھ لوگ آنے والے ہیں۔ وہ ماں پر ناراض ہوتی ہے لیکن وہ کہتی ہیں کہ اپنی پھپھو کے سراب سے باہر نکل آؤ۔

نزہت بیٹے پر ناراض ہوتی ہیں کہ اسے حریم کے میکے کیوں بھیجا۔ مائرہ اسے اپنے آنے والے رشتے کے بارے میں بتاتی ہے۔ وہ اسے سمجھاتا ہے کہ اسے اب زندگی میں آگے بڑھ جانا چاہیے۔ مائرہ باہر جانے کا پروگرام بناتی ہے لیکن وہ منع کردیتا ہے کہ اسے حریم اور میرب کو لینے جانا ہے۔ مائرہ شدید غصے میں گھر آتی ہے جہاں اس کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہوتے ہیں، وہ ان سے بدتمیزی کرتی ہے۔ فوزیہ بیٹی کو ڈانٹتی ہیں، وہ بے ہوش ہوجاتی ہے۔

کیتھی کے گھر والوں کو پتا چل جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرچکی ہے۔ وہ اسے لے کر غائب ہوجاتے ہیں۔ زیاد ہر جگہ اسے تلاش کرتا ہے لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چلتا، مائرہ خودکشی کرلیتی ہے۔

سترہویں قسط

نرمین کی موت اور عباد کی دگرگوں حالت نے پورے سیٹھی ہاؤس پہ ایک قیامت ڈھادی۔ ڈیڑھ ہفتے سے ہاسپٹل کے سرد و لمبے کوریڈور ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے تھے ایسے میں ننھی میرب سارا وقت کھیلتی رہتی یا سوئی رہتی لیکن جب بھوک لگتی تو اس کا ماں کے لمس کو تلاشنا اور بلک بلک کر رونا سب ہی کو ہلکان کردیتا۔

عباد نے اپنی موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ہر کسی کو موت آنی ہی آنی ہے لیکن فرمان الٰہی ہے کہ ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ ''چکھنا'' ہے۔ اور زندہ رہ کر یہ ذائقہ ''چکھنا'' کس قدر تکلیف دہ عمل تھا کوئی اس وقت عباد وسیم سے پوچھتا جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرزا کرتی تھی۔ جس کی وجاہت ایک زمانے میں مشہور تھی اور اب وہ اس ذائقے کو چکھ رہا تھا جو اس کے تمام ہی اعمال سے مل کر اس کے حصے میں آیا تھا۔

وہ ہوش میں تھا جب ڈاکٹرز کی لاعلمی میں وہ ان کی نرمین کی موت کے بارے میں تصدیق کی خبر سن چکا تھا۔ مرنا چاہتا تھا لیکن بھرپور صدمے کا شکار ہو کر بھی زندہ تھا۔

''مم..... مجھے معاف کردیں۔ میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔'' اس نے نزہت کو آب دیدہ دیکھ کر مدھم آواز میں معافی مانگی تو نزہت نے تڑپ کر روتے ہوئے جھک کر نرمی سے اس کی پیشانی چوم لی۔

''میں صدقے..... میں قربان..... عباد! میں نے صدق دل سے معاف کیا تمہیں میرے بچے! بس ایک بار ٹھیک ہو کر پہلے کی طرح ہنستے مسکراتے ہوئے اپنی ماں کے پاس لوٹ آؤ۔ ماؤں کی ناراضی تو بس دکھاوا ہوتی ہے، اولاد کی شکل دیکھ کر سب بھول جاتی ہیں میرے شہزادے!''

ان کے آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے عباد نے مسکرانے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے سارے پل خرچ کر چکا ہے اور زندگی کا یہ سودا نہ تو نقد ملتا تھا نہ ہی ادھار۔ نزہت کو اس کے چہرے سے جھلکتی ناامیدی نے خوف دلایا۔

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہوکار بنے؟
ہے کوئی جو دیون ہار بنے؟
کچھ سال مہینے دن لوگو
پر سود بیاج کے بن لوگو؟

وہ ان کی پہلی اولاد تھا، لاڈلا..... ہٹیلا..... ضدی اور والدین کی سب سے زیادہ محبت پانے والا۔ ورنہ زیاد تو پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی ان کی بیماری کی وجہ سے دادی کی گود میں ڈال دیا گیا تھا تب ہی تو دادی کی تربیت' اس کی نرم خوئی اور اس کی خود سے زیادہ دوسروں کے احساسات کی فکر سے بخوبی جھلکتی تھی۔ وہ عباد سے بالکل الگ تھا نہ ضد، نہ نافرمانی، نہ دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا لیکن تھے دونوں یک جان اور دو قالب۔

سارے دن کی روداد ایک دوسرے کو سنا کر ہی چین پانے والے۔

نرمین کے معاملے میں بھی اس نے سب سے پہلے زیاد ہی پہ اعتبار کیا۔ اپنی ہر فیلنگ..... تمام حالات و واقعات اس نے زیاد ہی سے شیئر کیے۔ اپنے ایک ایک لمحے کی روداد سنا کر عباد کو جیسے سکون ملتا اور زیاد اپنی حیرت کا برملا اظہار کرتا۔ عباد کسی ایک کا ہو کر رہنے والی فطرت کا مالک ہی نہیں تھا نجانے نرمین پہ آ کر اس کی نظر کیسے ٹھہر گئی تھی۔ وہیں زیاد نے بھی کیتھی کے اپنی زندگی میں آنے کے بارے میں صرف عباد کو بتایا تھا۔ گھر میں تو آج تک کوئی زیاد کے اس راز کو جانتا ہی نہیں تھا۔

اور اب..... جیسے نظر بد کھا گئی تھی اس ہنستے بستے گھرانے کو۔ دل کو وحشت و ناامیدی میں جکڑتا دن اور خوف زدہ کرتی رات..... نزہت..... وسیم صاحب اور زیاد کی تو جیسے سانسیں ہی عباد کی آتی جاتی کبھی مدھم پڑتی سانسوں کے ساتھ جڑ گئی تھیں۔

''ہم اسے امریکہ لے جاتے ہیں ڈاکٹر پلیز۔ آپ کوئی مشورہ دیں۔'' وسیم صاحب کی رنگت پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے زرد تھی۔ انہیں اپنی تمام دولت بینکوں میں پڑی خود پہ ہنستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''پیشنٹ کی کنڈیشن آپ کے سامنے ہے کیتھی صاحب! اس کا زندہ بچ جانا ایک معجزہ ہے۔ ورنہ ایک سرجن ہونے کی حیثیت سے میں جانتا ہوں کہ ایسے حادثے سے اتنی سنگین چوٹوں کے بعد بچنا ناممکنات میں سے ہے۔ دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر اتنی انجریز (چوٹوں) کے ساتھ ہوائی سفر کی اجازت نہیں دے گا۔''

ملک کے مہنگے ترین اور مشہور و معروف سرجنز کی ٹیم کے سربراہ نے معذرت خواہانہ انداز اپنا لیا تو وسیم صاحب نے لڑکھڑا کر زیاد کا سہارا لیا۔

"یہ ایک معجزہ ہی ہے کہ پیشنٹ سانس لے رہا ہے۔ باتیں کر رہا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا دماغ کام کر رہا ہے ورنہ اس کی باقی باڈی آلموسٹ ڈیڈ (تقریباً مردہ) ہے۔"

انہوں نے آخری امید بھی کھو دی۔ نزہت کے سجدے دعائیں اور صدقات بڑھ گئے، میرب کی عباد سے ہر روز ملاقات کروائی جاتی۔ اسے دیکھ کر عباد کی آنکھیں بھر آتیں۔ اس کے متعلق عباد نے زیاد کو کئی وصیتیں کی تھیں اسے کئی باتوں کا پابند کیا تھا۔

"سب کچھ برو! تمہارے لیے کچھ بھی کروں گا۔ بس ایک بار تم بالکل پرفیکٹ...... بالکل پہلے جیسے عباد وسیم بن جاؤ۔ تم جو ہو گے میں آنکھ بند کر کے کر جاؤں گا۔"

زیاد سسک اٹھا۔ اگلے چند گھنٹوں میں عباد کو ہارٹ اٹیک ہوا، اس کے دل کے پٹھے کام کرنا چھوڑنے لگے تو بی پی خطرناک حد تک لو ہو گیا۔ اسے وینٹی لیٹر پر ڈال کر گھر والوں سے ملاقات بند کر دی گئی۔ وہ سب آئی سی یو کے بند دروازے کے شیشے کی کھڑکی سے کئی کئی گھنٹے اسے دیکھتے رہتے، آنسو بہاتے ان کا رواں رواں عباد کے لیے دعا گو رہتا، دکھ کی راتیں ہی نہیں دن بھی طویل ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆

اس کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ نرمین کو لے کر سیٹھی ہاؤس جائے نا جانے کیوں، حالانکہ جب اس نے زیاد سے ٹاپک پہ ذکر کیا تو اس نے فوراً نرمین کی حمایت کی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی! اس کا حق بنتا ہے برو! ساری عمر مام ڈیڈ سے دور رہ کر تو نہیں گزار سکتے تم۔ بھابی کا فیصلہ بہت اچھا ہے۔"

"شاباش۔" عباد نے اسے گھورا۔

"کم آن برو! اپنے تعلقات بہتر کرو مام کے ساتھ تب ہی تم انہیں کیتھی کی مجھ سے شادی کے لیے کونیس کر سکتے ہو، ورنہ تو وہ مائرہ کے لیے بس میرا فائنل سلیکشن کر چکی ہیں۔" زیاد کے اپنے مسائل تھے۔

"مما کو نرمین بالکل بھی پسند نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ وہاں جا کر میں دونوں کے درمیان فٹ بال بن جاؤں۔ کسی ایک کی حمایت یا مخالفت کرنا تعلقات کو مزید خراب ہی کرے گا۔"

"وہ دونوں اکیلے ہیں یار! مما ضد پہ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان سے بڑھ کر ضد دکھانا شروع کر دو۔ ایسے تو دوریاں بڑھتی جائیں گی۔" زیاد اس کی نسبت نرم مزاج تھا۔ دوسروں کے جذبات و احساسات کی زیادہ پروا کرنے والا۔

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا میرا فیصلہ بالکل درست ہے۔" زیاد کی باتیں سن کر نرمین کھل اٹھی۔

"ہماری میرب کو مکمل رشتے مل جائیں گے عباد! پھر میں اماں ابا کو بھی راضی کر لوں گی۔" وہ بے حد خوش تھی۔

"زندگی کو خود ہی مشکل بنانے جا رہی ہو تم۔ یہاں اتنی اچھی لائف گزار رہے ہیں ہم۔" عباد نے گہری سانس بھری۔

"اصل زندگی تو وہی ہوگی یار! لوگوں کو پتا تو چلے کہ سیٹھی ہاؤس کی اکلوتی بہو کون ہے۔" نرمین نے اترا کر کہا۔

"ہم یہاں خوش تھے نرمین!" عباد جانتا تھا، گھر جا کر وہ نرمین اور نزہت کے درمیان بری طرح پسنے والا ہے۔ وہ بہت دوٹوک فطرت کا مالک تھا، لگی لپٹی رکھے بغیر فوری فیصلہ لینے والا۔ اب اس فیصلے سے چاہے جس کا بھی دل دکھے اس کی بلا سے۔

اور یہاں دونوں ہی فریق جو ایک دوسرے کے مقابل آنے والے تھے اس کے دل کے قریب تھے وہ نہ نرمین کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ مزید نزہت کا دل دکھا سکتا تھا لیکن نرمین بہت خوش تھی۔ حریم کافی عرصہ سے اس کی طرف نہیں آئی تھی ورنہ اسے بھی اپنی خوشی میں شریک کرتی۔

''میرو کی پیاری خالہ کو نہیں بتایا۔'' عباد نے اسے چھیڑا تھا۔

''اسے سرپرائز دوں گی وہاں بلا کر۔'' نرمین مسکرائی۔

''میرب سے بہت پیار کرتی ہے بھئی اس کی خالہ! اس روز دیکھا نہیں تھا جب زیاد میرو کو ہوا میں اچھال رہا تھا۔ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی میرب کے خالہ اور چچا کی۔'' عباد کو اچھا لگتا تھا کہ ان دونوں کے علاوہ بھی میرب سے بے پناہ محبت کرنے والے موجود تھے۔ ننھیال اور ددھیال کے ہوتے ہوئے وہ ان رشتوں کی شفقت سے محروم تھی۔

''دونوں گھروں کا پہلا بچہ جو ہوئی میرو! اس لیے دونوں کو پیاری ہے۔ چچا اور خالہ کی جان ہے میرو میں۔'' نرمین تفاخر سے بولی۔

☆☆☆

اس روز نرمین نے صبح سے ہی تیاری شروع کر دی تھی سیٹھی ہاؤس جانے کی۔ عباد نے نزہت کو اپنے اور نرمین کے آنے کا بتایا تو اتنے عرصے بعد بھی اپنی انا کو سنبھالتے ہوئے نزہت نے رکھائی سے ہی جواب دیا۔

''تمہاری مرضی..... اپنا گھر ہے تمہارا۔''

اور بس..... نرمین اس میں بھی راضی تھی۔ اس نے میرب کو تیار کر کے عباد کے حوالے کیا ضرورت کے کپڑے بیگ میں ڈال لیے۔ باقی سارے کپڑے اور ضروری اشیاء اس نے پیک کر لی تھیں۔

''یہ سب بعد میں لے جائیں گے۔'' اس نے عباد کو یاد دہانی کروائی۔

وہ خوب صورت تو تھی ہی..... میرون لباس میں تیار ہو کر حسین تر لگنے لگی۔

''نظر نہ لگوالینا آج۔'' عباد نے وارفتگی سے اسے تکتے ہوئے نرمی سے اپنے قریب کیا تھا۔

اور نظر شاید لگ ہی گئی، پیار کی محبت کی۔

سیٹھی ہاؤس جاتے ہوئے وہ بے حد خوش تھی اور عباد اسے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا میرب کو پرام میں ڈال کر سیٹ بیلٹ کے ذریعے پچھلی سیٹ پہ ایڈجسٹ کیا ہوا تھا، فیڈر پیتے پیتے وہ سو چکی تھی۔

''پہلی بہو دیکھی ہے جو ساس سے ملنے اور ان کے ساتھ رہنے کے لیے اس قدر بے تاب اور خوش ہے۔'' عباد نے گہری نظر سے اس کی تمتماتی رنگت اور حسین نقوش دیکھے۔ گاڑی میں نرمین کا قہقہہ لہرایا، لمحے بھر کی چوک تھی۔ اس کے بعد عباد کو سنبھلنے اور اسٹیئرنگ گھمانے کا موقع تک نہ مل سکا، سامنے سے آتا بدمست ٹرالر اپنے کنٹینر سمیت گاڑی کو کسی کھلونے کی طرح رگیدتا پچکاتا چلا گیا۔ خوف اور پھر شدید تکلیف۔ عباد کی سماعتوں میں محفوظ آخری آواز نرمین کی بے ساختہ اور دل دوز چیخ کی تھی۔

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ زیاد نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''وہ چلی گئی مجھے چھوڑ کر۔'' اس کی آواز میں تکلیف تھی۔ نوحے تھے۔

''میرے لیے وہ سب کو چھوڑ کے آئی تھی۔''

''اللہ کی رضا، اس کی مصلحت وہی جانتا ہے بھائی! تم میرب کو دیکھو۔ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔'' زیاد بمشکل تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا اور جس حوصلے سے وہ عباد کے پاس رہتا تھا یہ وہ اور اس کا اللہ جانتا تھا۔ بھائی کی تکلیف دیکھ کر اس کا دھاڑیں مار کر رونے اور یہاں سے بھاگ کر کہیں چھپ جانے کو دل کرتا تھا۔ جب وہ

واپس لوٹے تو سب کچھ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک ہو۔

''مینو تو نہیں ہے نا..... نرمین۔'' وہ نرمین کو پکارتا ایک دم سے حوصلہ چھوڑ بیٹھا تھا۔ زور سے رو دیا تو زیاد نے گھبرا کر نرسنگ الارم پہ ہاتھ رکھا اور خود عباد پہ جھک کر اسے حوصلہ دینے لگا۔

''مت کروایسے، طبیعت بگڑ جائے گی۔'' اسٹاف نرس نے زیاد کو آئی سی یو سے باہر نکال دیا تھا۔ عباد کے سامنے سے ہٹتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بینچ پہ ڈھے گیا۔ یہ امتحان اس کی ہمت سے بڑھ کے تھا۔

☆☆☆

''نرمین کے مرنے کے بعد تم نے سوچا تھا کہ میرب کے لیے حریم اچھی ماں ثابت ہوگی لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ کیسی ''ڈسٹربڈ پرسنالٹی'' کی مالک ہے وہ۔ جو خود کو سنبھال نہیں پا رہی وہ اس بچی کی کیا خاک تربیت کرے گی۔'' نزہت نے نخوت سے کہا تو وہ اپنے لیے پیالی میں سویٹ ڈش نکالتے ہوئے ٹھٹکا۔

''صحیح کہہ رہی ہوں میں۔ ایسی رونی صورت بنا کر پھرتی رہتی ہے کہ گھر بھر نحوست کی لپیٹ میں محسوس ہونے لگا ہے۔''

''ٹھیک ہو جائے گی آہستہ آہستہ۔ نئی جگہ نئے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے میں وقت لگتا ہے۔''

''چھوڑو بھی۔'' انہوں نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑائی۔

''چھ ماہ ہو گئے ہیں۔ ابھی تک بی بی رانی ایڈجسٹ ہی نہیں ہو پائیں جیسے ''بکنگھم پیلس'' سے نکل کے سیدھی ہاؤس آئی ہے نا۔'' وہ سلگیں۔

''قصور اس کا نہیں۔ میرا ہے مما! وہ تو شاید ایڈجسٹ کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں ہی اپنے ماضی سے نکل نہیں پا رہا ہوں۔'' اس نے پہلی بار شاید ساری صورت حال کا ایمان داری سے تجزیہ کیا تھا۔

''اس کی بے وقوفیوں پر پردے مت ڈالو۔ ایک تو موری کی اینٹ لا کر محل میں لگا دی۔ اوپر سے اسے ہضم بھی نہیں ہو رہیں یہ آسائشیں۔'' نزہت تنکیں۔

''مام پلیز! مجھے حریم سے آپ کے اس قدر متنفر ہونے کی کوئی ایک وجہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔ نرمین کو آپ نے معاف کر دیا تھا پھر اسی کی بہن کے ساتھ اس قدر سخت رویہ..... بار بار اس کی غربت کے طعنے..... یہ سب اگر آپ مائرہ کی محبت میں کر رہی ہیں تو آئم سوری۔ غلط کر رہی ہیں۔'' وہ صاف گوئی سے کہتا انہیں چپ کروا گیا۔ شاید آئینہ ہی دکھا دیا تھا۔

''ہاں، مجھے مائرہ کے لیے دکھ ہے۔''

''تو اس کا ازالہ آپ حریم کو دکھ پہنچا کر کریں گی؟'' وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ نزہت نے لمحہ بھر اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ کہے بنا اٹھ گئیں۔

''ایک بات کا تو میں عہد کر چکا ہوں مما! حریم چاہے جو بھی ہے جیسی بھی ہے، میں اس سے جُڑے اس رشتے کو نبھاؤں گا۔ میرب کے ساتھ اس کا خون کا رشتہ ہے، جو دنیا میں کسی بھی لڑکی سے میرے شادی کرنے پر میرو کو نہیں مل سکتا تھا۔''

اس نے صاف آواز میں اپنی بات مکمل کی تھی۔ نزہت سر جھٹکتی وہاں سے چلی گئیں۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے ٹشو پیپر سے چمچ صاف کرتے ہوئے سویٹ ڈش کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ لیکن اندر ہی اندر وہ اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی تدبیر کرنے کی ٹھان چکا تھا۔

☆☆☆

میرب کے مسلسل رونے کی آواز پر وہ جلدی سے کچن ٹاول سے ہاتھ پونچھتی لاونج کی طرف آئی تو مائرہ کو

pklibrary.com

میرب کا ہاتھ تھامے اور میرب کو بے تحاشا روتے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔
''تم کیوں آئی ہو؟''
''میرب کیوں رو رہی ہے؟''
''بچے رو ہی پڑتے ہیں کبھی کبھار۔ ایسا کچھ انوکھا نہیں رو رہی میرب! تم جا کر اپنا کام ختم کرو۔''
نزہت نے اسے بری طرح جھڑک دیا جبکہ حریم کو دیکھتے ہی میرب کے رونے میں مزید تیزی آئی اس کا ایک بازو مائرہ کی گرفت میں تھا اور دوسرا ہاتھ اس نے روتے ہوئے حریم کی طرف گویا مدد کے لیے پھیلا دیا۔
''اسے چھوڑ دو مائرہ! پلیز۔'' حریم سے میرب کا رونا برداشت نہیں ہوا تھا۔
''میں شاپنگ کے بعد اسے پارک لے جانے والی ہوں، چھپھو بھی ساتھ ہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔
''اچھا، ٹھیک ہے۔ میں اسے بہلا کر چپ کروا دیتی ہوں پھر تم اسے لے جانا۔'' حریم نے مائرہ کا محض تنگ کرنے والا انداز دیکھ کر مصلحت آمیز لہجے میں کہا۔
''شٹ اپ۔'' مائرہ نخوت سے بولی۔
''تم تو ایسے تڑپ رہی ہو جیسے تم اس کی اصلی ماں ہو۔ جاؤ اور برتن مانجھو اپنے۔ بڑی آئی بہلانے والی۔ اس کے باپ کو بہلا لیا نا، وہی کافی ہے۔'' اس نے حقارت سے کہا تو حریم کی رنگت سرخ پڑ گئی۔
''آنٹی! آپ اسے اپنے الفاظ میں منع کر لیں۔ مجھ سے میرب کا رونا برداشت نہیں ہو رہا۔'' حریم نے ضبط کرتے ہوئے خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھتی نزہت کو مخاطب کیا تو مائرہ نے مچلتی ہوئی میرب کو اٹھا لیا۔
''تم نے سنا نہیں جاؤ..... اور جا کر اپنا کام ختم کرو۔ دادی ہوں میں میرب کی۔ تم سے زیادہ میرا حق ہے اس پر۔ کم از کم سوتیلی تو نہیں ہوں تمہاری طرح۔'' نزہت کا لب و لہجہ مکمل طور پر مائرہ کا حامی تھا۔
''مما پاس جانا ہے۔'' میرب نے سسکی بھری تو حریم لال بھبوکا چہرہ لیے واپس پلٹ گئی۔
''ثریا! ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے۔'' نزہت نے اونچی آواز میں کہا تھا۔
کمرے میں آ کر حریم نے موبائل اٹھایا اور کال ملانے لگی، دل کو جیسے کنکھے لگ گئے تھے، نزہت اور مائرہ کی اس سے ان بن قابل برداشت تھی لیکن یوں میرب کو اس سے دور کرنا اسے وحشتوں میں دھکیل رہا تھا۔
دوسری طرف رنگ مسلسل جا رہی تھی لیکن وہ کال اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ حریم کا مقصد یہی تھا کہ فوراً اسے سارا واقعہ بتا کر مائرہ اور نزہت کو اپنی من مانی سے روک سکے مگر وہ اس کی کال اٹینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔ ہر گزرتے پل میں حریم کی ٹینشن بڑھ رہی تھی، اس نے غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ موبائل بستر پہ پھینکا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے اس کے کانوں میں میرب کی ہلکی ہلکی سسکیوں اور نزہت کے پچکارنے کی آواز آئی۔
''یہ تو بہت بدتمیز ہو گئی ہے۔ مجال ہے جو کہنا مان لے، چڑیل۔''
مائرہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولی یقیناً یہ تبصرہ نزہت کی گود میں دبکی میرب پر تھا۔
''اونہوں، بچی ہے مائرہ! پیار سے برداشت سے کام لو گی تبھی تم سے مانوس ہو گی۔'' نزہت بڑی محبت سے کہہ رہی تھیں۔ حریم کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی۔
''میرب کے دودھ کا ٹائم ہو رہا ہے، اسی لیے رو رہی ہے۔''
وہ کھنکھارتی ہوئی آگے آئی تھی۔ میرب جلدی سے بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی حریم نے جھک کر اسے اٹھایا اور شانے سے لگا لیا۔ پھر نزہت اور مائرہ کے حیرت سے کھلے منہ کی پروا کیے بنا وہ میرب کو اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''بڑی ہی کوئی گھٹیا تربیت کی لڑکی ہے یہ بھئی۔'' مائرہ کا سلگتا ہوا تبصرہ اس کے پیچھے آیا لیکن حریم نظر انداز کرتے ہوئے میرب کو شانے سے لگائے کمرے میں آئی۔ دروازہ لاک کیا اور میرب کو چومتے ہوئے سینے سے لپٹا لیا۔

''میں صدقے، میرا بچہ۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ نزہت کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت اس میں زندگی بھر شاید نہ آتی، لیکن اولاد کی محبت ماؤں سے سب کروا لیا کرتی ہے۔ اس نے جلدی سے فیڈر میں دودھ بنا کر میرب کو دیا تو وہ حسب عادت ایک ہاتھ سے فیڈر تھامے دوسرے ہاتھ سے حریم کی انگلی تھامے دودھ پینے لگی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں رونے کی وجہ سے متورم تھیں۔ حریم نے نرمی سے ان آنکھوں کو چوم لیا۔ جو بالکل اسے زمین کی آنکھیں لگی تھیں۔ میرب کو سلا کر وہ نیچے آئی تو لاؤنج خالی تھا یعنی نزہت اور مائرہ شاپنگ کے لیے جا چکی تھیں۔ حریم نے سکھ کی سانس لی اور کچن میں چلی آئی جہاں ثریا یقیناً ہانڈی بنا چکی تھی۔ نزہت کی وجہ سے ہی حریم نے رات کا کھانا گول کر دیا وہ نہیں چاہتی تھی وسیم سیکھی کے سامنے اس کی پیشی ہو۔

رات میرب کو سلانے کے بعد حریم یونہی وقت گزاری کے لیے ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، سلام کی آواز پر حریم نے رسالے پر سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ تھکا تھکا سا تھا۔

''کھانا گرم کروں؟''

کاؤچ پہ بیٹھے اس نے سر اٹھا کر حریم کو دیکھا۔

''تم نے کھا لیا؟''

''ہاں..... تم لیٹ ہو بہت۔'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی جتا گئی۔

''میں بھی کھا کر آیا ہوں۔'' وہ آرام دہ سلیپرز پہنتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم نے آج بدتمیزی کی ہے مما اور مائرہ کے ساتھ؟''

حریم ڈائجسٹ پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے دوپہر میں تمہیں کال کی تھی۔''

''میٹنگ میں تھا میں۔ موبائل آفس ہی میں رہ گیا۔ بعد میں کال کرتا رہا لیکن تمہارا نمبر آف آ رہا تھا۔'' وہ بولا تو حریم کو یقین نہ آیا۔ ادھر ادھر موبائل ڈھونڈا تو تکیے کے نیچے پڑا مل گیا آن کیا تو آن نہیں ہوا یعنی چارجنگ ختم تھی۔

''تم نے میرب کو چھینا ہے مما سے؟'' وہ پوچھ رہا تھا حریم نے موبائل سائیڈ پہ ڈالتے ہوئے بنا ڈرے اسے دیکھا۔

''مجھے نہیں پتا، تمہیں کیا بتا کر بھیجا گیا ہے۔ مائرہ اسے زبردستی ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن میں میرب کو کسی بھی صورت مائرہ کے حوالے نہیں کر سکتی۔''

''ان کا بھی رشتہ ہے میرب کے ساتھ۔'' وہ جتا گیا۔

''میرب اسے پسند نہیں کرتی۔ آپ ایک دو سالہ بچے کے ساتھ ضد بازی یا زبردستی نہیں کر سکتے۔'' حریم نے احتجاج کیا۔

''مما ساتھ تھیں نا؟ پھر بھی تم نے زبردستی کی میرب کو لے کر۔''

''میں ماں ہوں۔ مجھ سے زیادہ اچھی طرح کوئی نہیں جان سکتا کہ میرو کو کس وقت کیا چیز پسند ہے۔ وہ مائرہ کے ساتھ بالکل نہیں جانا چاہتی تھی۔''

''پارک جا کر وہ سیٹ ہو جاتی۔ تم میرب کو لے کر زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو۔'' اس کی پیشانی پر شکن تھی۔

''تم اسے یا تو مکمل میرے حوالے کر دو یا پھر اس کے لیے مائرہ ہی کو لے آؤ۔'' حریم نے ضبط کرتے ہوئے طنزیہ کہا تھا۔

''حالات کیسے بھی ہوں۔ میں پھر بھی تمہیں مما سے بدتمیزی کی اجازت کسی صورت نہیں دوں گا حریم!''

''میں نے ان سے۔''

''تم نے کچھ بھی کیا ہو۔ میں صرف تمہیں وارن کر رہا ہوں۔ تمہاری حدود متعین کر رہا ہوں، ان کے پار مت جانا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے بولا۔

''میں بدتمیز نہیں ہوں۔'' حریم نے بچگانہ احتجاج کیا۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' اچٹتی نگاہ اس کے جل پڑتے چہرے پر ڈالی۔

''تمہارے ساتھ میرے اور مسائل ہیں، اور خیر۔ بدتمیزی تو میں نے تمہارے ساتھ بھی کبھی نہیں کی۔'' حریم خفگی سے بولی۔

''میرے ساتھ بھی جو مسائل ہیں انہیں جلد از جلد حل کر لو۔ اس سے زیادہ برداشت مجھ میں بھی نہیں ہے۔'' اس نے رسان سے کہا تو حریم کا دل سلگا۔

''ہاں، سارے مسائل میرے ہی تو کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ تم نے تو لا کر جنت میں ڈال دیا ہے مجھے، جہاں نہ غم ہے نہ فکر۔''

''بس غلطی ہو گئی مجھ سے۔ ظلم کر دیا تمہارے ساتھ ورنہ تم اس کیا نام تھا بھلا تمہارے فیانسی کا؟'' وہ یاد کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے ذرا سوچنے لگا پھر دوبارہ شروع ہوا۔ ''ہاں زلفی نام تھا شاید، اس کے ساتھ ایک مکمل اور ہیپی لائف گزار رہی ہوتیں۔ بہت شرمندہ ہوں میں تمہاری ساری لائف کی پلاننگ گڑبڑ کر دی۔'' حریم کا دل چاہا تکیہ کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارے کیا، تاک کر وار کر رہا تھا۔

''ہاں، یہ ظلم تو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میرا منگیتر ہی نہیں اچھا دوست بھی تھا وہ۔'' خدا جانے کیا سوچ کر اور کس رو میں وہ کہہ گئی تھی پھر بے اختیار اسے دیکھنے لگی جو بے یقینی سے حریم ہی کو دیکھ رہا تھا۔

''ہاں نا۔ منگیتر کے ساتھ لگاؤ تو ہو ہی جاتا ہے۔'' حریم ڈھٹائی سے اپنے بیان پہ ڈٹی رہی۔

''کہتی ہو تو ایک اچھے سے ڈنر پہ انوائٹ کر لیتا ہوں اسے۔ تمہیں بھی اچھی کمپنی مل جائے گی۔'' وہ میٹھا سا طنز کرتے ہوئے تحمل سے بولا تو حریم کو جھٹکا لگا۔ (ہائے..... در فٹے منہ میرا)

''حد ہو گئی۔ بات کہاں کی تھی اور کہاں لے آئے تم۔'' وہ تلملائی۔

''میں اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔ میری بیوی کو کوئی اجڈ گنوار یا بدتمیز کہے، یہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں اس لیے اپنا رویہ درست کرو۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا تو حریم کی بولتی بند ہوئی۔ کیا ہی ٹھنڈک اتری تھی دل میں۔

''تو پھر تم مائرہ سے کہہ دو کہ وہ میری بیٹی سے دور رہے۔''

''رشتے بنانا سیکھو حریم! توڑنا نہیں۔ میرب کو سب سے دور مت کرو۔''

''تم کچھ نہیں جانتے، جو میں نے دیکھا ہے۔''

''میں جو جانتا ہوں، وہی کافی ہے..... اور تم سے جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ مجھے اتنی بحث کرنا بالکل بھی پسند نہیں۔'' وہ اب کی بار حتمی سے بات ختم کرتے ہوئے بولا اور لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تو حریم ڈائجسٹ بیڈ پہ پٹخ کر رہ گئی۔

☆☆☆

pklibrary.com

''ذوالفقار بات کر رہے ہو تم؟'' اجنبی نمبر انجان سی زنانہ آواز..... زلفی نے حیرت سے ایک بار پھر موبائل کو کان سے ہٹا کر اسے گھور کر دیکھا۔ وہ ابھی ابھی پھپھا کی گالیاں کھا کر اسٹور پہ آ کر بیٹھا ہی تھا کہ یہ کال آ گئی۔

''ہاں جی۔ آپ کون؟''

''اس بات کو چھوڑو، تم یہ بتاؤ کہ نرمین اور حریم نے تمہیں کیوں چھوڑا؟'' وہ کرسی سے گرتے گرتے بچا۔

''کیا مطلب ہے جی آپ کا؟ اور آپ ہیں کون؟''

''مطلب تو تمہارا ہوگا۔ لاکھ..... دو لاکھ..... تین لاکھ..... زندگی بن جائے گی تمہاری۔ اور ہڈحرامی والا ٹھپہ بھی اتر جائے گا۔'' ٹھہری ہوئی آواز میں کہا گیا تو زلفی کے کان کھڑے ہوئے۔

''جیتو پاکستان میں پھر سے لاٹری تو نہیں نکل آئی میری؟ معاف کردو بھائی! دو دفعہ پہلے لٹ چکا ہوں میں اسی سونے اور لاکھوں کے چکر میں۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

دوسری طرف سے گہری سانس کی آواز آئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، فی الحال تمہارے اس نمبر پہ ایزی پیسہ کے ذریعہ دس ہزار بھیجے ہیں۔ اسے خرچ کرو۔ اگلی بار پندرہ ہزار..... پھر بیس۔''

''مم..... میں کوئی نقل وقل باڈا کے کا کام نہیں کروں گا۔'' زلفی کی آواز لڑکھڑائی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ریلیکس رہو۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دن پھر جائیں تاکہ آئندہ کوئی لڑکی تمہاری ہڈحرامی اور ویلے پن کی وجہ سے تمہیں چھوڑ کر نہ بھاگے۔'' طنز سے کہا گیا زلفی جل ہوا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے جی۔ اپنا اسٹور چلاتا ہوں میں۔''

''سب پتا ہے مجھے، یہ بتاؤ میرا ایک کام کرو گے؟''

''پہلے نوعیت تو پتا چلے کام کی جی۔ ایسے کیسے ہامی بھر لوں۔'' زلفی کا دل پیسوں کی بات سن کر ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔

''ابھی فی الحال یہ پیسے خرچ کرو، بعد میں اگر تم محسوس کرو گے کہ تم میرے کام آ سکتے ہو تو رابطہ کروں گی تم سے۔'' کال ڈراپ ہو گئی تھی۔ زلفی حیرت کے مارے کتنی ہی دیر موبائل کو سامنے کیے تکتا رہا۔

''ابے یہ کیا سین ہے؟'' اتنی حیرت تو اسے ہر روز فون پر جیتو پاکستان سے لاکھوں روپے کے انعامات جیتنے والے میسج پا کر بھی نہ ہوتی۔

اس کا دماغ چلا۔ جلدی سے اپنا ایزی پیسہ اکاؤنٹ چیک کروایا تو اس میں واقعی دس ہزار کی رقم آ چکی تھی۔ اس کا سر چکرا گیا۔

''یا اللہ۔ کیا چھپر پھاڑ کے دیا ہے تو نے۔'' اگلے ہی پل وہ خوشی سے جھوم اٹھا، اس جیسے نکھٹو کام چور کے لیے تو یہ اچانک امداد کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ سود و زیاں اور غلط صحیح کے بارے وہ سوچنا بھی نہ چاہتا تھا۔

''واہ میرے مولا۔ لاٹری نکل آئی میری بیٹھے بٹھائے اور بنا ٹکٹ خریدے۔'' اس نے موبائل کو چوم کر جیب میں ڈالا اور فوراً پہلے ایک دوست کو اپنی جگہ پر بٹھا کر اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے چلا گیا۔ اب تو جب تک پیسہ ہاتھ نہ آ جاتا، اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین آنے والا نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ شاپ سے دس ہزار کے نوٹ جیب میں ڈال کر باہر نکلا تو اسے یقین ہو گیا کہ بیٹھے بٹھائے اس کی قسمت بدلنے والی ہے۔

☆☆☆

''اپنے اور میرب کے کپڑے پیک کر لو۔ ایک ہفتے کے لیے دوست کے فارم ہاؤس پر جا رہے ہیں ہم۔''

اس نے لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئے نارمل سے انداز میں کہا تو حریم حیرت سے مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔
"اپنی پیکنگ میں خود کرلوں گا۔" مزید اضافہ کیا۔
"کیوں؟ مطلب..... کس لیے جارہے ہیں ہم؟" حریم نے اپنی حیرت کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔
"یونہی۔ کب سے وہ اصرار بھی کررہا ہے، دوسرا یہ کہ میں بھی کچھ ذہنی سکون چاہتا ہوں۔ اس ٹینشن بھرے ماحول سے دور نکل کر۔" اس نے کی بورڈ پہ ٹائپنگ کرتے ہوئے رسان سے کہا۔
"تو پھر اکیلے جاتے۔" حریم بے اختیار کہہ گئی، وہ اچٹتی نگاہ حریم پر ڈال کر دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"تم سے جو کہا ہے وہ کرو۔ اپنے روزمرہ کے کپڑے اور ضروری سامان پیک کرلو اور میرو کا بھی۔" اب کی بار خاصے روکھے لہجے میں کہا گیا۔
"کب جانا ہے؟"
"کل۔"
"اور اگر میں نہ جانا چاہوں تو؟" حریم نے گویا اپنے "متوقع عمل" کے نقصانات جاننے کی سعی کی۔
"تو میں میرب کو ساتھ لے جاؤں گا۔" وہ قطعیت سے بولا تو حریم کو جھٹکا لگا۔
"جانا کہاں ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد حریم نے پوچھا۔
"سرگودھا۔"
"ضروری ہے کیا؟"
"ہاں۔ تمہارا تو پتا نہیں، میرے لیے تو بہت ضروری ہے اس اسٹریس فل (دباؤ بھرے) ماحول سے نکلنا۔" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔ اور واقعی اس عجیب سے ماحول سے چھٹکارے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ رانا نے اس بار جب اپنے فارم ہاؤس پہ آنے کا دعوت نامہ دوبارہ بلکہ سہ بارہ پیش کیا جو وہ کب سے ملتوی کررہا تھا تو وہ فوراً ہی مان گیا۔
"آجاؤ یار! اچھا محسوس کرو گے۔ کئی بار جگہیں تبدیل کرنے سے انسان پر بڑا اچھا بلکہ روحانی اثر پڑتا ہے۔" رانا کی بات اس کے دل کو لگی تو اس نے رضامندی دے دی۔
لیکن اب ادھر گھر والی دماغ کادہی کرنے کی کوشش کررہی تھی۔
"خیر..... وہ تو میرے لیے بھی بہت ضروری ہے۔" حریم بڑبڑائی۔
"کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے ابرو اچکا کر حریم کو دیکھا۔
"کچھ نہیں۔ بچپن کی عادت ہے، خود سے باتیں کرنے کی۔" وہ چڑانے والے انداز میں کہتی میرب کے ساتھ ہی لیٹ گئی تو وہ متاسفانہ سر ہلا کر رہ گیا۔ جبکہ حریم الٹی سیدھی سوچوں میں گم جانے کب سو بھی گئی۔

☆☆☆

"واٹ....." مائرہ کو سن کر ہی جھٹکا لگا۔ "کیا کرنے گیا ہے وہ؟"
"عباد کے دوست نے انوائٹ کیا ہے۔ فیملی ٹرپ ہے ان کا۔"
نزہت نے بتایا، وہ خود بھی سخت ناخوش تھیں لیکن بیٹے کو صاف طور پہ منع بھی نہیں کرپائیں
"تو کیا آپ اس کی فیملی سے باہر ہیں پھپھو! آپ کیوں نہیں گئیں ساتھ؟" مائرہ سلگی۔
"میں کہاں نہیں جاتی ہوں۔ تمہارے انکل بالکل اکیلے ہوجاتے ہیں۔" نزہت نے وضاحت دی۔
"اسی لیے اس نئے نویلے جوڑے کو بھیج دیا، حد ہوگئی۔" وہ دھپ سے صوفے پہ بیٹھی۔

''تم بے فکر رہو۔ وہ بھی میرب کی وجہ سے مجبور ہے، ورنہ اس لڑکی میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس کے دل میں اُتر سکے۔'' نزہت نے اسے تسلی دی۔

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں ناں۔ اس روز دیکھا نہیں کیسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میرب کو لے گئی تھی۔ اچھا بھلا حق جتاتی ہے اب تو وہ۔''

مائرہ کے دل سے ابھی تک اس روز کا دھواں اٹھ رہا تھا خود نزہت نے بھی اس روز غصے سے تلملاتے ہوئے بیٹے کے خوب ہی کان بھرے لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ آج وہ فیملی ٹرپ انجوائے کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر حالات کس طور مائرہ اور ان کے حق میں ہوں گے۔

''یہ سب اس کے ڈھکوسلے ہیں۔ وہ جانتی ہے میرب ہی اس گھر میں ٹکے رہنے کا ایک ذریعہ ہے اس لیے اس کو ہتھیار بنا رکھا ہے اس نے۔'' نزہت نے نجانے اسے تسلی دی تھی یا خود کو۔

''اپنے بیٹے کی بات بھی چھوڑ ہی دیں، مکمل حریم کے کہے میں ہے۔ ان لڑکیوں کو گُر آتا ہے لڑکے پھنسانے کا۔ پہلے بہن کیا کم تھی، اب دوسری بھی لے آیا۔'' مائرہ تنکی۔

''چلو، اب تو جو ہونا تھا، وہ ہو چکا، ریلیکس رہو۔ خود کو نقصان پہنچانے سے بہتر ہوتا ہے کہ دشمن کو اس کی جگہ سے ہٹانے اور گرانے کا سوچا جائے۔'' نزہت نے اس کا دھیان بٹایا۔

''اسے تو میں ایسا ہٹاؤں اور گراؤں گی کہ وہ یاد کرے گی۔'' مائرہ نے دانت کچکچائے۔

''سب ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔ تم فکر مت کرو، ابھی تک وہ اپنے میاں کے دل پر نہیں چڑھی۔ حالات ایسے ہی رہے تو بازی ہمارے ہی حق میں جائے گی تم بس حوصلہ رکھو میری جان۔'' نزہت اپنی اندھی محبت میں بھتیجی کی زندگی کو بربادی کی راہ پہ چلا رہی تھیں اس بات کا انہیں خود بھی احساس نہیں تھا۔

''یہ بات اپنی بھابی جان کو بھی سمجھا دیں۔ ہر وقت کوئی نیا رشتہ لیے میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔'' مائرہ بدمزہ ہوئی۔

''ایسی کون سی عمر نکل گئی ہے تمہاری بھئی۔ بھابھی تو بس یونہی فکر کرتی رہتی ہیں۔'' نزہت نے پیار سے بھتیجی کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ بیٹھی ٹینشن کے مارے پاؤں جھلاتی رہی۔

درحقیقت اس کا دل چاہ رہا تھا حریم کی زندگی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے اب تو یہ محبت سے زیادہ انا کی جنگ بن چکی تھی اور انا کی جنگ میں صحیح ہو یا غلط یہ نہیں دیکھا جاتا۔ بس جیت دیکھی جاتی ہے۔ مائرہ بھی اسی اسٹیج پہ تھی۔

☆☆☆

فارم ہاؤس پہنچ کر حریم کی پژمردہ طبیعت خود بخود فریش ہو گئی۔ ہریالی لہلہاتے کھیت، سبزہ، پھول، چہچہاتے پرندے۔ ڈھلتی شام کو حسین تر بنا رہے تھے۔ فارم ہاؤس کے بیچ میں شان سے کھڑا چار بیڈ رومز کا خوب صورت سفید پتھروں سے مزین گھر عجب شان سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔

رانا اور اس کی چند ماہ پرانی بیوی مہوش نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا تھا۔

ان کی رہائش کے لیے بہت شان دار بیڈ روم تھا، دونوں فریش ہو کر باہر نکلے تو مہوش پرتکلف سا کھانا لگا چکی تھی۔

بڑے اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا پھر حریم تو معذرت کرتی میرب کو سلانے کے لیے اٹھ گئی جبکہ وہ تینوں ابھی باتوں میں مصروف تھے۔

میرب کو سلانے کے بعد وہ لان میں کھلنے والی بڑی سی کھڑکی کے بند شیشے کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ باہر رات قطرہ قطرہ گہری ہو رہی تھی، حریم نے گہری سانس اندر کھینچ کر اپنی اندرونی کیفیت پہ غور کیا تو اسے خوش گوار

سی حیرت ہوئی۔ یہاں آکر اس کے دل و دماغ پر سے جیسے کوئی بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔
اس نے اپنی پشت پہ دروازہ کھلتے اور پھر بند ہوتے محسوس کیا۔ وہ اسی کی طرف آیا تھا، حریم کو اس کے پرفیوم کی خوشبو اپنے داہنی طرف سے اٹھتی محسوس ہوئی۔
''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس کا لہجہ بہت دل نشین تھا یہ حریم نے آج اس ٹھہرے ہوئے خوب صورت سے ماحول میں شدت سے محسوس کیا۔
''آزادی..... یا شاید خوشی۔'' حریم کی نظر باہر آسمان پہ چھائے بادلوں اور بدمست ہوا سے جھومتے درختوں پر تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کا سلائڈنگ ڈور کھول دیا۔ ہوا کا تیز جھونکا اندر آکر حریم کے بال بکھرا گیا۔ اس کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی۔
''موسموں کا بھی جادو ہوا کرتا ہے۔'' اس کی بات پر حریم نے چہرہ موڑ کر دیکھا، وہ اس کے ساتھ کھڑا تھا، اسی کی طرح نظریں باہر قدرت کے حسین نظاروں پہ جمائے۔
''ہاں، کیونکہ قدرت بالکل خالص ہوتی ہے۔ اس میں ملاوٹ نہیں ہوتی۔'' حریم نے کہا۔
''ہمم.....'' اس نے گہری سانس کھینچی پھر قصداً مسکرا کر اسے دیکھا۔
''تم خوش ہو؟''
''ہاں، لگ تو رہا ہے۔'' حریم پلٹ کر بیڈ کے وسط میں سوئی ہوئی میرب کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''لیکن تم..... شاید اداس ہو۔ یہاں تمہارا ماضی ہے اور اسی ماضی سے میں بھی جڑی ہوں۔'' ہوا منہ زور ہو رہی تھی۔ بجلی چمکی تو حریم گھبرا کر میرب کے پاس چلی آئی۔
''کھڑکی بند کردو۔ بجلی چمک رہی ہے۔''
وہ کھڑکی بند کر کے پلٹ آیا۔
''کچھ یادیں دل کے تمام زخم کھرچ دیتی ہیں۔ عرصے بعد بھی وہی درد وہی غم جگا دیتی ہیں۔'' رانا سے ملاقات اور ماضی کی یادوں نے اس کے سارے زخم تازہ کر دیے تھے حریم تو ویسے بھی ایسے غم ناک ماحول سے بھاگتی تھی کہ سہنے کا یارا ہی نہ تھا..... میرب کو سامنے دیکھ کر ہی ہر وقت نرمین کی یاد آتی رہتی تھی۔ ایسے میں رانا سعید کی زبانی عباد کے ساتھ اس کی محبت اور وارفتگی کے قصے۔ ناگہانی موت اور ادھوری خواہشات کے تذکرے نے حریم کا دل آزردہ کر دیا تھا۔
''خیر..... اپنے پیاروں کے جانے کا دکھ تو دل میں ہمیشہ ہی رہتا ہے لیکن زندگی اللہ کی رضا میں راضی رہنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا حریم نے پلکیں جھپک کر آنسو اندر ہی اتار لیے۔
''میں چاہتا ہوں تم اپنے سارے دکھ سارے پچھتاوے یہیں چھوڑ کر جاؤ۔ میرب کو ایک کانفیڈنٹ۔ حاضر دماغ ماں کی ضرورت ہے حریم! منتشر ذہن پرسنالٹی کی نہیں۔ مجھے امید ہے، یہاں رہ کر تم اچھا محسوس کرو گی۔'' وہ یقین سے کہہ رہا تھا، حریم نے بے اختیار ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم میڈم جی۔'' اس بار اس انجان نمبر سے کال آنے پر زلفی کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔
''پیسے مل گئے تھے؟''
''ہاں جی..... وہ تو اسی روز مل گئے تھے۔'' زلفی چہکا۔ ''اب تو بس آپ مجھے کام بتائیں، کہاں آنا ہے کون سی فیکٹری ہے یا کارخانہ ہے آپ کا؟''

''یہ فیکٹری یا کارخانے والا کام نہیں ہے۔تمہارا دماغ چاہیے مجھے بس۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو زلفی بھک سے اڑا۔

''کک...... کیا مطلب...... مم...... میرا دماغ؟'' وہ ہکلایا۔''میں پھر کیا کروں گا بنا دماغ کے...... مطلب...... زندہ کیسے رہوں گا؟''

''جیسے اب زندہ ہو۔'' طنز کیا گیا تھا۔

''آپ مذاق کر رہی ہیں میڈم!'' زلفی نے خود کو سنبھالا۔

''مجھے تمہاری ہوشیاری اور عقل مندی چاہیے۔''

''وہ تو نو پرابلم جی! ہوشیار اور عقل مند تو بچپن سے ہوں میں۔'' زلفی کا حوصلہ بلند ہوا۔

''ہمم...... گڈ۔ بس یہی کانفیڈینس چاہیے مجھے لیکن ابھی تم بس عیاشی کرو۔ پیسے تمہارے اکاؤنٹ میں بھجوا دیئے ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو زلفی کا دل خوشی سے تیز تیز دھڑکنے لگا۔

''تھینک یو جی۔'' پھر جیسے اسے آزمانے کے لیے کہا۔''لیکن اگر یہ پیسے خرچنے کے بعد میں آپ کا کام کرنے سے انکار کر دوں تو؟''

''جیسے مجھے اکاؤنٹ میں پیسے بھجوانے آتے ہیں ویسے ہی حلق میں انگلی ڈال کر نکلوانے بھی آتے ہیں۔ دھوکا دینے کے بارے میں سوچنا بھی مت۔'' دوسری طرف سے برہم آواز آئی تو زلفی کپکپایا۔

''نہیں جی۔ دھوکا کیوں دینا۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔ آپ بے فکر رہیے۔ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔''

''ہمم...... یہی بہتر ہوگا تمہارے لیے۔'' فون بند ہو گیا۔

زلفی نے فوراً پتا کیا اس کے ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں پندرہ ہزار موجود تھے۔ زلفی کا دل ترنگ میں دھڑکا۔ وہ فوراً پیسے نکلوانے بھاگا تھا۔ خوشی کے مارے اس کے قدم کہیں کے کہیں پڑ رہے تھے۔ وہ اس وقت بالکل بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا کہ وہ انجان عورت اس سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔

☆☆☆

وہ اگلے روز ناشتا کرنے نکلے تو رات برسنے والی بارش کے بعد ٹھنڈی ہوا نے میرب کو کھلکھلانے پر مجبور کر دیا اور حریم تو بچوں کے سے اشتیاق کے ساتھ ہر شے، ہر منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وسیع و عریض فارم ہاؤس میں جہاں دیواروں کے ساتھ ساتھ چہار اطراف پھل دار درختوں کی بہتات تھی وہیں پھولوں پہ الگ ہی بہار آئی ہوئی تھی۔ مہوش نے ایک سائیڈ پہ بنی مصنوعی آبشار کے پاس کرسیاں اور میز لگوا کر ناشتے کا اہتمام کیا تھا۔

ناشتے کے بعد ان سب نے فارم ہاؤس کا تفصیلی چکر لگایا۔ چھوٹے سے فش پونڈ میں تیرتی رنگ برنگی مچھلیاں میرب کو اتنی پسند آئیں کہ وہ باقاعدہ تالاب کے اندر اترنے پہ راضی تھی۔ ایک طرف بنے چھوٹے سے چڑیا گھر میں جنگلی کبوتر۔ ہرے طوطے اور خرگوش تھے تو وہیں ہرنوں کا ایک جوڑا اور ان کا چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔

سفید گھوڑا بادل اور سیاہ مشکی گھوڑی کا نام خوشبو سن کر حریم بے ساختہ ہنس دی۔

''بھرجائی کو راؤنڈ دلاؤنا۔'' رانا نے شرارت سے مشورہ دیا۔

''نن...... نہیں...... میں تو بالکل بھی نہیں بیٹھی کبھی گھوڑے پر۔'' حریم اسے رضامند دیکھ کر گڑبڑائی تو وہ خود سفید گھوڑے پہ منجھے ہوئے گھڑ سوار کی طرح سوار ہو کر پورے فارم ہاؤس کا چکر لگا آیا۔

''بہت جی دار گھوڑا ہے۔'' اس نے واپس آ کر اترتے ہوئے بادل کی پشت تھپتھپائی تو وہ جیسے خوشی سے ہنہنایا۔

''کیا زندگی ہے۔ ایسے لگتا ہے دنیا کے اس کونے میں کوئی غم ہی نہیں۔''

حریم کہے بنا نہیں رہ سکی تھی۔ مہوش مسکرائی۔
''خوشی تو دل کے سکون کا نام ہے بھرجائی! دل مطمئن ہو تو خوشی ہی خوشی ہے۔''
''یہ تو سچ کہا آپ نے۔'' حریم نے اعتراف کیا۔
''میں تو کب سے بھائی سے کہہ رہی تھی کہ آپ کو لے کر آئیں۔ رانا صاحب کی تو ساری یادیں ہی اپنے دوست کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔'' مہوش اداسی سے بولی۔
''آپ بھی آیئے گا نا ہمارے پاس۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔'' حریم بے اختیار ہی بات بدل گئی۔ ماحول بوجھل ہونے لگا تھا اور وہ یہاں سب پریشانیوں کو جھٹکنے آئی تھی سو ہمت کر کے بولی۔
''ہاں۔ کیوں نہیں۔ ضرور آؤں گی اپنی بھرجائی کے پاس۔'' مہوش مسکرائی۔
حریم کی بھٹکتی ہوئی نگاہ رانا سعید کے ساتھ کھڑے اپنے شوہر پر ٹھہر سی گئی۔ اونچا لمبا۔ ہینڈسم۔ خوب صورت لب و لہجے والا مرد..... وہ شخص کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔
شاید خوب صورت ماحول اس کے دماغ پر اثر انداز ہو رہا تھا حریم نے گھبرا کر نظر پھیر لی۔ میرب کھلکھلاتی ہوئی مرغیوں کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ رانا نے خرگوشوں کی ایک جوڑی کو بھی اس کے لیے کھول دیا تھا۔ میرب بے تحاشا خوش تھی اور اسے دیکھ دیکھ کر حریم کا دل سکون سے بھر رہا تھا۔
دوپہر کا کھانا اس نے اور مہوش نے مل کر بنایا، حریم کا اعتماد اور خوش مزاجی جیسے آہستہ آہستہ لوٹنے لگی تھی۔ رات گئے کھلی فضا میں باربی کیو کرتے۔ مقامی لوک فنکار سے گیت سنتے انہوں نے ایک حسین دن کا اختتام کیا تھا۔

☆☆☆

محبت کی کہانی کو کہیں تحریر کر جائیں
جو ہم کو مل گیا اس کو ابھی تقدیر کر جائیں
چلو جذبوں کی شدت کو بڑھا کر دیکھ لیں ہم
چلو کہ آسماں سے چاند کو تسخیر کر جائیں
بدن مٹی میں مل جائیں گے اک دن دیکھ لینا
تو پھر کیوں نہ محبت کا محل تعمیر کر جائیں

(فوزیہ احسان رانا)

اسے اچھی طرح یاد تھا، نرمین اس روز کس قدر خوش تھی جب سیٹھی ہاؤس جانے کے لیے نکلنا تھا اور عباد کا دل اسی قدر بے چین و مضطرب۔
اسے یاد تھا نرمین کو بے حد اشتیاق تھا۔ سیٹھی ہاؤس کی بہو کہلوانے کا۔ عباد کے ساتھ پارٹیز اٹینڈ کرنے کا۔ اور پھر اسے یاد آیا۔ سامنے سے ڈگمگاتا لہراتا ہوا ٹرالر..... اور نرمین کی خوف میں ڈوبی آخری چیخ۔
عباد کے جسم کو زوردار جھٹکا لگا، اس کی آنکھیں ایک دم سے مکمل کھل گئیں۔
ڈیوٹی نرس نے سامنے لگی اسکرین پہ اس کے دل کی دھڑکنیں بتاتی لائنوں کو بگڑتے پایا تو جلدی سے انٹر کام پہ ڈاکٹر کو انفارم کرنے لگی۔ اگلے کچھ منٹوں میں اسٹاف اور ڈاکٹرز آئی سی یو میں موجود تھے۔ باہر کھڑے عباد کی سانسوں سے جڑے لوگ جیسے موت کی دہلیز پہ اس کے ساتھ کھڑے تھے۔
فضا خاموش تھی۔ جیسے سوگوار ہو۔ کسی کو رخصت کرنے کی گھڑی شاید آن پہنچی ہو کون جانے؟

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

میں نے دیکھا تھا ان دنوں
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
اُس کی پلکوں سے نیند چھنتی تھی
اُس کا لہجہ شراب جیسا تھا
اُس کی زلفوں سے بھیگتی تھی گھٹا
اُس کا رُخ مہتاب جیسا تھا
لوگ پڑھتے تھے خال و خد اُس کے
وہ ادب کی کتاب جیسا تھا
بولتا تھا زبان خوشبو کی
لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اُسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اُسے
ساری آنکھیں تھیں آئینے اس کے
سارے چہروں میں انتخاب تھا وہ
سب سے گھل مل کر اجنبی رہنا
ایک دریا نما سراب تھا وہ
خواب یہ ہے کہ وہ حقیقت تھا
یہ حقیقت ہے کوئی خواب تھا وہ
دل کی دھرتی پہ آسماں کی طرح
صورت سایہ و سحاب تھا وہ
اپنی نیندیں بھی اسی کی نذر ہوئیں
میں نے پایا تھا رتجگوں میں اسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
جب وہ ہنس ہنس کے بات کرتا تھا
دل کے خیمے میں رات کرتا تھا
رنگ پڑتے تھے آنچلوں میں اُسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
یہ مگر دیر کی کہانی ہے
یہ مگر دور کا فسانہ ہے
اُس کے میرے ملاپ میں حائل
اب تو صدیوں بھرا زمانہ ہے
اب تو یوں ہے کہ حال اپنا بھی
دشتِ ہجراں کی شام جیسا ہے
کیا خبر ان دنوں وہ کیسا ہو گا؟
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اُسے
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
سید محسن نقوی

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

ایک تم سے کیا محبت ہو گئی
ساری دنیا سے عداوت ہو گئی

یاس ہی اس دل کی فطرت ہو گئی
آرزو جو کی، وہ حسرت ہو گئی

جو مری ہونی تھی حالت ہو گئی
خیر اک دنیا کو عبرت ہو گئی

آ گئے پہلو میں راحت ہو گئی
چل دیے اُٹھ کر قیامت ہو گئی

عشق میں ذلت بھی عزت ہو گئی
لی فقیری بادشاہت ہو گئی

سوگ میں یہ کس کی شرکت ہو گئی
بزمِ ماتم بزمِ عشرت ہو گئی
خواجہ مجذوب

pklibrary.com

یہ جمال کیا، یہ جلال کیا، یہ عروج کیا، یہ زوال کیا
وہ جو پیڑ جڑ سے اُکھڑ گیا اسے موسموں کا ملال کیا

وہ جو لمحہ لمحہ بکھر گیا وہ جو اپنی حد سے گزر گیا
اسے فکرِ شام و سحر ہو کیا، اسے رنجشِ ماہ و سال کیا

وہ جو بے نیاز سا ہو گیا، وہ جو ایک راز سا ہو گیا
جسے کچھ غرض ہی نہیں رہی، اسے دستِ حرفِ سوال کیا

ہوا ریزہ ریزہ جو دل ترا، اسے جوڑ جوڑ کے مت دِکھا
وہ جو اپنے حسن میں مست ہے، اسے آئینے کا خیال کیا

کسی اور سے کریں کیوں گِلہ، ہمیں اپنے آپ سے دُکھ ملا
وہ جو دردِ دل سے ہو آشنا، اسے دُنیا بھر کا وبال کیا

وہی گرد گرد غبار ہے، وہی چاروں اور فشار ہے
وہ جو خود کو بھی نہیں جانتا، وہ ہو میرا واقفِ حال کیا

اسے سعد کیسا بتائیں ہم، اسے کس سے جا کے ملائیں ہم
وہ تو خود سراپا مثال ہے، یہ گلاب کیا یہ غزال کیا

سعد اللہ شاہ

آنکھوں کو التباس بہت دیکھنے میں تھے
کل شب عجیب عکس مرے آئینے میں تھے

ہر بات جانتے ہوئے دل مانتا نہ تھا
ہم جانے اعتبار کے کس مرحلے میں تھے

وصل و فراق دونوں ہیں اک جیسے ناگزیر
کچھ لطف اس کے قرب میں، کچھ فاصلے میں تھے

سیلِ زماں کی موج کا ہر وار سہہ گئے
وہ دن، جو ایک ٹوٹے ہوئے رابطے میں تھے

غارت گری کے بعد بھی روشن تھیں بستیاں
ہارے ہوئے تھے لوگ مگر حوصلے میں تھے

ہر پھر کے آئے نقطۂ آغاز کی طرف
جتنے سفر تھے اپنے کسی دائرے میں تھے

آندھی اُڑا کے لے گئی جس کو ابھی ابھی
منزل کے سب نشان اسی راستے میں تھے

چھو لیں اسے کہ دُور سے بس دیکھتے رہیں
تارے بھی میری طرح، کسی سلسلے میں تھے

جتنے تھے خط تمام کا تھا ایک زاویہ
پھر بھی عجیب پیچ مرے مسئلے میں تھے

امجد کتابِ جاں کو وہ پڑھتا بھی کس طرح
لکھنے تھے جتنے لفظ ابھی حافظے میں تھے

امجد اسلام امجد

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

pklibrary.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

• اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو، انہیں اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

(بیہقی)

حضرت علیؓ نے فرمایا،

- عقل جیسی کوئی دولت نہیں اور جہالت جیسی کوئی غربت نہیں۔ ادب و آداب جیسی کوئی میراث نہیں اور مشورے جیسا کوئی مددگار نہیں۔
- میں تم کو دو باتوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک خواہش کی پیروی، دوسرے آرزوؤں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی انسان کو حق سے روکتی ہے اور خواہشات کا زیادہ ہونا آخرت کو بھلاتا ہے۔

دل آزاری سے بچو،

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں کچھ بزرگوں کے ہمراہ کشتی میں سوار تھا۔ ہماری کشتی کے پیچھے ایک اور چھوٹی کشتی آ رہی تھی۔ اتفاقاً وہ چھوٹی کشتی ڈوب گئی۔ اور اس میں سوار دو بھائی بھنور میں پھنس گئے۔

ہماری کشتی میں موجود ایک بزرگ نے ملاح سے کہا، "تم ان دونوں کو زندہ نکال لاؤ تو تمہیں ہر ایک کے بدلے پچاس دینار دوں گا۔"

ملاح نے دریا میں چھلانگ لگائی اور ایک بھائی کو زندہ بچا لیا۔ جبکہ دوسرا مر گیا۔

میں نے ملاح سے کہا، "یہ زندہ اس لیے بچ گیا کہ اس کی زندگی ابھی باقی تھی جبکہ دوسرے کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے تو اسے بچا نہ سکا۔"

ملاح نے میری بات سنی تو مسکرا دیا۔ اور کہنے لگا، "آپ کی بات درست ہے مگر اس کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ میں ایک مرتبہ جنگل میں سفر کر رہا تھا اور جب میں دوران سفر تھک گیا تھا تو جسے میں نے بچا لیا، اس نے مجھے اونٹ پر بٹھا لیا تھا اور مرنے والے نے بچپن میں ایک مرتبہ مجھے کوڑے مارے تھے جس سے میری دل آزاری ہوئی تھی۔"

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ملاح کی بات سنی اور کہا۔

"اللہ عزوجل کا فرمان حق ہے کہ جس نے نیک اعمال کیے وہ اس کے اپنے نفع کے لیے ہیں اور جس نے برے اعمال کیے ان کا وبال اس پر ہے۔ آپ کے اچھے عمل آپ کے کام آتے ہیں۔

(حکایاتِ سعدیؒ۔ گلستان)

دُنیا گول ہے،

دُنیا گول ہے۔ گول ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ مشرق کی طرف سے جاتے ہیں، مغرب کی طرف جا نکلتے ہیں۔ کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔ اسمگلروں اور مجرموں کے لیے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ ہٹلر نے زمین کو چپٹا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ پھر گلیلیو نامی ایک شخص آیا اور اس نے زمین کو سورج کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ پادری بہت ناراض ہوئے کہ ہم کو کس چکر میں ڈال دیا۔ گلیلیو کو انہوں نے قرار واقعی

سزا ہے کہ آئندہ اس قسم کی حرکت سے روک دیا، زمین کو البتہ نہ روک سکے۔ برابر حرکت کیے جا رہی ہے۔

(ابن انشا کی کتاب "اردو کی آخری کتاب" سے اقتباس)

سسرالیات،

سسرالی رشتے داروں سے تعلقات اچھے نہ ہونے کے لیے وجوہات کا ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ یہی کافی ہے کہ وہ سسرالی رشتے دار ہیں۔ بچوں پر ان باتوں کا ہرگز اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اس چپقلش سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر امی سویرے سویرے حلوہ اور روسٹ تیار کر رہی ہیں تو آج نانی جان آئیں گی۔ اور اگر امی صبح سے اپنا سر دوپٹے سے باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں اور دوپہر کے کھانے میں پچھلے تین چار روز کے بچے کھچے کھانے جن میں دال سرفہرست ہے کھانے کو ملیں گے تو دادی جان آ رہی ہیں۔

اگر عید پر ماموں جان دس روپے دے کر گئے ہیں تو اس نوٹ کو ہر سو گویا قاعدہ طور پر پرچم کی طرح لہرایا جائے گا اور اگر چچا جان سو روپے دے جائیں تو اس نوٹ کو جعلی قرار دیا جائے گا۔

(مستنصر حسین تارڑ کی کتاب "گدھے ہمارے بھائی ہیں" سے اقتباس)

وجہ،

اخباری رپورٹر نے عمر رسیدہ دیہاتی کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی عمر نوے سال ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی کوئی دوا استعمال نہیں کی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے، چالیس سال کی عمر تک تو مجھے دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اس کے بعد ایک روز راستے میں کسی بات پر میرا گاؤں کے اکلوتے ڈاکٹر سے جھگڑا ہو گیا اور میں پچاس سال تک اس کے کلینک کے قریب سے بھی نہیں گزرا۔ اب اس کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔ بس اس طرح میں دوا سے بچا رہا۔"

دردِ مسیحائی،

عید کے دن ایمرجنسی میں ڈیوٹی تھی۔ ایک ناکام عاشق خود کو پیٹ میں گولی مار کر آ گیا۔ اسے عاجلاً تھیٹر میں لے گئے۔ گولی بڑی رگ کو چیر گئی تھی۔ سینئر رجسٹرار سے رہ پیٹر نہ ہو پا رہی تھی۔ میڈم پروفیسر کو بلایا گیا۔ انہوں نے آپریشن مکمل کیا۔

اگلے دن راؤنڈ میں میڈم آئیں اور بڑے پیار سے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"بیٹا! آپ نے خود کو گولی کیوں ماری؟"

لڑکا بولا۔ "ایک لڑکی نے مجھے پیار میں دھوکا دیا۔"

میڈم بولیں۔ "بیٹا! اگلی دفعہ کوئی لڑکی پیار میں دھوکا دے تو گولی سر میں مارنا تاکہ ہم سب کی عید خراب نہ ہو۔"

(ایک ڈاکٹر کی خود نوشت)

انجام،

بیٹی۔ "امی! جب آپ میری عمر کی تھیں تو کیا آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا؟"

ماں۔ "ہاں بیٹی! مجھ سے چند خطائیں ضرور سرزد ہو گئی تھیں۔"

بیٹی۔ "پھر آپ کو اس کی کیا سزا ملی؟"

ماں۔ "ہاں پھر میری شادی تمہارے باپ سے ہو گئی۔"

نمرہ عاقب۔ گرین سٹی

انتقام،

رشید نے امجد سے پوچھا۔ "یہ تم نے جیکٹ کی اندرونی جیب میں کیا ڈالا ہوا ہے، جو اس قدر ابھری ہوئی ہے؟"

رشید نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "ڈائنامیٹ

pklibrary.com

ہے۔ میں اس موقع کا انتظار کر رہا ہوں، جو جب بھی ملتا ہے، سیدھا سینے پر گھونسہ مارتا ہے۔ اس بار اس نے یہ حرکت کی تو اس کے ہاتھ کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔"

لمحۂ فکریہ

کیا یہ شرم ناک بات نہیں کہ انسانوں پر خطیب حکومت کریں۔ جو لمبی لمبی تقریروں سے اس طرح گونجتے رہتے ہیں۔ جس طرح سے پیتل کے برتن جو ضرب لگنے کے بعد اس وقت تک گونجتے رہتے ہیں جب تک کوئی ان پر ہاتھ نہیں رکھ دیتا۔

آخری لمحات

• انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم کی موت بڑی تاثر انگیز تھی۔ وہ اسی طرح مرا جیسے ایک بادشاہ اور شریف زادے کو مرنا چاہیے۔ اس نے اپنے تیمار داروں اور درباریوں سے دم واپسی پر کہا۔

• "مرتے وقت میں نے بہت وقت لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات مجھے معاف فرمائیں گے۔"

• گارڈنل رشلو سے اس کے آخری لمحوں میں پوچھا گیا۔

"آپ اپنے دشمنوں کو معاف کرتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔

"میرا کوئی دشمن نہیں، سب ملک کے دشمن ہیں۔"

• نپولین بھی اسی طرح مرا، جس طرح انسانوں کے کسی پیدائشی قائد کو مرنا چاہیے۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"فرانس ... فوج ... فوج کے جرنیل۔"

• مشہور فلسفی ہیلے نے، جو ایک نامور طبیب کی شہرت بھی رکھتا تھا، آخری لمحات میں اپنی نبض کا معائنہ کیا اور اپنے ایک معالج سے کہا۔

"اچھا بھائی! رخصت۔ اب اس نبض کی حرکات بند ہو گئی ہیں۔"

• لیگنی مشہور ریاضی دان تھا۔ اس نے اٹھارویں صدی کے آخر میں جذر اور جذر المکعب کے بارے میں ایک مختصر اور آسان طریقہ رائج کیا تھا۔ موت کے وقت وہ بالکل بے سدھ تھا اور اپنے دوستوں کو بھی نہیں پہچانتا تھا۔ ایک شخص نے جھک کر اس کے کان میں پوچھا۔

"لیگنی! ایک سو چوالیس کا جذر کیا ہے؟"

لیگنی نے جواب دیا۔ "بارہ۔"

اور اس کے بعد جان آفرین کے سپرد کر دی۔

(جینے کا طریقہ۔ از اندرے موروا)

ماہ روش۔ کراچی

بیزار

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"جو شخص حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھلائی سے نہ یاد کرے، میں اس سے بیزار اور الگ ہوں۔"

(تاریخ خلفا۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی)

تحریم، عائشہ۔ گوجرہ

چند پند مگر سود مند

❖ مجھے بتاؤ تمہارے دوست کون ہیں، میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کون ہو...؟ (سروانٹس)

❖ جو اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے، وہ دراصل محبت ہی نہیں کرتے۔ (شیکسپیئر)

❖ جو شخص کسی مقصد کو سامنے رکھ کر محنت کرتا ہے اس کو اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔ (گوئٹے)

❖ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔ (ارسطو)

❖ جب دو آدمی کسی مسئلے پر بحث کے بغیر متفق ہو جائیں تو ثابت ہوتا ہے کہ دونوں بے وقوف ہیں۔ (برنارڈ شا)

زینی، گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

pklibrary.com

امت الصبوح

خاتون کی ڈائری

pklibrary.com

حبیبہ خان کی ڈائری سے

دوست، احباب، ساتھی ۔ رشتے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائیں تو دل پہ کیا گزرتی ہے، تیرنیازی کی یہ غزل اس کی عکاس ہے۔

وہ جو اپنا یار تھا دیر کا کسی اور شہر میں جا بسا
کوئی شخص اس کے مکان میں کسی اور شہر کا آ بسا

یہی آنا جانا ہے زندگی، کہیں دوستی کہیں اجنبی
یہی رشتہ کارِ حیات ہے کبھی قرب کا کبھی دور کا

ملے اس میں لوگ رواں دواں کوئی بے وفا کوئی باوفا
کٹی عمر اپنی یہاں وہاں، کہیں دل لگا کہیں نہ لگا

کوئی خواب ایسا بھی ہے یہاں جسے دیکھ سکتے ہوں دیر تک
کسی دائمی شبِ وصل کا، کسی مستقل غمِ یار کا!

وہ جو اس جہاں سے گزر گئے، کسی اور شہر میں زندہ ہیں
کوئی ایسا شہر ضرور ہے انہی دوستوں سے بھرا ہوا

یونہی ہم منیر پڑے رہے کسی اور مکاں کی پناہ میں
کہ نکل کے ایک پناہ سے کہیں اور جانے کا دم نہ تھا

فاکہہ سہیل کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر حلیم عثمانی کی یہ غزل آپ سب قارئین کی نذر۔

دعویٰ تو یہاں کرتے ہیں سب دیدہ وری کا
رونا ہے مگر پھر بھی بہت کم نظری کا

قسمت کے لکھے پر کوئی شاکر نہیں دیکھا
سودا ہے ہر اک سر میں یہاں دربدری کا

دُنیا ہی کے عیبوں پہ نظر کرتے ہیں
سیکھا نہ ہنر ہم نے کبھی خود نگری کا

جیتے ہیں نہ مرتے ہیں غمِ عشق کے مارے
کیا خوب ہے انداز تری چارہ گری کا

کیوں حرفِ دُعا سہما سا رہتا ہے لبوں پر
دھڑکا سا لگا رہتا ہے کیوں بے اثری کا

چادر سے ہیں نکلے ہوئے ہر شخص کے پاؤں
ہے کام وہی آج بھی دریوزہ گری کا

منزل کا تعین ہے نہ رستوں کی خبر ہے
جاری ہے سفر اب بھی وہی بے خبری کا

ہم خود ہی کلیم اپنے ارادوں کے ہیں پتھر
شکوہ ہے زباں پہ مگر راہبری کا

سلمیٰ مسرت کی ڈائری سے

مبارک صدیقی کی یہ غزل مجھے بے حد پسند ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور بتائیں آپ کو کیسی لگی۔

دُعا میں التجا نہیں تو عرضِ حال مسترد
سرشت میں وفا نہیں تو سو جمال مسترد

ادب نہیں تو سنگ و خشت ہیں تمام ڈگریاں
جو حسنِ خلق ہی نہیں تو سب کمال مسترد

عبث ہیں وہ ریاضتیں جو یار نہ منا سکیں
وہ ڈھول، تھاپ، بانسری، وہ ہر دھمال مسترد

کتابِ عشق میں یہی لکھا ہوا تھا جا بجا
بجز خیالِ یار کے ہر اک خیال مسترد

کہو، سنو، ملو مگر بڑی ہی احتیاط سے
مٹھاس بھی تو زہر ہے جو اعتدال مسترد

وہ شخص آفتاب ہے میں اک چراغ کج ادا
سو اُس حسین کی بزم میں مری مجال مسترد

حسابِ عمر دیکھ لو کہ پھر پُل صراط پر
یہ نفس کے اگر مگر فریب چال مسترد

چہرہ لال گلاب کا موسم
بھیگی پلکیں شبنم شبنم

اک جزا ہے جنّت جنّت
اک دُعا ہے آدم آدم

ہجر کے لمحے زخمی زخمی
اس کی یادیں مرہم مرہم

محسن ہم اخبار میں گم ہیں
صفحہ صفحہ، کالم کالم!

حمدہ خان کی ڈائری سے

میری ایک دوست نے مجھے یہ غزل بھیجی ہے قارئین کی نذر۔

میں سفر میں تھا، میں سفر میں ہوں مجھے قربتوں کی خبر کہاں
جسے راستوں کا پتا نہیں، اسے منزلوں کی خبر کہاں

میرے بے خبر تجھے کیا خبر، کون تجھ سے کہاں بچھڑ گیا
مجھے اپنی ذات عزیز ہے، مجھے دوستوں کی خبر کہاں

تو عروج ہے، میں زوال ہوں، تو یقین ہے، میں گمان ہوں
یہ ہمارا رشتہ اٹوٹ ہے، ہمیں فاصلوں کی خبر کہاں

یوں ہی کٹ گئے میرے روز و شب، تجھے کیسے کوئی بتائے اب
تیرے ہجر میں جو ملے مجھے، تجھے ان دُکھوں کی خبر کہاں

مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں، مجھے حوصلہ ہی ملا نہیں
میرے مہرباں تجھے بھلا میری خواہشوں کی خبر کہاں

ارم کمال کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر محسن نقوی کی یہ غزل بہت پسند ہے۔ ایک فقرے میں ساری روداد کہنا یقیناً بڑے کہنہ مشق شاعر کی خوبی ہے۔ آپ سب بھی پڑھیں۔

رات کی زلفیں برہم برہم
درد کی لَو ہے مدھم مدھم

میرے قصّے گلیوں گلیوں
تیرا چرچا عالم عالم

بہتّر بہتّر عشق کی راتیں
حسن کی بارش ریشم ریشم

یاقوتی ہونٹوں پر جھمکیں
ان کی آنکھیں نیلم نیلم

سرورق کی شخصیت
ماڈل .... فرینہ اعجاز
میک اپ .... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی .... موسیٰ رضا

pklibrary.com

خالدہ جیلانی

میری بیاض سے

pklibrary.com

ارم خان ________ لاہور
تیری شوریدہ مزاجی کے سبب تیرے نہیں
اے مرے شہر! ترے لوگ بھی اب تیرے نہیں
میں نے ایک اور محفل میں بھی انہیں دیکھا تھا
یہ جو سب ترے نظر آتے ہیں، سب تیرے نہیں

نادیہ یاسر ________ گوجرخان
عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

آسیہ جاوید ________ علی پور چٹھہ
تو محبت سے کوئی چال تو چل
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھے

ندا طارق ________ فیصل آباد
واقف ہوں، کوئی دوش تمہارا نہیں
بے وجہ خفا ہوں، مجھے تم آ کے منا لو
دکھتا ہے عجب ڈھنگ سے دل آج ہمارا
پوچھو نہ سبب، بس ہمیں سینے سے لگا لو

عائشہ ________ نارووال
اس سے بات بھی کرتے تو کس طرح کرتے
یہ مسئلہ تھا انا کا ۔ انا پہ چھوڑ دیا

تحریم ________ گوجرہ
نہ قدرداں، نہ کوئی ہم زباں، نہ انسان دوست
فضائے شہر سے بہتر ہیں اب تو ویرانے

ارم کمال ________ فیصل آباد
یوں دل سے ہمکلام ہوئی یادِ رفتگاں
جیسے اک اجنبی سے کوئی رازداں کھلے

صدف عمران ________ کراچی
کوئی درد ہے جو ابھی دوا نہیں ہو سکا
وہ بچھڑ گیا ہے مگر جدا نہیں ہو سکا
وہ ملے اگر تو اسے کہوں اے گلاب شخص
کوئی تجھ سا کیا تری خاک پا نہیں ہو سکا

اقصیٰ ناصر ________ گلستان جوہر
کہاں تک اور بھلا جاں کا ہم زیاں کرتے
بچھڑ گیا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوئی

سعدیہ عرفان ________ شریف آباد
تم آ سکو تو، شب کو بڑھا دوں کچھ اور بھی
اپنے کہے میں، صبح کا تارا ہے ان دنوں

فاکہہ سہیل ________ کراچی
کتنی بے فیض سی رہ جاتی ہے، دل کی بستی
کیسے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

نوال افضل ________ گجرات
اک زخم تری یاد کا اترا وجود میں
پھر اور کوئی زخم یوں گہرا نہیں ہوا

فضہ بلال ________ ڈیفنس گارڈن
پچھتائیں گے اک روز کڑی دھوپ پڑی تو
جو لوگ محبت کے شجر کاٹ رہے ہیں

ثمینہ تاج ________ کراچی
ہمیں نہیں آتے یہ کرتب نئے زمانے والے
ہم تو سیدھے لوگ ہیں یار وہی پرانے والے

بشریٰ یوسف ________ کراچی
علاج اپنا کراتے پھر رہے ہو جانے کس کس سے
محبت کر کے دیکھو نا محبت کیوں نہیں کرتے

زینب ریاض ________ کراچی
ہونے کی گواہی کے لیے خاک بہت ہے
یا کچھ بھی نہیں ہونے کا ادراک بہت ہے
اک بھولی ہوئی بات ہے، اک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہلِ محبت کو یہ املاک بہت ہے

نادیہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

ماریہ عمران خان...... محبت بانڈہ، نوشہرہ

سب سے پہلے تو شاہین رشید آپی کے بڑے بھائی کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ خشا محسن کی دادی کے لیے مغفرت کی دعائیں۔ اب بات کرتی ہوں سلسلے وار ناولوں کی۔ راحت جبیں کا ناول ''تتلی جیسا پیار'' بہت اعلا اور اب ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' بھی زبردست۔ نرمین کو نمشی سے بچانے کے لیے شکریہ۔ ''رنگ ریز میرے'' بہت زبردست موڑ پر آیا ہے۔ عفت سحر اب قسط غائب نہیں کرنا پلیز۔ ''محبت کو نج ہے سائیں'' فرح بھٹو بہت زبردست۔ شعاع اور خواتین میرے لیے کسی بہت ہی قیمتی متاع کی طرح ہیں۔ میری دوست یسرئی ساجد (جو مجھے بہت ہی عزیز ہے مگر وہ الگ بات کہ کبھی اسے بتانے کی ہمت نہیں ہوئی) وہ بھی بہت شوق سے شعاع اور خواتین پڑھتی ہے اور پھر ہم پورا مہینہ اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اب بات ہو جائے قارئین بہنوں کی محفل کی۔ تو سب پرانی قارئین غائب ہیں۔

میرے خط لکھنے کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔ ڈاکٹر فریال کہاں غائب ہو، واپس آ ؤ پلیز۔ فائزہ بھٹی کو شادی کی بہت بہت مبارک باد اور ڈھیر ساری دعائیں مگر ہمیں بھول مت جانا۔ ویسے مجھے لگتا ہے ڈاکٹر فریال کوئی سلسلہ وار ناول لکھنے بیٹھ گئی ہیں، ہاہاہا۔ بخاری سسٹرز، زینب نور، کوثر خالد اور ثمینہ اکرم ان کے ساتھ ایک الگ سا رشتہ جڑ گیا ہے۔ ویسے خیریت تو ہے ناں سب کے گھر۔ گوشی جمال کا خط ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہت ہی جان دار اور دلچسپ۔ آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ میمونہ صدف کہاں غائب ہیں؟ ہر مہینہ ان کا انتظار رہتا ہے۔ عدنان بھائی کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ۔

☆ پیاری ماریہ! آپ خواہ مخواہ ڈرتی رہیں اور اتنا عرصہ ہمیں خط نہیں لکھا۔ آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے اور لکھائی بھی آپ کی بہت اچھی ہے۔ اور بری لگنے والی تو کوئی بات ہی نہیں لکھی آپ نے اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اپنی قارئین کی کوئی بھی بات بری لگتی ہی نہیں ہے۔ قارئین اور مصنفین تک آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

گوشی جمال...... منڈی یزدان

ٹائٹل پر نظر ثانی کی۔ ماڈل ''کومل'' دلکش انداز سے میرے فیورٹ کلر میں براجمان۔ لیکن یہ کیا بھئی ساڑھی؟ اماں پاس لیٹی تھیں وہ بھی اپنا تبصرہ کرنے کا پورا پورا حق ادا کر گئیں کہ ساڑھی میں تو بندہ ''ڈاچی'' (اونٹنی) لگتا ہے، ہاہاہا۔ حالانکہ سرو قد بھی بول سکتی تھیں۔

ان دنوں اماں جان کی طبیعت بہت خراب ہے، گردے میں پتھری ہے اور تلی موصوفہ کا سائز بہت بڑھ جانے سے اماں کچھ کھانے پینے سے بے زار رہتی ہیں۔ وزن دن بہ دن گرتا جا رہا ہے۔ پے در پے صدمات نے اماں کو بستر سے لگا دیا ہے۔ اس لیے بہت چڑچڑی سی ہو گئی ہیں۔ قارئین بہنوں سے التماس ہے میری اماں کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔ ابا تو بچپن میں چل بسے۔ اب اماں ہی ہماری جنت ہیں۔ عجیب ہولناکی کا منظر ہے ان دنوں گھر کا۔ ہسپتالوں کے چکر لگا لگا کر تھک گئے۔ اماں کو دیکھ کر ناخنوں سے جان نکلتی محسوس ہوتی ہے، وہ تو ہمارا کل سرمایہ ہیں۔ ان کی جھڑکیوں کے عادی ہیں ہم، یہ ان کی محبت کا انداز ہے جو وہ ہم سے بے پناہ کرتی ہیں۔ مزاج کی تیکھی ہیں لیکن دل کی بہت صاف اور اچھی ہیں۔ اللہ پاک سب کی ماؤں کا سایہ ان کے سر پر

سلامت رکھے، آمین۔ ہر طرف مہنگائی کے تابڑ توڑ حملے اور اوپر سے عید قرباں آنے والی ہے۔ ابھی تو عید الفطر گزری تھی اور اب عید قرباں، وقت کیسے جلدی جلدی مٹھی سے نکلتا جارہا ہے۔ جانوروں کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کررہی ہیں، نارمل سے بکرے کی قیمت چالیس ہزار۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، ماشاء اللہ سے ہر سال ہمارا قربانی کا عمدہ سا جانور ہوتا ہے۔ اسلامی طریقے سے گوشت کی تقسیم اماں اور بھائی کرتے ہیں۔ بڑے بھائی عید قرباں پر شام کو ہمارے گھر آتے ہیں، ہاتھوں میں "باؤ بھر" گوشت کی پوٹلی پکڑے۔ تین کلو والے شاپر میں ڈالے کھسیانی ہنسی ہنستے بھائی، بھابھیاں وارد ہوجاتے ہیں۔ پھر بھابھیوں نے وہ شاپر اماں کو فوراً تھمادینا ہے۔ "اماں! یہ لیں آپ کا حصہ۔" منجھلی بھابھی کی زبان فرائے بھر رہی ہوتی ہے۔ "اماں! یہ میں خاص آپ کے لیے گول گول بوٹیاں ڈال کر لائی ہوں۔ بہت مزے دار یخنی بنے گی اس کی۔" بڑی آپا اور بھانجی مسکرا کر رہ جاتی ہیں۔ اماں بہت سادہ ہیں ان کے وارے صدقے جاتی ہیں۔ منجھلی اور چھوٹی بھابھیاں جھٹ پٹ اپنے اپنے بچوں کو کھینچ کھینچ کر دادی کے سامنے قطار میں کھڑا کردیتی ہیں۔ "بچو! دادی سے عید ملو۔ وہ ابھی سب کو عیدی دیں گی" اور پھر میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آکر ٹھہر جاتی ہے۔

پھر ان مہمان بھائی، بھابھیوں کا پڑاؤ تب تک ہمارے گھر میں، جب تک فریج گوشت سے خالی نہ ہوجائے۔ نت نئی فرمائشیں۔ ان کی فرمائشیں، بڑی اور منجھلی آپا ہر وقت چولہے کے سامنے پائی جاتیں۔ بڑی آپا کے ذمہ تین دن میں ایک من آٹا گوندھ کر تنور یا توے پر براجمان۔ دوپٹے کے پلو سے بار بار پسینہ صاف کرتے۔ پہلے دن کا بڑا دیگچہ میرے حصے میں تاحیات لکھا جاچکا ہے۔ اماں نے پھر بھی بڑی آپا سے کہہ کر اپنے تینوں بیٹوں کے لیے اسپیشل شاپر گوشت کے بنوا رکھے ہوتے ہیں، جو جاتے ہوئے ان کو تھمانا بے حد ضروری ہے۔ اس بار اماں بیمار ہیں، یہ ڈیوٹی گڈی آپا (جو سب سے بڑی ہیں) ان کے ذمے ہے۔

"زندگی ہم تجھے گزاریں گے" ناول اچھا ہے، تابڑ توڑ واقعات شروع ہیں۔ دلچسپی برقرار۔ "ڈائٹ پلان" حمیرا شفیع بہت اچھے بھئی۔

"محبت کو نچ ہے سائیں" اور "صاحب، بی بی اور غلام" بہت متاثر کن تھیں۔

☆ پیاری گوشی! اماں کی صحت کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ ان کا سایہ آپ کے سر پر سلامت رکھے، آمین۔

مریم انصاری..... بہاولپور

خواتین ڈائجسٹ ہر تحریر نکھرنے کی طرف فٹ۔ "ہمارے نام" دیوانوں، دوستوں کی محفل۔ شازیہ الطاف ہاشمی شجاع آباد سے، ہمیشہ شاد و آباد رہیں۔

"سوال یہ ہے" گفت سیما کی جامع گفتگو نے دل موہ لیا۔ سائرہ رضا، کیا کہنے۔ بے ساختہ انداز۔ خدا جی! گزارش ہے خواتین ڈائجسٹ اپنے فرائض اچھے سے نبھا رہا ہے۔ بقول کمال پاشا.....

"قدموں کی قوت اور ترقی کی بنیاد گھریلو زندگی ہے، اگر گھر میں امن و سکون نہ ہوگا تو سارا سماجی، معاشی اور سیاسی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔"

ہماری مصنفات قلم کی حرمت سے آگاہ ہیں، نسلوں کا عروج، شعور عطا کرتا ہے اور یہ پرچہ شعور دے رہا ہے۔

"اگر ہر انسان زمین کے اس ٹکڑے کو جو اسے رہنے کو ملتا ہے، ایک خوب صورت چمن بنالے تو یہ دنیا کتنی دلکش، کتنی دل فریب بن جائے۔" (چیخوف)

☆ پیاری مریم! بہت خوب صورت خط لکھا ہے اور اقوال بھی۔ بہت شکریہ۔

عظمیٰ مجید..... پشاور

فروری میں میرا خط آپ نے شائع کیا، کرم کیا لیکن "کہانیوں کے لیے معذرت" نامی زلزلے نے خوش فہمی کی عمارت کو مجھ سمیت زمین بوس کردیا۔ اتنے عرصے میں، میں نے تینوں رسالوں کے ہر نو آموز لکھاری کے افسانوں کو پڑھا، پرکھا اور موازنہ کیا اور جو لگا وہ تو..... مئی کے شمارے میں "مہمان کا رزق" پڑھا۔ ابھی آفشین کا "ہم ایک ہیں" افسانے اچھے ہیں۔ (سارے لکھاری اپنے طور پر سب سے بہترین چن کے لکھتے ہیں)۔ اپنے افسانوں کے بارے میں سوچا، میں خود پسند نہیں ہوں، دل کی بات کہہ رہی ہوں کہ ایسا لکھنا اس طرز پر میرے لیے قدرے آسان ہے، پر ہر لکھاری، ہر قاری کا اپنا نظریہ، اپنا مزاج ہوتا ہے۔ میرا دل پتا نہیں کیوں، مجھے اپنے مزاج کا سا لکھنے پر اکساتا رہا ہے۔

☆ پیاری عظمیٰ! آپ اب بھی اچھی بچی ہیں۔ مستقل میں مزید اچھی ہوں گی۔ آپ مزید افسانے لکھیں، یقین کریں،

کسی افسانے کو ناقابل اشاعت لکھنا ہمارے لیے بھی اتنے ہی دکھ کا باعث ہوتا ہے جتنا دکھ آپ کو ناقابل اشاعت پڑھ کر ہوا۔

خدیجہ ندیم.....نامعلوم شہر

پانچ سال پہلے خواتین ڈائجسٹ سے میں آشنا ہوئی۔ تب میری عمر فقط بارہ سال تھی۔ تب امی مجھے صرف اس میں عدیشیں اور روایتیں پڑھنے کی تاکید کرتی تھیں۔ جیسے جیسے بڑی ہوئی، کہانیوں کی دنیا نے مجھے مسرور کردیا۔ راحت جبیں، سائرہ رضا، ایمل رضا، سمیرا حمید، راشدہ رفعت، ام طیفور، نگہت عبداللہ، شفق افتخار، نبیلہ عزیز اور ایسی کئی قابل مصنفاؤں کی خوب صورت تحریروں نے زندگی کے ہر ہر پہلو پر نظر ثانی کرنے میں مدد کی۔ خاص کر نمرہ احمد جن کی تحریروں نے زندگی کے کئی مثبت پہلوؤں کے در میرے لیے وا کیے۔

☆ پیاری خدیجہ! خواتین کے اجرا کے وقت ہمارے سامنے یہی مقصد تھا کہ ایسا پرچا ہو جو تفریح کے ساتھ ساتھ خواتین کی شخصیت کی تعمیر بھی کرے۔ انہیں زندگی کے سفر میں آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی عطا کرے۔ آپ کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔

آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں گئیں۔

انعمتہ طارق.....لاہور

میری اماں 1980ء یعنی اپنے بچپن سے آپ کے ڈائجسٹ بڑے تواتر سے پڑھتی رہی ہیں۔ میرا بچپن آپ کے رسالوں کو دیکھتے گزرا ہے۔ پچھلے سال تک کوئی خاص دلچسپی نہ تھی مگر کرونا کی بدولت نمرہ احمد کے ناول "جنت کے پتے" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کو پڑھا کیسے، یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قدرت چاہتی تھی کہ ایسا ہو۔ چونکہ شروع سے ہی انگریزی کو زیادہ اہمیت دی اور اس میں ہی بات کی، تو اردو پڑھنا مشکل لگتا تھا مگر دن رات لگا کر اس کو مکمل کیا۔ اس ناول کو پڑھنے کے بعد مشہور زمانہ "پیر کامل" پڑھا۔ اس کے بعد "آب حیات" پڑھا۔ اماں نے جب یہ دیکھا، تو بتایا کہ یہ سب ایڈٹ اصل کرتی ہیں اور میری ان سے بات بھی کروائی شاید ان کو میں یاد ہوں۔

☆ پیاری انعمتہ! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ خواتین ڈائجسٹ کا سفر اب تیسری نسل تک آپہنچا ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ انگریزی پڑھتی اور بولتی ہیں۔ آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے، اب رابطہ رکھیے گا اور خواتین کی دیگر کہانیوں پر بھی تبصرہ کیجیے گا۔

ارم ابرار.....کینیڈا

خط لکھنے کی وجہ سمیرا حمید کا مضمون "بات تعلق کی ہے" ہے۔ اس مضمون نے مجھے ماضی میں پہنچا دیا۔ میں نے 1990ء سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ اگست 2000ء میں، میں کینیڈا شفٹ ہوگئی۔ اپنا اپارٹمنٹ سیٹ کرنے کے بعد جب میں ایک پاکستانی اسٹور پر گئی تو وہاں خواتین ڈائجسٹ نظر آیا اور اللہ کا شکر ہے کہ 21 سال میں میرا ایک بھی شمارہ مس نہیں ہوا۔ یہاں تک جب کووڈ کی وجہ سے فلائٹس بند رہیں تو میں نے سات ماہ کے میگزینز اکٹھے خریدے۔ مجھے یہ پرچے حاصل کرنے کے لیے تیس منٹ ڈرائیو کرنا پڑتا ہے۔ جو برف باری کی وجہ سے کافی مشکل کام ہے۔ میں آج بھی ڈائجسٹ پا کر اتنا ہی خوشی ہوتی ہوں جتنا 90ء میں ہوتی تھی حالانکہ میں ایک اسکول میں فل ٹائم جاب بھی کرتی ہوں۔

رات سونے سے پہلے میں ڈائجسٹ کے کچھ صفحات ضرور پڑھتی ہوں۔ یہ ڈائجسٹ مجھے پاکستان لے جاتے ہیں، جہاں میرا میکہ اور سسرال کا وہ گھر ہے جہاں میں رخصت ہو کر آئی تھی۔

☆ پیاری ارم! آپ نے اتنی دور سے ہمیں یاد کیا، بے حد خوشی ہوئی۔ یہ اللہ کا کرم، اس کی مہربانی ہے کہ ہماری محنت کو قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی یہ چاہتیں، محبتیں ہمارا سرمایہ ہے۔ سچ لکھا ہے سمیرا حمید نے کہ بات تعلق کی ہے۔

ریحانہ چوہدری.....سیالکوٹ

جانے کون سے اونچی فصیلوں والے قلعے میں خود کو چھپا لیا ہے آپ نے، جہاں تک ہماری آواز بھی آپ تک نہیں پہنچتی۔ اگر میری کوئی بات بری لگ گئی ہے تو معذرت۔ ایک افسانہ میری دیورانی نویلہ کی بیٹی اسماء رضوان نے لکھا تھا۔ آپ سے گزارش ہے کہ پڑھیے گا ضرور۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے گاؤں کی تصاویر آپ کو واٹس اپ کروں۔

☆ پیاری ریحانہ! اس سے پہلے آپ نے شاید دو خط لکھے ہیں۔ ہم نے دونوں خط پڑھے۔ شامل نہ ہو سکے۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ وجہ آپ جانتی ہیں۔ واٹس ایپ پر آپ کے گاؤں کی تصاویر دیکھ چکے ہیں، بہت خوب صورت تصاویر تھیں۔ اپنی پیاری قاری اور رائٹر کی بات ہمیں کیسے بری لگ سکتی ہے۔

آپ کا افسانہ "وقت بدلنے سے" ان شاء اللہ آئندہ ماہ یعنی اگست کے شمارے میں شامل ہوگا۔ بقیہ

pklibrary.com

دونوں افسانے زیر غور ہیں۔
اسماء رضوان کے افسانے کے لیے معذرت۔

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ

"کرن کرن روشنی" میں صدقہ اور وصیت کے متعلق آگاہی ہوئی۔ انشاء جی سے محفل میں بات کرنے کا سلیقہ سیکھا۔ باصلاحیت فنکار نوید رضا سے باتیں کیں۔ ہمارا پسندیدہ ترین ناول "زندگی ہم تجھے گزاریں گے" لاکھ لاکھ شکر ہے، خوشی سے زمین کی جان چھوٹ گئی ہے۔ بے گناہ مراد کی رہائی کی کوئی تدبیر کریں۔ "رنگ ریز میرے" شکر ہے مائرہ بچ گئی۔ مائرہ کے لیے بھی کوئی ہیرو بیرون ملک سے برآمد کریں تاکہ حریم کا پیچھا چھوٹے، وہ بھی سکھ کا سانس لے سکے۔ "ہمارے نام" میں اپنا نامہ نہ پا کر دل غم میں ڈوب گیا۔ لیکن پھر بہنوں کے نامے پڑھ کر دل باغ باغ بھی ہوگیا۔ "خبریں و بریں" ایک دلچسپ سلسلہ ہے۔ اداکاروں کی سرگرمیوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔ فہمیدہ جاوید کا باورچی خانہ پسند آیا۔ مرحومہ خالدہ جیلانی نے ٹھنڈائی پلا کر دل ٹھنڈا کردیا۔ خداوند کریم ان کی قبر کو بھی ٹھنڈا اور روشن کرے، آمین۔ عدنان بھائی تو بیٹھے ہی بہنوں کے مسئلے حل کرنے کے لیے ہیں، اللہ انہیں خوش رکھے۔

☆ زرینہ بہن! تاخیر سے موصول ہونے کے باعث پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ ہوسکا۔ اس کے لیے معذرت۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔

فرحانہ مہناز...... اسلام آباد

شمارے کی تعریف سے پہلے خواتین شعاع سے محبت اور گہرے تعلق کا احوال بتانا چاہتی ہوں۔ خواتین و شعاع سے محبت اور افسانوی دنیا میں رہنے کا یہ عالم ہے کہ کتنی دفعہ صبح اٹھ کر ٹوتھ پیسٹ کے بجائے شیمپو برش پر لگایا اور شیمپو نکالنے کے لیے پیسٹ۔ پھر بچوں کو ناشتہ بناتے وقت چائے کے لیے دودھ میں پتی چینی ڈالی اور ساتھ ہی انڈہ توڑ کر ڈال دیا اور فوراً ہی یاد آجاتا ہے پھر والیوم تھوڑا تیز ہوجاتا۔ ارے، یہ کیا کردیا۔ میں...... اف کیا کروں، تو میری دیورانی جس کے بچے ابھی چھوٹے ہیں، اسکول نہیں جاتے۔ سوتے میں مسکرانے لگتی کہ آج پھر آپی فری سے کام خراب ہوگیا۔ کبھی چاول دم پر رکھنے سے پہلے اس میں پاس رکھی چائے ڈال دی، اب یہ تو مجھے بھی نہیں پتا ہوتا کہ دم دینے سے پہلے کیا ڈالنا تھا۔ میری ایسی اوٹ پٹانگ چیزیں امی اور ساس کھالیتی ہیں۔ مگر فراز صاحب کبھی بھی نہ کھائیں۔ تب وہ اسلام آباد میں ہوتے تھے۔ ان کے آنے پر دماغ تھوڑا اسیٹ رکھتی تھی، وہ اس طرح کہ جتنے بھی شعاع اور خواتین کے شمارے ہیں، سب چھپا دیتی۔ اس لیے نہ کوئی مہر ماہ، در شہوار، ماہ نور، زوبار یہ، زل کوئی بھی میرے ذہن میں خلل نہ ڈالے۔

قارئین مجھے شادی سے پہلے کیا شادی کے بعد بھی روٹی بنانا نہیں آتی تھی۔ نہ کبھی آٹا گوندھا۔ شادی سے پہلے امی جی نے کام نہ کرنے دیا کہ "بیٹا! بس پڑھا کرو۔ ساری عمر کام ہی کرنا ہے" اور شادی کے بعد ساس جی نے اس اصول کے تحت کام نہ کرنے دیا کہ اگر یہ روٹی ہانڈی پر لگ گئی تو بیٹا ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تو جناب بیٹے کو خود ہی روٹی بنا کر دیتیں، ایسے میں ہمارے دو بچے ہوگئے کہ روٹی بنانا نہ آئی۔

ان دنوں فراز اور ان کے دوست نے مل کر دو ماہ کے لیے ایک پورشن لیا اسلام آباد سیر کے لیے۔ دوست کی بیگم آنسہ اور میں اکٹھی ہی گوجرہ سے آئیں۔ دونوں دوستوں نے طے کیا کہ کھانا اکٹھا ہی بنانا اور کھانا ہے۔ سالن میں ہر طرح کا بنالیتی۔

شادی سے پہلے کرن کتاب، شعاع اور خواتین کے دستر خوان دیکھ کر سالن بنالیتی۔ لیکن آٹا گوندھنا اور روٹی کیسے بناؤں؟ سالن آنسہ نے بنایا۔ مجھے کہا آٹا گوندھو، میں لگی گوندھنے اور پتلا ہوگیا۔ وہ کچن میں آئی۔

"ارے فرحانہ یہ کیا کررہی ہو۔ چلو تم رہنے دو، میں گوندھ دیتی ہوں۔" میں خوشی خوشی کمرے میں چلی گئی کہ ٹھیک پندرہ منٹ بعد آواز آئی۔ "فرحانہ روٹی بنالو۔"

دھڑکتے دل کے ساتھ کچن میں گئی۔ پیڑا کرنے کا طریقہ آزمانے لگی تو آنسہ کا موبائل بجنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی چیخ کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر اس کے کمرے میں گئی۔ "کیا ہوا؟"

"فرحانہ! میری تائی جان فوت ہوگئی ہیں۔ ہمیں ابھی واپس جانا ہے۔"

جلدی سے اس کے بچے کو تیار کیا۔ وہ لوگ کھانا کھائے بغیر ہی چلے گئے۔ پھر فراز کو سری لنکا کا نقشہ بنا کردیا۔ انہوں نے شکر کے ساتھ کھالیا۔ کبھی ان کو پتا تھا ان کی امی مجھے کوکنگ نہیں کرنے دیتیں۔ دو دن بعد ان کی واپسی ہوئی پھر وہی مسئلہ لیکن یہ دو دن میں نے پیڑ ابنانا اور روٹی سیکھ لی۔

اب یہ نہ سمجھیں، میں پڑھائی میں بھی ایسی ہی تھی۔ پڑھائی میں مابدولت بہت اچھے رہے۔ بی اے تک ہمیشہ فرسٹ ڈویژن آئی حالانکہ رسالے ہم نے میٹرک میں ہی شروع کرلیے تھے۔ شاعری اور اردو ادب سے دلچسپی تھی۔

اس لیے تو ایف اے کے پیپرز میں، اردو کے پرچے میں.....

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

شعر کی اتنی مفصل تشریح کی کہ آس پاس والی لڑکیاں اچک اچک کر میرا پیپر دیکھ رہی ہیں۔ ارے اتنے مختصر شعر کی اتنی لمبی تشریح کیسے کر رہی ہو۔ بھئی ڈائجسٹ کا خمار اردو کے پیپر میں ہی اتارنا ہوتا نا کہ فارسی اور انگریزی میں۔

ان دنوں تو میں اپنے آپ کو میمونہ خورشید علی کی زوبار یہ ہی سمجھتی تھی۔ قارئین جیسی لگی، آپ کو میری افسانوی زندگی بتائیے گا ضرور۔ آج پہلی بار دوسری قارئین کی طرح اپنی زندگی کی خوش گوار یادیں شیئر کی ہیں۔

ج: فرحانہ! یادیں واقعی بہت دلچسپ اور خوش گوار ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اتنے طویل خط کے بجائے ان یادوں پر مشتمل افسانہ لکھ دیتیں۔

انعم وجاہت.....جلال پور جٹاں

میں صرف جون، جولائی کے رسالوں پر بالکل تبصرہ نہیں کروں گی، بلکہ بات کروں گی ہر اس رسالے پر جس کو میں نے اپنے سینے سے لگا کے رکھا ہے اب تک۔

تو بات کچھ یوں ہے کہ جب میں پانچویں جماعت میں تھی تب کسی کلاس فیلو کے پاس رسالہ دیکھا جو اب عرض بس وہ لے لیا، اس سے اور پڑھا کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہیں۔ لیکن دل کو نہ لگا پھر چھٹی جماعت میں ہم دوسرے اسکول گئے تو وہاں کلاس فیلوز کی باجیوں کے ذریعے بہت سے رسالے ہمارے ہاتھ آنے لگے۔ گھر لا کے پورا رسالہ پڑھ کے ہی واپس کرتے پھر اس کے بعد اپنے رسالے خریدنے شروع کیے، میں تب سے خرید رہی ہوں، جب پچیس روپے کا ملتا تھا اور کزنز کے ترلے منتیں کر کے ساتھ والے گاؤں سے منگواتے تھے بس پھر تو ایسا ساتھ جڑا کہ آج تک نہیں ٹوٹا اس کے بعد دو ہزار اٹھارہ میں شادی ہوگئی اور شادی کے بعد تقریباً چھ سات مہینے نہیں پڑھ پائی۔ لیکن اس کے بعد پھر سے ہم اور ہمارا خواتین آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کس قدر شدت سے انتظار ہوتا ہے

آپ کو ایک اور بات بتاتی چلوں کہ میں نے رسالے ایسے سنبھال کے رکھے ہوئے ہیں، جیسے اپنا جہیز۔ شادی کے بعد میں اپنے رسالے امی کے گھر سے لے آئی، میری ساسو ماں کی پرانی ٹی وی ٹرالی تھی جس کو میں نے بک ریک بنا کے اس میں سجائے۔ کچھ میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل میں پڑے ہیں اور ہر وقت میرے بیڈ روم میں کبھی ڈریسنگ پر کبھی سائیڈ ٹیبل پر کبھی بیڈ پر کوئی نہ کوئی رسالہ پڑا ہوتا ہے تو یہ ہمارے خواتین سے محبت۔

عرصے بعد ''رقص شرر'' جیسی کہانی پڑھی۔ انتہائی سبق آموز۔ ادھر ایک اور بات بتاتی چلوں کہ میرے شوہر نامدار۔ انہوں نے مجھے کبھی نہیں روکا۔ رسالہ لا کے بھی دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کہانی پڑھتے ہی آپ کا دل کرتا ہے آپ ڈسکس کریں کسی سے لیکن وہ بالکل نہیں سنتے، پھر میں خوب باتیں سناتی ہوں۔ بدذوق ہونے کا طعنہ بھی دیتی ہوں، یہ سب چپ چاپ سن لیتے ہیں۔ میں اکثر کہتی ہوں کہ آپ سپورٹ کرتے تو آج میں ایک اچھی رائٹر ہوتی، ہاہاہا۔

☆ پیاری انعم! اپنی اتنی پرانی قاری کا خط پا کر بہت خوشی ہوئی۔ بہت شکریہ۔

شوہر کو بدذوق ہونے کا طعنہ دینا بند کر دیں۔ دلچسپی نہ ہونے کے باوجود انہوں نے آپ کو پڑھنے سے نہیں روکا یہ بھی بہت ہے۔

دعا مصطفیٰ.....خیر پور میرس

کہانیوں پر جامع تبصرہ بعد میں پہلے کچھ اپنی فرمائشیں۔

پیاری فائزہ بھٹی! اپنی شادی کا بھرپور احوال لکھیں۔ پتا ہے جس دن تمہاری شادی ہوئی تھی، اس دن میں سارا دن سوچ رہی تھی کہ اب یہ رسم ہو رہی ہوگی اب یہ۔ خیر یہ بھی بتانا کہ ہنی مون پر کہاں گئیں بلکہ سارا احوال لکھنا۔ سب سے پہلے سرورق پر ماڈل جو کہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اس کے بعد ''کہنی سنی'' میں مدیر ہمیشہ کی طرح مثبت پہلوؤں اور مقصدی بات لے کر آتے ہیں۔ ویسے آپی واقعی سچ کہا ہے کہ ہر ٹینشن لو جی بے بس ہے، اللہ تعالیٰ کے آگے۔

ام فاتح آپی کا خط اے دن رہا، کیا بتاؤں کہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ام فاتح آپ کے اندر ایک مصنفہ چھپی ہوئی ہیں اور ارے ہماری فائزہ ثمرین جی نے خط لکھا ہے، اس کے بعد آپی شازیہ الطاف ہاشمی نے لکھا ہے۔ نبیلہ شاہد، ندا جی ایم، سعدیہ افضل ہاشمی، پیاری صدف آپی، پیاری گوشی، بسمہ شیراز، ہانیہ تبسم سب کے تبصرے اچھے رہے۔ آپ کا باورچی خانہ میں ہماری سوپر ہیروئن آپی کھڑی ہیں۔ اس کے بعد ''نفسیاتی الجھن'' میں پہلا مسئلہ

pklibrary.com

تو بالکل عنیزہ سید جی کی لیٹسٹ کہانی کا ساتھا۔ ''زندگی ہم تجھے گزریں گے'' میں موئے منشی کے ہسپتال کے بستر پر پڑنے نے مزا دیا۔ فائزہ محبوب سے ملاقات بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس کے بعد ''سوال یہ ہے'' میں سائرہ جی اور نگہت جی نے بہت بہت اچھے جواب دیے۔

☆ پیاری دعا! صفحات کی مجبوری کی وجہ سے آپ کا تبصرہ پورا شائع نہ کرسکے۔ تفصیلی اور جامع تبصرے کے لیے ممنون ہیں۔ متعلقین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔

سحرش گلزار.....نامعلوم شہر

میں نے ایک ناول ''باغ وفا'' لکھا ہے جو میں آپ کے ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع کرانا چاہتی ہوں۔

☆ پیاری سحرش! آپ کا ناول پڑھا۔ پہلی بات ہمارے ہاں سلسلے وار ناول کی گنجائش نہیں۔ دوسرے ہمارے پرچوں میں کہانیوں کی شکل میں نصیحت کی جاتی ہے جبکہ آپ کا انداز بیاں تبلیغی اور تقریری ہے۔

سمارا انعم بھٹی.....ڈی جی خان

جون کا شمارہ خوب صورت سرورق سے سجا ملا۔ سب سے پہلے شاہین رشید کے بھائی اور منشاء محسن کی دادی کی رحلت پر افسوس کا اظہار۔ اللہ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور اہل خانہ کو صبر وجمیل عطا فرمائے، آمین۔ ''کہنی سنی'' اثر انگیز تھا۔ ''کرن کرن روشنی'' بلاشبہ صدقہ جاریہ ہے۔ نوید رضا کا انٹرویو اچھا لگا۔ وہ بہترین ایکٹر ہیں۔ ''سوال یہ ہے'' میں فیورٹ رائٹرز کے جوابات تھے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ افسانوں میں حمیرا شفیع کا افسانہ ''ڈائٹ پلان'' کامیاب رہا۔ نادیہ جہانگیر، منعم ملک اور کشف بلوچ کے افسانے بھی پسند آئے۔ سلسلے وار ناول میں راحت جبیں بڑی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ کچھ عرصے پہلے محترمہ جبیں چیمہ کا انٹرویو پڑھا تو اشتیاق سا ہوا کہ ان کو پڑھا جائے سو ان کا ناولٹ ''صاحب بی بی اور غلام'' پڑھا، واہ کیا کہنے بھئی۔ مکمل ناول فرح بھٹو کا تھا، ماشاء اللہ فرح آج کل چھائی ہوئی ہیں۔ دوسرا ناولٹ منشاء محسن کا بھی بہترین تھا۔ باقی مستقل سلسلوں میں کوئی کمی بیشی کی ضرورت نہیں، سب سلسلے خواتین کے نگینے ہیں۔

☆ پیاری سمارا! آپ نے دوبارہ لکھ کر جو افسانے بھجوائے تھے، ہمیں موصول نہیں ہوئے۔ آپ نے کب اور کس ذریعے سے بھجوائے تھے، ای میل کیے تھے یا ڈاک سے بھجوائے تھے؟

خواتین ڈائجسٹ آپ کو پسند آیا، ہماری محنت وصول ہوگئی۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ ہم اپنی قارئین کی توقعات پر پورا اتریں۔ ''سوال یہ ہے'' کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس ماہ آپ کی پسندیدہ مصنفہ فرحت اشتیاق کا سلسلہ شامل ہے۔

میمونہ صدف.....لاہور

میں نے محترمہ جبیں چیمہ صاحب کا ناولٹ ''صاحب بی بی اور غلام'' پڑھا۔ میری رائے میں اندرون لاہور کی بیک گراؤنڈ میں لکھی گئی یہ ایک بہت عمدہ کہانی ہے۔ اس کو پڑھ کر اندرون لاہور کا پچاس سال پہلے کا نقشہ یاد آجاتا ہے۔ کہانی میں میاں جی کا کریکٹر بہت ہی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ شکورے کا کریکٹر بہت بھرپور ہے۔ کہانی میں پنجابی زبان کے محاورے بہت مہارت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً ''دھیاں سب دیاں سانجھیاں نے'' میاں جی کا تاثر اپنے بچوں کے پاس جانا اور بچوں کا ان کے ساتھ گھریلو ملازم کا سا سلوک کرنا بہت تکلیف دہ ہے۔ مجھے کہانی میں دلی والی قمرن کا کردار بہت پسند آیا۔ اس قدر خوددار اور باحیا عورت حالات سے مجبور ہوکر پناہ کی تلاش میں کہاں کہاں بھٹکتی ہے۔ لیکن میاں صاحب کے گھر میں بھی وہ اپنی عزت اور احترام میں کوئی کمی نہیں آنے دیتی۔ جبیں چیمہ صاحبہ کا ناولٹ بہت ہی عمدہ ہے۔

☆ پیاری میمونہ! آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی مگر یہ کیا؟ صرف ایک ہی کہانی پر تبصرہ؟ اور کہانیاں نہیں پڑھیں آپ نے؟

سونو کائنات.....نامعلوم شہر

میں نے کچھ عرصہ پہلے ایک ناول ''یہ منزل آسان نہیں'' کے نام سے ارسال کیا تھا۔ بہت انتظار کیا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہوا ہے یا نہیں۔

☆ پیاری سونو! آپ کا ناول شائع نہیں ہوا۔

فوزیہ خالد احمد.....حیدرآباد

سب سے پہلے ''کہنی سنی'' کی طرف بڑھے، گرمی تو پنجاب میں بھی بہت زیادہ ہے۔ ''کرن کرن روشنی'' سے علم کی روشنی حاصل کی۔ ابن انشا نے خوب محفل میں بات کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ آگے بڑھے تو نوید رضا سے ملاقات کی۔ ''سوال یہ ہے پڑھا'' سب کے جوابات اچھے تھے مگر اس سلسلے میں بھی میرا سوال نہ تھا۔

''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' بہت اچھا جارہا ہے،

pklibrary.com

راحت جبیں کی سب ہی کہانیاں اچھی ہوتی ہیں۔
''ڈائٹ پلان'' بھی اچھی تھی۔ ایک اچھی نصیحت دیتا ہوا افسانہ۔
''صاحب، بی بی اور غلام'' اچھے سے کہانی کو لے کر چلیں جبیں چیمہ، مگر اس کا پلاٹ پرانا تھا۔
''رنگ ریز میرے'' اچھا جا رہا ہے۔ بہت سوں کو یہ ناول پسند نہیں مگر مجھے تو ہر ماہ شدت سے اس کا انتظار رہتا ہے۔ عفت سحر طاہر کا انٹرویو بھی لیں اور ان کی مصروفیت کے بارے میں بھی آگاہ کریں کہ کیوں کبھی بھی وہ قسط نہیں بھیج پاتیں۔ ''تپش سائے کی''، منعم ملک نے اچھا لکھا۔ ویسے منعم لڑکوں کا نام ہوتا ہے، کیا یہ لکھاری مرد ہیں، بتایئے گا ضرور۔
''کچا گھڑا'' میں واحد حل خودکشی کے علاوہ بھی کچھ اور نکل سکتا تھا۔
''مہارت'' ایک اسٹوری ہی ہے (پپی اینڈ والی) ورنہ زیادہ تر مرد اتنے براڈ مائنڈڈ نہیں ہوتے۔
''سفر مبارک'' ہاجرہ نے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ ہماری بھی ایک لیکچرار تھیں، بہت خوب صورت۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں، نازک پنکھڑی سے ہونٹ، ستواں ناک، سانولا رنگ ہونے کے باوجود پہلی نظر ڈال کر ہٹانا بھول جائے۔ نہایت پرکشش چہرہ، ان کا نام میم فرزانہ تھا۔ میم جی! آپ بھی شاید رسالہ پڑھتی ہوں، آپ پھلروان پڑھانے آیا کرتی تھیں لاہور سے۔ سفر مبارک پڑھ کر مجھے ان کی یاد آ رہی ہے۔
باقی تمام سلسلے اچھے ہیں اور جو سلسلہ ہم سب سے پہلے پڑھتے ہیں اس کی بات کرتی ہوں۔ ہاں جی خطوط کی تو اقصیٰ شہزاد اور ماریہ کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں میں۔ آپ کے بھائی کا مجھے بہت دکھ ہوا۔ اور شاہین رشید کے بھائی کا بھی افسوس ہوا۔ گوشی جمال کے خطوط بھی دلچسپ ہوتے ہیں لیکن دکھ بھی ہوا پڑھ کر۔
☆ پیاری فوزیہ! آٹھ سال کی عمر میں دو بار آپ کا بیٹا آپریشن کی تکلیف سے گزرا۔ ایک ماں کے لیے یہ کتنا اذیت ناک ہے، ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ کے بیٹے کو شفائے کلی عطا فرمائے، آمین۔
آپ نے کس مصنفہ کے لیے سوال بھیجا تھا، ہمیں نہیں ملا۔ ممکن ہے ڈاک میں ادھر اُدھر ہو گیا ہو، آپ سوال دوبارہ بھجوا دیں۔ ''آپ کا باورچی خانہ'' میں آپ کا سلسلہ شائع ہو جائے گا۔
بہت سے لوگ لڑکیوں کے نام لڑکوں والے رکھتے ہیں۔ جیسے انور، شمیم، اقبال وغیرہ وغیرہ۔ اقبال بانو ہماری بہت اچھی مصنفہ بھی ہیں اور ایک مشہور گلوکارہ بھی۔ اس لیے منعم بھی لڑکی کا نام ہو سکتا ہے۔
کچا گھڑا میں صرف لڑکی نے خودکشی نہیں کی، اس نے لڑکے کو بھی کنویں میں دھکا دیا تھا، اسے اپنا انتقام لینا تھا۔ خودکشی تو ویسے بھی کوئی حل نہیں ہے۔ ہمارے مذہب میں خودکشی کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔ یہ حرام ہے۔ بس اس کو ایک واقعہ سمجھیں۔ جیسے اکثر اخبارات میں ایسے واقعات شائع ہوتے ہیں۔
آپ کی استاد تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔
فوزیہ آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا۔ اب رابطہ رکھیے گا۔

رخسار احمد..... کراچی

پلیز پلیز میرے افسانے احسان فراموش کے متعلق بتا دیں کہ وہ قابلِ اشاعت ہے یا نہیں۔ اس طرح انتظار کی سولی پر مت لٹکائیں۔ میں نے ایک اور افسانہ لکھا ہے کیا میں وہ آپ کو بھجوا سکتی ہوں۔ پلیز بتایئے گا ضرور۔
بالآخر حالم اپنے اختتام کو پہنچا۔ اچھا تھا پر نمل جیسی بات نہ تھی۔ نمرہ کا انٹرویو بھی لیں۔ عمیرہ اور فرحت اشتیاق کہاں غائب ہیں۔ خدارا انہیں ڈھونڈ کے لے آئیں۔
ج: پیاری رخسار! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا افسانہ شائع کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کسی نئے موضوع پہ افسانہ لکھیں۔
آپ کی بہن نے عدنان بھائی کو کس نام سے خط لکھا تھا؟ ان سے کہیں کہ وہ دوبارہ خط لکھیں۔

ابرش شاہ..... مظفر گڑھ

یہ میرا آپ کے ادارے کے لیے تیسرا خط ہے! تیسرا بھی اور شاید آخری بھی۔
ہاں تو بھئی۔ میں زندگی کی ڈیڑھ دہائیاں دیکھ چکی ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ میری آنکھیں..... وہ صدیوں پرانی ہیں، ایک بوڑھی عورت کی طرح وہ زندگی دیکھ نہیں پرکھ چکی ہیں۔ میری کزن کا کہنا ہے کہ ایک بوڑھی روح تمہارے اندر حلول کر گئی ہے اور میری کلاس فیلوز مجھے دادی اماں، کہتی ہیں، میں مسکرا دیتی ہوں! وہی، بوڑھوں کی بچوں کی باتوں پر مسکراہٹ!
اب تک میں 10th میں ہوتی ہم تو اچھا پیپر ہوں

pklibrary.com

گے، نہیں ہوں گے، اب ہوں گے، تب ہوں گے میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ بس اسی وحشت سے راہ فرار کی خاطر قلم تھام لیا، یہ بے چارہ سچا دوست ہے کبھی نہ ساتھ چھوڑنے والا!

اگر آپ اسے اپنے دکھ سنائیں تو یہ اکتاتا نہیں ہے۔

آپ اکثر لکھتی ہیں "پڑھائی پر توجہ دیجیے" کہانی لکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اپنی پڑھائی کو دور سے سلام کرتا ہوا نکل جاتا ہے۔ مگر آپ کا تو تجربہ بہت ہے، یقیناً آپ ایسی رائیٹرز کو بھی جانتی ہوں گی جنہوں نے بچپن سے قلم کا جادو جگایا اور اپنے اسکول میں بھی ممتاز رہیں۔ میری کتاب زیست بھی انہیں واقعات سے عبارت ہے مگر میں ان کا یہاں ذکر کر کے "میں میں" نہیں کرنا چاہتی، بکری تو نہیں ہوں ناں میں۔

آیئے جناب تبصرے کی طرف "زندگی ہم تجھے گزاریں گے" ویسے تو میں زندگی گزارنے کی نہیں زندگی جینے کی قائل ہوں مگر میری زندگی میری اس بات پر بھرپور قہقہہ لگا دیتی ہے جو پندرہ سالوں سے مجھے گزارے جا رہی ہے۔ یہ بلاشبہ ایک شاہکار ہے، بہت خوب صورت تحریر، بہت خوب صورت لکھاری کی!

"رنگ ریز میرے" اس میں میری درخواست ہے کہ عفت سحر طاہر کو شکریے کے ساتھ اگلی اقساط بھجوانے سے معذرت کر لی جائے اگر ان کی غیر حاضری کو نظر انداز بھی کیا جائے تو یہ بے جان تحریر پڑھنے کو دل آمادہ نہیں ہوتا۔ ایک ہی بات کو وہ اتنی اقساط سے مسلسل کھینچے چلی جا رہی ہیں، نزہت کی وہی ہٹ دھرمی، مائرہ کی وہی ضد، حریم کی وہی ناشکری۔ بی بی کو زلفی کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا تو اتنا سوگ منانے کی محترمہ کو مہلت ہی نہ ملتی کہ جو ذمہ داریاں فوراً سے پڑ جاتی تھیں خیر..... برائے مہربانی اس ناول کو یہیں بند کیجیے اور اس کی جگہ سمیرا حمید یا پھر اور کوئی اچھی سی رائٹر لائیے!

"سوسے صفر" بلاشبہ اچھی تحریر تھی اور اچھی ہو جاتی اگر ہیروئین کو ہیرو سے ملوا دیتے۔ مجھے سیڈ اینڈنگ نہیں پسند لہٰذا میں نے اپنے ذہن کے پردے پر خود ہی اس کہانی کی ہیپی اینڈنگ کر دی ہے۔ کام دار شرارہ سوٹ میں ملبوس ماہین۔ سرخ لپ اسٹک سے آراستہ اس کے خوب صورت لب شرمگیں مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ کیونکہ ملک مصدق کا کھلکھلاتا بوسہ اس کے ماتھے پر اور فاطمہ مریم کے کپکپاتے ہاتھ اس کے سر پر ہیں) مناہل چونکہ مجھے پسند نہیں لہٰذا وہ اس شادی میں انوائیٹ نہیں ہے۔ دی اینڈ.....!

عنیزہ سید! میں آپ کے ناول کی ٹانگیں توڑنے پر بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں، بھئی اپنی زندگی اپنی مرضی سے کھینچ کھانچ نہیں سکتے تو بے چارے کرداروں پر ہی کچھ رحم کر لینا چاہیے)

نعیمہ ناز کی تحریر "آئینہ" بالکل بھی متاثر نہ کر سکی، نعیمہ ناز کبھی اتنا اچھا لکھتی ہیں اور کبھی بالکل ہی..... مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا تو خوشی کی والدہ کس خوشی میں اپنی عزت نفس کا سودا کیے بیٹھی تھیں؟ ان کی شوہر کی پنشن آتی تھی۔ ویسے بھی والدہ محترمہ گھر کا سارا کام کر کے اپنی بیٹیاں گھسا رہی تھیں تو خوشی کو لے کر ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی وہ کوئی چھوٹا موٹا کام کر سکتی تھیں کم از کم عزت نفس تو محفوظ رہتی۔ ہیرو کا بدلنا بہت عجیب لگا۔

امت العزیز شہزاد کی تحریر شش شش، بہت اچھی لگی خاص طور پر اس کا نام!

ج: پیاری ابرش! خط اتنا اچھا ہے، پڑھ کر یقین نہیں آ رہا کہ یہ پندرہ سالہ ناتجربہ کی طالبہ نے لکھا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ خداداد صلاحیت ہے اللہ جسے چاہے عطا کر دے۔ آپ کے خط سے اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الفاظ پہ قدرت دی ہے۔ آپ افسانہ بھجوا دیں، اپنا فون نمبر لکھ دیں۔ ہم خود فون کر کے بتا دیں گے قابل اشاعت ہے یا نہیں۔

صوفیہ کنول..... کوٹ طاہر، تحصیل جام پور

سب سے پہلے گوشی جمال کا خط پڑھا۔ بہت دلچسپ خط تھا اور میں ہمیشہ ہی آپ کا خط بہت شوق سے پڑھتی ہوں ہاں گوشی تمہاری بات ایک دم پرفیکٹ۔ عید بہت ہی افراتفری میں گزری تھی۔ پہلے تو عید کا نام و نشان نہیں تھا اور ایک دم ہی عید کا اعلان ہو گیا اور ساتھ ہی ہمارے دماغ بھی ماؤف ہو گئے۔ کیونکہ بہت سارے کام کرنے تھے۔ سب ہی قاری بہنوں کی باتیں اور خط لاجواب تھے۔

رائیٹر سے قاری بہنوں کے سوالات بہت اچھے لگے۔ جواب میں بھی رائیٹر بہنوں نے محبت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ماہا احمد کا سوال۔ ویسے ہمارے بھی بچپن کی بہت سی یادیں تازہ کر گیا۔ (خیر سائرہ رضا کا ہر لفظ لاجواب تھا)

اور اس کے بعد دوڑ لگائی راحت جبیں کے ناول زندگی ہم تجھے گزاریں گے۔ ہمیشہ کی طرح بیسٹ لگا۔ لیکن اس ناول کے صفحات بہت کم ہوتے ہیں۔ پلیز کچھ بڑھا دیں۔ سارے ناول، ناولٹ، افسانے زبردست تھے۔

"نفسیاتی ازدواجی الجھنیں" میں عدنان بھائی کیا

pklibrary.com

خوب مشورے دیتے ہیں اور بیوٹی باکس والا سلسلہ بھی اچھا جا رہا ہے۔

میری فرینڈ عابدہ پروین، مریم خان، سعدیہ ساحر، ہمیرا مسکان اور نازیہ خان ہم سب مل کر رسالے پڑھتے ہیں۔

ہمارے گھر ایک دوسرے کے گھر سے بہت نزدیک ہیں اس لیے ہم سب مل کر رسالے کی خوشی سیلیبریٹ کرتے ہیں کیونکہ رزاق بھائی بہت مشکل سے لا کر دیتے ہیں۔

ج: پیاری صوفیہ! خط بہت اچھا لکھا ہے، لکھائی بھی اچھی لیکن غزل کے لیے معذرت۔

فی الحال آپ شاعری کو چھوڑیں اور ہمیں صرف خط لکھیں۔

سونا ندیم...... ملتان

مجھے آپ سب سے بھی بہت محبت ہے۔ آپ نے رائٹرز سے سوالات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، وہ مجھے بہت پسند ہے۔

مجھے نمرہ احمد سے پوچھنا ہے کہ وہ نمل کا پارٹ ٹو کب لکھیں گی کیونکہ میں زمر اور فارس کو کبھی بھولنا نہیں چاہتی۔

ج: پیاری سونا! بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے ہمیں خط لکھا، آپ آئندہ بھی ہمیں اسی طرح خط لکھ سکتی ہیں۔ نمرہ احمد کا نیا ناول ستمبر کے مہینے سے خواتین میں شروع کر رہے ہیں۔

شمع شکیل...... حالی روڈ حیدر آباد

رات کے دو تین بج رہے ہیں اور سب سو رہے ہیں، ہم رو رہے ہیں۔ منعم ملک کا تپش سائے کی زبردست تحریر تھی۔ دل کو چھو گئی۔

میں پندرہ سال سے آپ کے تینوں پرچوں کی قاری ہوں۔

ج: پیاری شمع! بہت خوشی ہوئی آپ نے شرکت کی۔ بہت شکریہ...... لیکن رونے والی بات سمجھ میں نہیں آئی، کس بات پر رو رہی ہیں آپ؟

آمنہ رؤف...... ضلع اٹک

میرا تعلق ضلع اٹک کے چھوٹے سے گاؤں سے ہے اور میں 1997ء سے ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں اب تو شادی کو بھی تیرہ سال ہو گئے ہیں۔

میری بیٹی بھی دس سال کی ہو گئی ہے۔

بہت مشکلیں بھی آئیں پر ڈائجسٹ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ کبھی ڈائجسٹ پھاڑے گئے۔ کبھی مار بھی پڑی کتابوں میں چھپا کر پڑھے۔

شادی کے بعد میرے میاں نے اللہ انہیں لمبی زندگی عطا فرمائے۔ ماہانہ ڈائجسٹ لگوا دیے ہیں حالانکہ وہ دھاڑی دار مزدور ہیں۔

ج: پیاری آمنہ! بہت خوشی ہوئی آپ کا خط پڑھ کر۔ اللہ تعالیٰ آپ کے میاں کو سلامت رکھے۔ وہ آپ کے شوق کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ بڑی بات ہے۔

ہاجرہ، زینب اصغر، سلویٰ نور...... سیالکوٹ

بہت ہی کم وقت ملتا ہے خط لکھنے کا مگر پڑھتی سارے سلسلے شوق سے ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ سب سے پہلے کون سا ناول پڑھا لیکن یہ یاد ہے کہ وہ ڈائجسٹ خواتین تھا۔

میں ویسے درس نظامی کر رہی ہوں، ابھی پانچویں درجے میں ہوں بس اس کے بعد ایک سال۔ پھر میں نے ایم اے اسلامیات کی ڈگری لے لینی ہے۔

جب میں نے میٹرک کا امتحان دیا تو فری تھی اس کے بعد تو مجھے مارکیٹ میں 2017ء جون کا خواتین ملا، بے دلی سے لے تو لیا پھر گھر آ کے کھولا، بڑے دل کے ساتھ پڑھا۔

پھر اس دوران امی سے بڑی باتیں سننے کو ملتیں۔ کبھی اسے ہاتھ میں لیے کپڑے دھو رہی ہوتی مشین لگا کر تو برائٹ زیادہ گر جاتا تو کبھی دودھ ابال لیتی تو وہ جل جل کر اپنی مخصوص بو دوسروں کی ناک تک پہنچا رہا ہوتا۔

کبھی آٹا گوندھ رہی ہوتی تو آٹے میں بے دھیانی میں پانی زیادہ ڈال دیتی۔ کلاس تو روزانہ لگاتی تھیں امی۔ مگر پھر ایک دن غصے میں انہوں نے تین سے چار حصے کر دیے۔

اوہ...... میرے نہیں ڈائجسٹ کے (ہاہا)

خیر فرسٹ ایئر سے پھر میں نے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ باجی ربیعہ منگواتیں اور ایک کے میں انہیں پیسے دے دیتی اور ایک وہ لیتی تھیں (شعاع، خواتین) اب ایم اے (پارٹ، ون) میں ہوں۔ اب تو خود تینوں لیتی ہوں۔

ج: ہاجرہ، زینب اور سلویٰ! آپ نے محفل میں شرکت کی، بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ آمین۔

ارم کمال...... فیصل آباد

نوید رضا سے باتیں خوب رہیں۔ "سوال یہ ہے" نگہت سیما سے گفتگو پراثر رہی۔ سائرہ رضا کی سادگی ہائے دل لے گئی۔

سب سے پہلے موسٹ فیورٹ ناول "زندگی ہم تجھے گزاریں گے" دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پڑھی۔ یہ سن کر دھڑکنیں اعتدال پر آئیں کہ منگنی سے نکاح

pklibrary.com

pklibrary.com

نہیں ہوا۔ نرمین اور مراد کے خواب نہیں ٹوٹنے چاہئیں۔ بے شک منشی کا سر توڑ دیں۔ حمیرا شفیع کا "ڈائٹ پلان" سب کے لیے آزمودہ اور نیک عمل کا باعث، ویل ڈن حمیرا۔ "صاحب بی بی اور غلام" جبیں چیمہ کی زبردست تحریر رہی۔ اینڈ نے دل شاد باد کیا۔ فرح بھٹو بھی چونکانے میں کامیاب رہیں۔ نادیہ جہانگیر خاصے کی چیز لائیں۔ نشاء محسن کی "تمین قالب" مائنڈ بلوئنگ رہی۔ ڈائیلاگ شان دار تھے۔ منعم ملک کی تحریر بے حد پراثر رہی۔ صدف آصف کی "مہارت" نے حیران کردیا۔ ہم سے تو گھر کے ہی کام ختم نہیں ہوتے، کجا لوگوں کو کھانے کا آرڈر ڈلیور کرنا۔ "ہم ایک ہیں" ایک ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر رہی۔

سارے مستقل سلسلے شان دار اور جان دار رہے۔ فہمیدہ جاوید کا باورچی خانہ اے ون رہا۔ خاتون کی ڈائری کے لیے میں جو انتخاب بھیجتی ہوں، وہ لگتا ہے آپ کی ردی کی ٹوکری کھا جاتی ہے۔

چھ مہینے پہلے دوسری بیٹی صبیحہ کی شادی کردی، اب گھر میں طیبہ اور ایک بیٹا احمد ہیں لیکن صبیحہ کی جگہ خالی ہے، اللہ اسے اپنے گھر میں خوش رکھے۔

☆ پیاری ارم! بیٹی کی شادی پر تہ دل سے مبارک باد۔ زندگی کا یہ نیا موڑ صبیحہ کے لیے خوشیاں لے کر آئے۔ خاتون کی ڈائری کے لیے آپ کا انتخاب شامل ہے۔

سعیدہ افضل ہاشمی...... کراچی

شاہین رشید کے بڑے بھائی محمد ریاض کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے، آمین۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف۔ "کہنی سنی" نے دل اداس کردیا۔ صحیح لکھا زندگی میں انتشار، خوف، بے یقینی نے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ "کرن کرن روشنی" میں صحیح لکھا کہ آج کل ایصال ثواب کے نام سے جو محفلیں برپا کی جاتی ہیں اور کھانے کھلائے جاتے ہیں، ان کی حیثیت ایک رسم کی ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاموشی سے کسی مستحق کی مدد کردی جائے۔

عدنان بھائی ہمیشہ اچھے مشورے دیتے ہیں۔

"رنگ ریز میرے" میں نے نہیں پڑھا۔

میری وہ رائٹرز بہنیں جو ہم کو بھول چکی ہیں۔ ثمرہ بخاری، فائزہ افتخار بہت ہو گیا، اب ہمارا انتظار ختم کرو۔ عالیہ بخاری، فاخرہ جبیں ٹھنڈے برآمدے بہت یاد آرہے ہیں۔ فرزانہ کھرل، بمیرا حمید، سائرہ رضا، نعیمہ ناز، در ثمن، کنیز نبوی

کہاں ہو آپ سب۔ میرے خیال میں سب کے بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ کنیز نبوی سندھ دھرتی اور شاہ سائیں کے بہت سندھی زبان میں اردو ترجمے کے ساتھ بہت یاد آرہے ہیں۔ آپ چینل پر بھی رہو مگر ہمارے لیے بھی لکھو۔

آخر میں قاری بہنوں کے بارے میں لکھوں گی، ثمینہ اکرام، لیاری کراچی، کوثر خالد، جڑانوالہ۔ ڈاکٹر فریال چلیلا، مرے دار خط لکھتی رہو، آپ سب کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

☆ پیاری سعیدہ! آپ نے جو شادی کا احوال لکھا ہے، وہ بہت طویل ہے۔ دوسرے آپ نے جو تصویر بھیجی ہے، وہ بہت سارے افراد پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے ڈائجسٹ سائز میں چھوٹی ہو کر خراب ہو جائے گی۔ آپ دولہا، دلہن کی اپنے ساتھ کوئی اچھی سی تصویر بھجوادیں، ہم شادی کا احوال تھوڑا سا ایڈٹ کر کے شامل کرلیں گے۔

مصنفین تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ ثمینہ اکرم کو ہم نے فون کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔ الحمدللہ بخیریت ہیں، مصروفیت کی وجہ سے خط نہیں لکھ سکیں۔ بیٹی کی شادی ہونے کے بعد وہ اس کی کمی کو بہت محسوس کرتی ہیں۔

سلمیٰ مسرت...... راولپنڈی

مدیحہ آپ پنڈی کے کس علاقے میں رہتی ہیں، ضرور بتانا۔ خواتین میں سلسلہ "سوال یہ ہے" میں ایک سوال کی شرط تھی تو میں یہ سمجھی کہ ایک ہی مصنفہ سے کرنا ہے تو سوچ سوچ کر صرف نمرہ احمد سے کیا تھا۔ بہرحال اس سلسلے کو مستقل خواتین کا حصہ بنادیں تاکہ ساری مصنفات شریک ہو سکیں اور گا ہے بگا ہے مصنفات کے انٹرویوز بھی دیا کریں۔ شاہین رشید اور اقبال بانو سے دلی تعزیت ہے، ان کے پیاروں کے لیے مغفرت کی دعا ہے۔ اللہ ان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ میری ماہا اور عائشہ کے اسکول کھل گئے ہیں۔ چھ ماہ کے محمد زید اور سارہ بڑی پوتی آئمہ ان کی دیکھ بھال اور گھر کی ذمہ داریاں ہیں۔ دوسرے ایک بہت بڑی خوشی آپ سے شیئر کروں گی، میری بیٹی آمنہ نے بائیو کیمسٹری میں ایم فل مکمل کرلیا ہے۔ ماشاءاللہ پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی مکمل ہو گئی اور میری بہت بڑی خواہش تھی کہ میری بیٹی اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے گھر جائے تو الحمدللہ اس رمضان جمعتہ الوداع کو اس کی دعائے خیر بھی ہو گئی۔ اس سال کے اختتام تک شادی کا ارادہ ہے۔

راحت جبیں کا ناول زبردست ہے اب جو ظلم ہوں

گے ان کو پڑھنا بھی دل گردے کا کام ہے۔

☆ پیاری مسرت! آمنہ بیٹی کی تعلیم مکمل ہونے اور دعائے خیر پر ہماری طرف سے ڈبل مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش اسلوبی کے ساتھ آپ کے فرض سے سبک دوش کرے اور بیٹی کو خوشیاں عطا فرمائے، آمین۔ بہت اچھی سوچ ہے آپ کی کہ بیٹی تعلیم مکمل کر کے اپنے گھر جائے۔

''سوال یہ ہے'' مستقل سلسلہ ہے۔ آپ اپنی پسندیدہ مصنفین سے جو سوال پوچھنا چاہتی ہیں۔ ہمیں بھجوا دیں۔

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

ماہ جون کا خواتین میاں صاحب نے یہ کہہ کر پکڑایا۔ ''مبارک ہو، قیمت میں اضافہ ہوگیا ہے'' اور ہم نے سوبسم اللہ کہہ کر پکڑلیا۔ پورا مہینہ ہزاروں روپے موبائلز کے نت نئے پیکیجز اور وائی فائی پر لگاتے ہیں۔ نت نئے فیشن پر بے جا اڑا دیتے ہیں تو وہاں ہمارے چند روپے کیا کہتے ہیں۔

ٹائٹل گرل تو کیوٹ ہیں مگر گرمی کی مناسبت سے ڈریسنگ بہت ہیوی لگی۔ ''کہنی سنی'' میں جا کر دل خون کے آنسو رویا۔ ''کرونا، عید، فلسطین، کشمیر''۔

اب کس کس بات کو روؤں ناصر
اپنا لہنا ہی اتنا تھا

''کرن کرن روشنی'' میں ''وصیت'' کے بارے میں سیر حاصل معلومات حاصل ہوئیں۔ جن سے ناآشنا تھے، شکریہ، جزاک اللہ۔

نوید رضا اور فائزہ محبوب سے ملاقات پسند آئی۔ مگر نگہت سیما اور سائرہ رضا نے تو کمال کر دیا۔ سوال بھی اچھے اور جوابات زبردست۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' کی طرف بڑھے۔ صد شکر کہ راحت جبیں نے بچت کروادی۔ مکمل ناول ''محبت کو نج ہے سائیں'' فرح بھٹو رستہ بھول کر آ گئی ہیں۔ تحریر انتہائی زبردست۔ کہیں بھی جھول نہیں، کسی جگہ۔ سب کرداروں کو خوب انجام تک پہنچایا۔ ''مضراب'' انتہائی پڑھی لکھی اور کتنی مشرقی۔ ساتھ ساتھ ایمان نے بھی اپنی روایات کی خوب پاس داری کی۔ خواتین اور شعاع اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ اچھی بیٹی، اچھی بیوی اور اچھی ماں کی تربیت دے رہے ہیں۔

ناولٹ ''صاحب، بی بی اور غلام'' بازی لے گیا۔ ''مہارت'' ناولٹ بھی زبردست، بے حد دلچسپ رہا۔ منشا محسن کی آمد ''تین قالب'' کے ساتھ ہوئی۔ بلاشبہ پیاری تحریر۔ افسانے ماشاء اللہ سے چھ عدد ہیں۔ حمیرا شفیع نے ہمیں ''ڈائٹ پلان'' پیش کیا جو کہ ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ ''ہم ایک ہیں'' تحریر پسند نہیں آئی، معذرت خواہ ہیں۔ ''بے ادب یا با ادب'' یہ ہماری نادیہ جہانگیر واپس آ گئیں ہمارے پاس، خوشی ہوئی۔ ''نفسیات'' کی کلاس لی عدنان بھائی سے۔ ماسٹرز ہوں، دو سال نفسیات بھی پڑھی مگر ایسی کلاس کبھی اٹینڈ نہیں کی۔ جنہیں کتابیں نہیں سکھاتیں انہیں زمانہ سکھاتا ہے۔ بجا فرمایا دانش وروں نے۔

☆ پیاری صدف! اتنا خوب صورت اور جامع تبصرہ کرتی ہیں آپ کہ کہیں کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہر کہانی اور ہر سلسلہ کو پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں جو بلاشبہ درست ہوتی ہے۔ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خط لکھتی رہیے گا۔ آپ جیسی قارئین کے خط ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

قیمت کے اضافہ کے بارے میں کیا کہیں۔ سچ یہ ہے کہ ہمیں اپنی پیاری قارئین پر بوجھ ڈالنا خود بھی اچھا نہیں لگتا۔ لیکن مجبوری ہے مہنگائی نے کمر توڑ دی ہے۔ بلوں کے ساتھ ساتھ ہر شے کی قیمت میں دو سو سے تین سو گنا اضافہ ہو چکا ہے۔

☆☆

سانحہ ارتحال

بہن عنیزہ سید کے والد سید منظور علی بخاری اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

اِنا لِلّٰہ وَ اِنا الیہ رَاجعون.

مرحوم نے ایک فعال زندگی گزاری۔ بہت بُردبار اور متحمل مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ عنیزہ سید کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا ہے۔ دکھ کی اس گھڑی میں ہم ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے والد محترم سید منظور علی بخاری کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے، آمین۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

pklibrary.com

بقیہ طوبیٰ صدیقی

لیے الحمد للہ میرے ساتھ مسائل نے جنم نہیں لیا۔"

46۔ "فیوچر پلاننگ؟"

"پلاننگ کرتی نہیں۔ مگر میرا ارادہ ہے کہ میں ڈائریکشن کی طرف آؤں گی۔ مجھے ہدایت کاری کا بہت شوق ہے۔"

47۔ "مزاج کیسا ہے؟ گرم نرم؟"

"میں بہت دھیمے لہجے میں بات کرتی ہوں۔ سب سے ہنس کے مسکرا کے مزاج کو کوئی گرم نہیں کہہ سکتا۔"

48۔ "سوشل ہیں؟"

"جی..... لوگوں میں جلدی گھل مل جاتی ہوں۔"

49۔ "آپ کی ایک عادت جو گھر والوں اور شوہر کو پسند نہیں؟"

"میں موڈی اور جذباتی قسم کی خاتون ہوں۔ اور یہی عادت سب کے لیے ناپسندیدہ ہے۔"

50۔ "آپ کے بیگ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"

"بہت کچھ نکلے گا۔ میری چیزوں سے زیادہ میرے بچوں کی چیزیں نکلیں گی۔"

37۔ "کبھی ایوارڈ ملا؟"

"جی بالکل ملا۔ مجھے ماڈلنگ پر لکس اسٹائل ایوارڈ مل چکا ہے۔"

38۔ "پسندیدہ موسم؟"

"گرمیاں۔"

39۔ "پسندیدہ رنگ؟"

"رائل بلیو۔"

39۔ "پسندیدہ جیولری؟"

"کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اس لیے نہیں بتا سکتی۔"

40۔ "میک اپ میں کس چیز کا زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

کاجل پنسل، بلش آن اور لپ اسٹک، ان کا استعمال زیادہ کرتی ہوں۔"

41۔ "باتھ روم سنگر ہیں؟"

"نہیں وہ بھی نہیں۔ بس صرف سننے کی حد تک پسند ہے میوزک۔"

42۔ "اگر آپ کا نام طوبیٰ نہ ہوتا تو؟"

"تو پھر "پریزے" ہوتا یہ میری بیٹی کا نام ہے اور اس کا مطلب ہے "پریوں جیسی۔"

43۔ "وہ دور بہت یاد آتا ہے جب؟"

"جب میں چھوٹی تھی۔ بچپن کا دور، میرا بچپن گلی محلے میں کھیلتے کودتے۔ مزے کرتے گزرا۔ آج ہم کیا اپنے بچوں کو باہر اکیلے نکلنے کی اجازت دیں گے؟ ہرگز نہیں۔"

44۔ "بچپن میں زیادہ لاڈ کس نے اٹھائے؟"

"امی نے..... بہت زیادہ لاڈ اٹھائے۔"

45۔ "گھر کب ڈسٹرب ہوتا ہے؟"

"جب آپ اپنے فرائض میں کوتاہی کریں۔ گھر اور باہر کے کاموں میں بیلنس رکھتی ہوں۔ اس

pklibrary.com

51۔ "کس پر پابندی لگنی چاہیے۔ سوشل میڈیا مارننگ شوز یا موبائل پر؟"
"سچ کہوں۔ سوشل میڈیا اور موبائل فون پر پابندی لگ جانی چاہیے۔ ان چیزوں نے زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔"

52۔ "لوگ پہچان کر کس طرح اظہار کرتے ہیں؟"
"لوگ آسانی سے پہچان لیتے ہیں اور بچوں کو ساتھ دیکھ کر کہتے ہیں۔ یہ آپ کے بچے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے انہیں۔"

53۔ "اپنی کس بات پر آپ کو غرور ہے؟"
"غرور تو نہیں بس فخر ہے کہ میں ایک اچھی انسان ہوں۔ یہی بات مجھے دیگر لوگ بھی کہتے ہیں۔"

54۔ "دل زور زور سے دھڑکتا ہے جب؟"
"جب کوئی بھی ایکسائٹمنٹ والی بات ہوتی ہے۔ کوئی نیا کام کروں۔ یا اچانک کوئی بات ہو جائے تو۔"

55۔ "تنہائی پسند ہیں؟"
"نہیں۔ مجھے لوگوں کے درمیان رہنا اچھا لگتا ہے مجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا ہے۔"

56۔ "اپنی فیلڈ کے پسندیدہ اداکار یا فنکار؟"
"عفان وحید، فیصل قریشی، آمنہ شیخ اور صنم سعید، اور بھی لوگ ہیں جو بہت اچھے ہیں۔"

57۔ "فلم اور ڈرامے سنجیدگی سے دیکھتی ہیں؟"
"بہت سنجیدگی سے، محو ہو کے اور کوئی بہت ہی جذباتی سین ہو تو دکھی بھی ہو جاتی ہوں۔ اور بعض اوقات تو آنسو بھی نکل آتے ہیں۔"

58۔ "اپنی فیملی کو کتنا وقت دیتی ہیں؟"
"میرا سارا وقت میری فیملی کے لیے ہوتا ہے۔ "شوٹ نہ ہو تو گھر پہ ہی رہتی ہوں۔ شوٹ تو مجبوری ہے۔ مگر پھر بھی جلدی گھر آ جاتی ہوں۔"

59۔ "گھر سے نکلتے وقت کیا چیزیں لازمی لیتی ہیں؟"
"اپنا ہینڈ بیگ، گلاسز اور گھر کی چابیاں اور دیگر ضروری چیزیں۔"

60۔ "آپ کو پیار ہے؟"
"اپنی فیملی سے۔ پھر اپنی ذات سے۔"

61۔ "گھومنے پھرنے کے لیے آپ کا انتخاب (پاکستان سے باہر)؟"
"آئس لینڈ...... بہت پسند ہے۔ بہترین جگہ ہے۔"

62۔ "پسندیدہ شاعر/ادیب؟"
"مجھے شاعری سے لگاؤ ہے اور مجھے پروین شاکر ــ بے حد پسند ہیں۔"

63۔ "نیوز میں کس خبر سے ہرٹ ہو جاتی ہیں؟"
"جب کسی بچی کے ساتھ زیادتی کی خبر سنتی ہوں۔"

64۔ "آپ کی اصل پہچان ماڈل یا اداکارہ؟"
"ابتدا ماڈلنگ سے کی، تو ماڈلنگ پہچان بن گئی اور جب اداکاری شروع کی تو بہ حیثیت اداکارہ کے پہچان بن گئی۔ سو اب میں ماڈل و اداکارہ کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہوں۔"

65۔ "کس ڈرامے نے شہرت دی؟"
"شاید کہ پیار آ جائے۔"

66۔ "آپ کے مقبول ڈرامے؟"
"کافی ہیں۔ پھر بھی جو بہت مقبول ہوئے ان میں "بول میری مچھلی"، "التجا"، "نور بانو"، "تم سے ہی تعلق ہے"، "دل ہے چھوٹا سا"، "کتنی گرہیں باقی ہیں"، "مجھے ہے حکم اذاں" اور دو فلمیں بھی ہیں۔ "رانگ نمبر" اور "دوبارہ پھر سے"۔"

68۔ "اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟"
"اللہ خیر کرے۔ انسانیت اور اچھے لوگوں کو زوال نہیں آتا۔ پھر بھی خدا کی مصلحت سمجھ کر سہہ لوں گی۔"

☆

pklibrary.com

کہ بچے ان کی زیر کفالت رہیں اور بریڈ پٹ چاہتے تھے کہ بچوں کی کفالت دونوں مل کر کریں۔ بالآخر جج نے انجلینا کی درخواست مسترد کر کے بچوں کی مشترکہ کفالت کا فیصلہ سنا دیا۔ اب دونوں فنکار اپنے اپنے وکلا کے ذریعے مشترکہ کفالت سے متعلق منصوبہ بنائیں گے۔

(ویسے کتنے عجیب لوگ ہیں جوان باتوں پر مقدمہ کرتے ہیں یہاں تو جان چھوٹنے پر شکر ادا کرتے ہیں۔)

صبر

زی کیو (زینب قیوم) کو آپ آج کل ماں اور خالہ کے کرداروں میں دیکھ رہے ہیں اور وہ ان کرداروں کو بہت اچھے انداز میں ادا بھی کر رہی ہیں

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

عجیب لوگ

امریکی عدالت نے بالآخر 2016ء سے زیر سماعت ہالی وڈ اداکار بریڈ پٹ اور ان کی سابقہ اہلیہ انجلینا جولی کے درمیان گود لیے بچوں کی حوالگی کے کیس میں پانچ سال بعد فیصلہ سنا دیا۔ وہ بھی بریڈ پٹ کے حق میں۔ یہ کیس چار مختلف عدالتوں میں چلا۔ کیس تب شروع ہوا تھا جب انجلینا جولی نے دعویٰ کیا کہ بریڈ پٹ نے ان کے بڑے بیٹے انیس سالہ میڈوکس کو طیارے میں سفر کے دوران مارا۔ اس واقعہ کے بعد انجلینا نے بریڈ پٹ سے علیحدگی اختیار کر کے طلاق کے لیے درخواست دائر کر دی اور عدالت نے 2019ء میں ان کی طلاق کے فیصلے کے بعد دونوں کو غیر شادی شدہ قرار دے دیا تھا مگر باضابطہ طور پر ان کی طلاق کے معاملات تا حال طے نہیں ہو پائے تھے، معاملہ ان کے بچوں کی کفالت کی وجہ سے اٹکا ہوا تھا۔ کیوں کہ انجلینا کی خواہش تھی

شادی سے متعلق زینب قیوم کا کہنا ہے کہ میری شادی کے دس ماہ بعد میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ میں تو شروع ہی سے پرانی سوچ کی حامل تھی (آہم!) بچوں اور فیملی کی خواہش میں گیارہ سال قبل شادی کی اور دبئی چلی گئی اس کے بعد ہم لندن شفٹ ہو گئے۔

میں سوچ چکی تھی کہ شوہر کے گھر سے میری میت ہی اٹھے گی (کیوں؟) اور میرے ساتھ ہوئی زیادتیوں کا بدلہ میرے بچے لیں گے۔ اس کے باوجود میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی (شاید بدلے سے ڈر گیا ہوگا) طلاق کے بعد میں بہت مایوس ہو گئی تھی کہ کامیاب کیریر نبھانے کے باوجود میں شادی جیسے بندھن کو نبھانے میں ناکام ہو گئی۔ اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں، کیوں کہ میرا خیال ہے اللہ نے میرے نصیب میں اب تک صبر لکھا ہے لیکن کئی لڑکیاں ہیں جو طلاق کے بعد دوبارہ شادی

pklibrary.com

کر کے ایک خوش حال زندگی گزار رہی ہیں (یعنی آپ کو بھی کوئی مل گیا ہے؟)

پہچان

لباس انسان کی پہچان ہوتا ہے۔ آپ کی ثقافت کی کچھ حدود ہیں جن کا آپ کو خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ایک دور تھا جب شوبز انڈسٹری میں بھی ان باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا پھر ہم پڑوسی ملک کی شوبز انڈسٹری سے اتنے متاثر ہوئے کہ ماڈرن ازم کے چکر میں صرف اور صرف لباس پر سارا زور رہا۔ اس کی مثال ہمارے ایوارڈ شو ہیں۔

لیکن کچھ اداکارائیں ایسی بھی ہیں جو اپنے لباس کو اپنی پہچان قرار دیتی ہیں ان ہی میں سے ایک سنیتا مارشل ہیں۔ ماڈل و اداکارہ کا کہنا ہے کہ میں نامناسب اور ایسے لباس نہیں پہنتی جو پاکستانی ثقافت کے خلاف ہو۔ آپ پاکستان میں رہ رہے ہیں یہ ایک مسلم ملک ہے اور یہاں کا ایک کلچر ہے جب کہ میں مسلمان بھی نہیں ہوں (مسلمان کی بیوی تو ہو۔) لیکن میں نامناسب لباس پہننا پسند نہیں کرتی۔ میرا ماننا ہے کہ میری کچھ حدود ہیں جنہیں میں پھلانگ نہیں سکتی۔

انہوں نے مزید کہا کہ اب جو لڑکیاں انڈسٹری میں آتی ہیں، وہ خوف زدہ ہوتی ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا لباس نہیں پہنا تو انہیں کام نہیں دیا جائے گا میں ان لڑکیوں کو ہمیشہ یہی کہتی ہوں آپ کو خود پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو خود پر یقین ہے اور آپ کسی لباس کو پہننے کے حوالے سے اچھا محسوس نہیں کرتیں تو کہہ سکتی ہیں۔

اندازہ

نمرہ خان شوبز انڈسٹری میں نئی نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز نیوز ایڈیٹر کی نوکری سے کیا۔ نمرہ خان اس بارے میں بات کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے والدین کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح میڈیا جوائن کرلوں۔ دوسری جانب تعلیم بھی فلم

اینڈ ٹیلی وژن تھی تو میں نے نیوز ایڈیٹر کی جاب قبول کرلی۔

اداکاری سے متعلق تھوڑی بہت معلومات بھی نہیں تھیں۔ (وہ تو لگتا ہے) ماں باپ نے زبردستی اداکاری میں بھیجا۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا نام ہو، کیوں کہ انہیں مجھ میں ایک چمک نظر آتی تھی (لیکن کامیابی نہ ملی تو اسکواش کھیلا۔) پہلے ڈرامے میں سین ریکارڈنگ کے دوران 40 ری ٹیک تھے۔ لیکن جب کامیابی ملی تو ڈرامہ کو ہی کیریئر بنانے کا فیصلہ کرلیا۔

اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں نمرہ خان نے معاون خصوصی وزیراعلیٰ پنجاب فردوس عاشق اعوان کے متعلق کہا ہے کہ وہ انہیں رشتہ کرانے والی آنٹی لگتی ہیں (ہاہاہا)۔

کچھ ادھر اُدھر سے

☆ اس ملک کے حاکم چشم بصیرت کھونے کا اتنا ماتم نہیں کرتے۔ جتنا چشم بصارت کھونے کا کرتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں طاقت اور عدالت مل جائیں تو سیاست اور شرافت کیا تیر مار سکتے ہیں۔

(وقائع نگار خصوصی.....امت)

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

pklibrary.com

چٹ پٹی دم کلیجی

اشیاء:۔

کلیجی	آدھا کلو
کٹی لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
پسا لہسن ادرک	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ
چاٹ مسالا	حسب ضرورت
لیموں	دو عدد
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد

ترکیب:۔

کلیجی کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر اچھی طرح دھولیں۔ ایک پیالے میں کلیجی کے ٹکڑے ڈال دیں۔ اس میں لال مرچ، نمک، پسا لہسن ادرک اور پسا گرم مسالا ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور ڈیڑھ گھنٹے میرینیٹ کریں۔

اس کے بعد ایک پتیلی میں مسالا لگی کلیجی اور تیل ڈال کر چولہے پر درمیانی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔ بیس منٹ بعد تیز آنچ پر پانی خشک کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ تیل اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں۔ کوئلہ کو اچھی طرح دہکالیں، روٹی کے ٹکڑے پر کوئلہ رکھ کر تیل ٹپکائیں اور ڈھکن ڈھک کر کلیجی دم پر رکھ دیں۔ تیار ہو جائے تو پیاز کے گول لچھے کاٹ کر لیموں اور ہرے دھنیا سے گارنش کریں۔ آخر میں چاٹ مسالا چھڑک دیں۔ چٹ پٹی دم کلیجی تیار ہے۔ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

کچے گوشت کی بریانی

اجزا:

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
ابلے ہوئے چاول	تین پاؤ
لہسن ادرک	دو چائے کے چمچے
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
دہی	آدھا پاؤ
لیموں کا رس	دو کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	چھ عدد
پودینہ	آدھی پیالی
تلی ہوئی پیاز	آدھی پیالی
نمک	ایک چائے کا چمچہ
گھی	چار کھانے کے چمچے

پوٹلی کے اجزاء:

بڑی الائچی	ایک عدد
چھوٹی الائچی	تین عدد
بادیان کا پھول	ایک عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
سونف	ایک چائے کا چمچہ
لانگ	چار عدد
ثابت کالی مرچیں	دس عدد
ثابت دھنیا، سفید زیرا	ایک، ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

چاول کو اتنا ابالیں کہ دو کنی رہ جائے۔ پوٹلی کے اجزا ململ کے کپڑے میں باندھیں اور اسے چار پیالی پانی کے ہمراہ ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔

ایک پیالے میں الگ سے باریک کٹا ہرا دھنیا، پودینہ اور تلی ہوئی پیاز کے ساتھ میرینیشن باقی اجزاء بھی ملالیں۔ اب ایک دیگچی میں آدھے چاول کی تہ لگائیں۔ گوشت کی تہ بچھائیں اس کے بعد ہرا دھنیا پودینہ، پیاز، باقی کے چاول ڈال کر پھر اسی طرح باقی کی ساری چیزوں کی تہ لگاتی جائیں۔ اب ڈھکن رکھیں اور آٹے سے چاروں جانب سے اچھی طرح بند کردیں۔ اسے تیس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اچھی طرح دم آجائے تو سرونگ ڈش میں نکال کر پیش کریں۔

کرسپی چانپ فرائیڈ

اشیاء:۔

بکرے کی چانپ	چھ عدد
پانی	دو کپ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
اجوائن	آدھا چائے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پسا ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
کٹا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

بیٹر بنانے کے لیے:۔

انڈے	ایک سے دو عدد
بیسن	دو کھانے کے چمچے
نمک، سیاہ مرچ	ایک چٹکی
بریڈ کرمز	حسب ضرورت
تیل	فرائنگ کے لیے

ترکیب:۔

پانی میں سرکہ، سویا ساس، اجوائن، کٹی لال مرچ، پسا ادرک لہسن، سیاہ مرچ، زیرہ، نمک اور چانپیں ڈال کر ابال لیں۔

چانپیں گل جائیں تو نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ انڈوں میں بیسن، پسی سیاہ مرچ اور نمک ملا کر اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ ابلی ہوئی چانپ کو پھینٹے ہوئے آمیزے میں ڈپ کرکے اس کے اوپر بریڈ کرمز لگائیں۔ چانپوں کو گرم تیل میں کرسپی ہونے تک تلیں۔ چٹنی اور کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

شامی کباب

اشیاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
چنے کی دال	آدھا پاؤ
آلو	دو عدد
لہسن	آٹھ جوے
ثابت سرخ مرچ	آٹھ سے دس عدد
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:۔

ایک پتیلی میں قیمہ، گرم مسالا، بھیگی ہوئی چنے کی دال، پیاز، لہسن، نمک، زیرہ، دھنیا، لال مرچ اور حسب ضرورت پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیں۔ آلو الگ سے ابال لیں۔

جب پانی خشک ہوجائے اور دال اور قیمہ گل جائیں تو اتار لیں، اس میں آلو ڈال دیں۔ اب ان سب کو اچھی طرح پیس لیں۔ پھر کباب بنالیں۔ تیل گرم کریں اگر چاہیں تو انڈا لگا کر تل لیں یا ایک انڈ پسے ہوئے آمیزے میں شامل کرلیں۔

کباب فرائی کرنے کے بعد کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔ (کباب کا آمیزہ اگر ہاتھ سے پیسیں گ تو ذائقہ اور بھی مزیدار ہوگا۔)

زعفرانی میوہ دار سویاں

اشیاء:۔

سویاں	ایک پیکٹ
کنڈینسڈ ملک	آدھا کپ
دودھ	ایک کپ

pklibrary.com

پستے، بادام	حسب پسند
کھویا	پچاس گرام
ناریل	چوتھائی کپ
چھوارے	چھوتھائی کپ
کشمش	تین کھانے کے چمچے
گھی	چوتھائی کپ
پسی سبز الائچی	ایک چائے کا چمچہ
زرد رنگ	حسب منشا
چینی	چوتھائی کپ

ترکیب:۔

گہرے اور بھاری پیندے کے پین میں گھی گرم کرکے اس میں سویاں توڑ کر ڈالیں اور خوشبو آنے تک بھونیں۔ آنچ دھیمی رکھیں۔ بھن جائے تو آنچ سے اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔ ساس پین میں دودھ گرم کرکے اس میں کٹے ہوئے میوے ڈال کر دو سے تین منٹ تک پکائیں۔ چینی شامل کرکے اس کو حل ہونے دیں۔ کنڈینسڈ ملک ڈالیں اور دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ دودھ میں اچھی طرح حل ہوجائے۔ کھویا شامل کرکے گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ سویاں اور زرد رنگ ڈال کر اتنا پکائیں کہ یہ خشک ہوجائے۔ پسی سبز الائچی سب سے آخر میں ڈالیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر چوپ کیے ہوئے میوہ جات اوپر سے چھڑک کر پیش کریں۔

پنج مسالا گوشت

اشیاء:۔

گوشت	ڈیڑھ کلو
تیل	دو سے تین کھانے کے چمچے
پیاز	ایک عدد
ادرک	دو چائے کے چمچے
لہسن	چار چمچے
پنج پوری مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
چلی گارلک سوس	دو کھانے کے چمچے
پاستا	ڈیڑھ کپ
یخنی	ایک کپ
لال شملہ مرچ	ایک عدد
پیلی شملہ مرچ	ایک عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
تل	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پسی سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

پنج پوری مسالا تیار کرنے کی ترکیب:۔

پنج مسالا تیار کرنے کے لیے زیرہ، کلونجی، سونف، میتھی دانہ اور رائی برابر مقدار میں لے کر پیس لیں۔

ترکیب:۔

پتیلی میں دو کھانے کے چمچے تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر تیز آنچ پر براؤن ہوجانے تک بھونیں، اس کے بعد نکال کر ایک پلیٹ میں رکھ لیں۔

پتیلی میں لہسن، ادرک اور پیاز ڈالیں (اگر ضرورت محسوس ہو تو تھوڑا سا تیل شامل کیا جاسکتا ہے) پانچ منٹ تک فرائی کریں۔

فرائی کیا ہوا گوشت اوون ڈش میں ڈال کر اس میں پنج پوری مسالا، سویا سوس، چلی گارلک سوس، پاستا، یخنی اور حسب ذائقہ نمک اور پسی سیاہ مرچ ڈال کر ایک بار ابالیں۔

اوون ڈش کو مضبوطی سے ڈھک کر پہلے سے گرم اوون میں 160c پر رکھ کر ڈیڑھ گھنٹے تک بیک کریں۔ کیسرول ڈش اوون میں سے باہر نکال لیں، اس کے بعد لال اور پیلی شملہ مرچ کے سلائسز اوون ڈش میں ڈالیں اور ڈش کو دوبارہ اوون میں رکھ کر پندرہ منٹ تک بیک کریں۔

گوشت کے نرم ہوجانے کے بعد اوون ڈش کو اوون سے باہر نکال کر باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا اور بھنے ہوئے تلوں سے گارنش کریں۔

مزے دار پنج مسالا گوشت تیار ہے۔ ابلے ہوئے چاول کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

☆

pklibrary.com

جولائی 2021
کے شمارے کی ایک جھلک

بہنوں کا اپنا ماہنامہ
شعاع

pklibrary.com

جولائی 2021
کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

- ''عمر یسرا'' حسنہ حسین کا مکمل ناول،
- ''تلافی'' نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- ''خزاں رسیدہ پتے'' مصباح یونس کا مکمل ناول،
- ''دوپہری کے گیت'' سدرۃ المنتہیٰ کا ناول،
- ''شام کی حویلی میں'' رخسانہ نگار عدنان کا ناول تکمیل کے مراحل میں،
- قرۃ العین خرم ہاشمی، شازیہ الطاف ہاشمی، فرح بخاری، حمیرا شفیع، وردہ بخاری اور موناشاہ قریشی کے افسانے،
- ''دستک'' معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' قارئین کے تجربات،
- ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں'' احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے، آپ کے دلچسپ تبصرے، ہمارے جواب، تاریخ کے جھروکوں سے،
- باتوں سے خوشبو آئے، آئینہ خانے میں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع جولائی 2021 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

pklibrary.com

آپ کا باورچی خانہ

سکینہ علی، ٹنڈو الہ یار

س: کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

ج: کھانا پکاتے ہوئے میں اس بات کا خیال زیادہ رکھتی ہوں کہ سالن میں مرچ کم ڈالتی ہوں کیونکہ بچے کھاتے ہیں۔ میری بڑی بیٹی کو تیز مرچ والا سالن پسند نہیں، کھائی ہے تو آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ غذائیت کا بھی خیال رکھتی ہوں۔ اچھے سے اچھا پکاتی ہوں جب بچے تعریف کرتے ہیں تو سمجھو محنت وصول ہوگئی۔

س: گھر میں اچانک مہمان آجائیں اور کھانے کا وقت ہے تو کسی ایسی ڈش کا نام بتائیں جو فوری تیار کر کے مہمانوں کو پیش کر سکیں؟

ج: گھر میں اگر اچانک مہمان آجائیں تو جو بنا ہوتا ہے وہی سامنے رکھتے ہیں اور اگر بتا کر آئیں تو بہت زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے جیسے قورمہ بنا لیا۔ پراٹھے بنا لیے۔ رائتہ، سفید چاول، سلاد بنا لیتی ہوں۔ میٹھے میں کسٹرڈ بنا لیتی ہوں، رائتہ بہت پسند کرتے ہیں مہمان۔ چائے اور کولڈ ڈرنک چلتی ہے۔ سردی میں چائے زیادہ چلتی ہے گرمی میں کولڈ ڈرنک ہوتی ہے۔

س: کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ ہوتا ہے آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج: کچن کی صفائی کے لیے پہلے تو سارے برتن کچن سے نکالتی ہوں کیونکہ میں کچن میں کھڑے ہو کر برتن صاف نہیں کرتی۔ باہر نکال لیتی ہوں۔ کیبنٹ صاف کرتی ہوں، مسالوں کے ڈبے صاف کر کے ترتیب سے رکھتی ہوں جھاڑو وغیرہ دے کر پھر دھوتی ہوں، دھونے کے بعد وائپر لگاتی ہوں، کچن صاف کر کے لاسٹ میں برتن صاف کرتی ہوں۔

س: صبح کا ناشتا بہت اہمیت کا حامل ہے آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟

ج: پراٹھے صبح بھابھی بناتی ہیں کیونکہ ہم صرف صبح پراٹھے بناتے ہیں۔ دوپہر اور رات کو سادہ روٹی پکتی ہے۔ ہمارے ہاں جوائنٹ فیملی سسٹم ہے تو سب ساتھ رہتے ہیں۔ بھائی کو آفس کی جلدی ہوتی ہے تو وہ چائے کے ساتھ ناشتا کرتے ہیں۔ وہ بھی سردی میں، گرمی میں وہ لسی بنوا کر ناشتا کرتے ہیں، میرے کزن بھی چائے کے ساتھ ناشتا کرتے ہیں، میرے ہسبینڈ اور بابا یعنی کہ میرے سسر ان کے لیے کبھی پکوڑے بنا لیے اچار یا املی کی چٹنی بنا لیتی ہوں اگر کبھی موڈ ہوتا ہے تو باہر سے منگوا لیتے ہیں۔

س: گھر سے باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے آپ کتنی بار کھانا کھانے جاتی ہیں؟

ج: سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ باہر کھانا کھانے جائیں، اجازت نہیں ہے، نہ کبھی گئے ہیں، اگر شوق ہوا تو منگوا لیتے ہیں یا بچے برگر آئس کریم منگوا لیتے ہیں۔ ہم عورتیں نہیں جاتیں کھانے باہر، سب کچھ

گھر میں مل جاتا ہے۔
س: کھانا پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟
ج: ہاں جی، موسم کو تو مدنظر رکھنا ہے۔ سردی میں چاول کی روٹی، ساگ، چاولوں کا ڈوسا بہت شوق سے کھاتے ہیں سب۔ سردی میں باجرے کی روٹی اور اس کی میٹھی ٹکی جو کہ سندھی میں کہتے ہیں گڑوالی ربی، میری بہنیں اگر سندھی ہیں تو سمجھ جائیں گی۔ بارش ہو تو پھر بچے پکوڑوں کی فرمائش کرتے ہیں یا میٹھے چاول پکاتے ہیں۔ گاجر کا حلوہ بنا لیتی ہوں، بیسن کا حلوہ بناتی ہوں۔ میری بیٹیوں کو بہت پسند ہے میری بھانجیاں بھی فرمائش کرکے وہی پکواتی ہیں جب بھی آتی ہیں۔
س: اچھا پکانے کے لیے محنت کی کتنی قائل ہیں؟
ج: اچھا پکانے کے لیے میں بہت محنت کی قائل ہوں، دل سے پکاتی ہوں۔ اچھا پکاتی ہوں۔ میرے ہاتھ کی بریانی، چھولے سب پسند کرتے ہیں کہ بہت اچھا پکاتی ہوں، بچوں کے اسکول میں اگر پارٹی وغیرہ ہو۔ تو اقصیٰ، اریبہ، علیشبہ بنوا کر لے جاتی ہیں۔ کبھی بریانی کی فرمائش کبھی چھولے یا میکرونی بنا کر دیتی ہوں، ان کی ٹیچر کہتی ہیں۔ آپ کی امی کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔
س: کچن کی کوئی ایک ٹپ بتائیں؟
ج: 1۔ اگر سالن میں مرچ زیادہ ہو جائے تو اس میں سے تیل نکال کر دوبارہ گرم کرنے سے مرچ کم ہو جاتی ہے۔
2۔ اگر آپ چاہیں کہ دودھ ابل کر گرے نہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دودھ کو ابالتے وقت برتن میں ایک چمچ بھی رکھ دیا کریں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دودھ والی ہنڈیا کے اوپر والے حصے پر مکھن یا دودھ لگا دیا کریں دودھ ابل کر گرے گا نہیں یہ تھا ہمارا باورچی خانہ پسند آئے یا نہ آئے، بتائیے گا۔ ☆

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❁ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
❁ نئے بال اگاتا ہے۔
❁ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❁ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❁ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت: 150/- روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف 150/- روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوا لیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- 400/- روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- 600/- روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- 1100/- روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

عدنان

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

pklibrary.com

بہترین انسان وہی ہے، جو اپنی باتوں سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاتا ہو، جو لوگ نرم گفتار اور شیریں بیانی کے گر سے واقف ہوتے ہیں، دنیا ہمیشہ ان کی عزت کرتی ہے۔

اچھائی اور برائی دونوں زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پر موقوف ہے، اس کے لیے زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے، آج ہم اپنے فرائض سے ناآشنا ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے خود بگاڑ کا باعث بھی بنتے جا رہے ہیں۔

خاتون خانہ کا اپنا اخلاق و کردار قابل تحسین و تقلید ہوگا۔ تب ہی اس کی شخصیت کے اثرات کنبہ کے دیگر افراد قبول کر سکیں گے۔

ہمارے مذہب میں بھی غیبت، غرور، تکبر، چغل خوری اور مبالغہ آمیزی سخت گناہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بلاوجہ برا بھلا کہنا اور لڑائی جھگڑا بھی منع ہے۔ غصہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہ دل کی خوشیاں چھین لیتا ہے۔

میں اپنی بہنوں کو مشورہ دوں گا کہ اگر وہ چاہتی ہیں کہ سب ان سے محبت کریں۔ کوئی انہیں برا نہ سمجھے تو وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں۔ درگزر، صبر و تحمل، غصہ نہ کریں اور جہاں تک ہو سکے دوسروں سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ سب ان سے محبت کریں گے اور گھر کا ماحول خوشگوار ہوگا۔

☆☆☆

ح۔ت۔ کراچی

س: سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کیا لکھوں۔ بہت صبر آزما کٹھن وقت گزار کر شادی ہوئی۔ جس شخص سے ہوئی وہ عالم دین کے ساتھ مفتی بھی تھے۔ میں بھی پردہ کرتی تھی سو اس لیے میری بھی رشتے میں رضامندی شامل تھی۔ میں نے اس رشتے کے لیے گھر والوں سے بدتمیزی کی حد تک ضد کی تھی جس کی سزا مجھے آج بھگتنا پڑ رہی ہے۔ چھوٹی بہن اور میرے درمیان بہت ناچاقی رہنے لگی تھی جس نے ہاتھا پائی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ میں اس قدر اسٹریس لینے لگی تھی کہ گھر سے نکل جانے کے لیے ذہن بھی آمادہ کر لیا تھا۔ یعنی گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ۔ اسی دوران عجلت اور جذباتیت میں اس رشتے کی صورت میں، گھر کے ماحول سے بھاگنے کے لیے اس رشتے پر آ کر میری سوئی ایسی اٹکی کہ اس نے زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔

اب بھی زندگی میں سکون نہیں جبکہ شادی کو دو سال کا عرصہ گزر چکا اور ایک بیٹا بھی ہو چکا۔ اس شخص میں اس حد تک غصہ بھرا ہے کہ جس نے میری زندگی کا سکھ چین درہم برہم کر ڈالا ہے۔ ذرا ذرا سی بات جھگڑے کا روپ اس طرح دھار لیتی ہے کہ وہ اپنے گھر کے افراد کو آواز دے کر اوپر میرے پورشن میں بلا لیتے ہیں۔ بڑی نند اور ساس کے آنے سے میں بھی برہم ہو جاتی ہوں اور لڑائی بڑھ کر میدان جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ انہوں نے چند ماہ بعد ہی مجھے الگ کرنے کے لیے ساس سے اوپر کا پورشن دلوا کر مجھے الگ کروا دیا تھا۔

غصے کے یہ تیز ہیں تو میں بھی بہت تیز مزاج ہوں۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ ان کی پہلے بھی دو شادیاں ہوئی تھیں اور دونوں ہی ناکام ٹھہریں کیونکہ پہلی ان کے نہ کمانے کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ ان کی بیوی بیٹے کو بھی ساتھ لے گئی اور دوسری بیوی صرف گیارہ مہینے رہ کر چلی گئی۔ اب ۔ ' رہے ہیں۔ مجھ سے محبت بھرا رویہ بھی ہے

مگر ذرا ذرا سے کام کے لیے مجھے ہزار مرتبہ کہنا پڑتا ہے جس کو یہ کرتو دیتے ہیں مگر موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ میں گھر کے دیگر امور انجام دے کر رات تک اتنا تھک جاتی ہوں کہ مزاج برہم ہو جاتا ہے۔

یہ بھی جاب کر کے تھکے ہوئے آتے ہیں۔ بیٹا انہیں نائٹ ڈیوٹی سے تھک ہار کر آنے کے بعد صبح دیر تک سونے بھی نہیں دیتا۔ ایک اور بات کہ میری ساس ایک دن چھوڑ کر موٹر (پانی والی) چلاتی ہیں۔ میں ڈرم میں پانی بھر بھر کر بھی تھک سی جاتی ہوں۔ میٹھا پانی بھی یہ چار چار سیڑھیاں عبور کر کے لا کر دیتے ہیں۔ اب بھی لڑائی اور ناچاقیوں کی بدولت میں ماں کے گھر بیٹھی ہوں اور میں انہیں جانتی ہوں کہ یہ لینے کے لیے نہیں آئیں گے۔ انہیں ان کے گھر والے بھی بہکائیں گے۔ یہ طلاق دینے میں بھی ڈرتے نہیں ہیں۔ مگر لڑائی جس سب سے ہوئی اس میں میرا زیادہ قصور ہے۔ ایسا میرے گھر والوں کا کہنا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ میں اس دفعہ اپنا گھر خراب نہیں کروں گا مگر اس لڑائی کے بعد اب تک ان کا رابطہ نہ کرنا میرا دل ہولا رہا ہے۔

بچے کا دودھ، اس کے پیمپرز، اس کے خرچے کے پیسے بھی میرے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ یہ تو گھر میں بھی بچتے تھے۔ اس آخری لڑائی میں میرے بھائی نے شوہر کی تھوڑی بہت بے عزتی بھی کی تھی۔ انہیں اپنی نام نہاد عزت بہت پیاری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میرا سابقہ گھر بڑی نند اور میری ساس نے خراب کیا تھا، میں کیا کروں۔ ابھی تک میکے والوں کا رویہ بہتر ہے کیونکہ انہیں امید ہے کہ گھر ٹوٹے گا نہیں، اگر وہ لینے نہیں آتے (کیونکہ انہوں نے پہلی بیوی کو بھی چھ ماہ کے لیے لڑائی ہی کی بدولت ماں کے گھر چھوڑ دیا تھا) چاروں طرف سے اندھیرے نظر آ رہے ہیں۔ عدنان بھائی! آپ بتائیں، میں اب آگے کیا کروں۔ مجھے بواسیر خونی بھی ہے جس کی ہر ہفتے میرے شوہر دو ہفتے کی دوا دلواتے تھے مگر ماں کے گھر آ کر میں اس سے بھی محروم ہو گئی ہوں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ان کے غصے کی زیادتی سے ان کے گھر بگڑتے ہیں کیونکہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت محروم کر دیتی ہے اچھے برے کی تمیز۔ میرے مسئلے کو سمجھ کر اس کا جواب ضرور دیں۔

ج: عزیز بہن! مرد میں غصہ ایک ایسی خرابی ہے جو اس کی بہت ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ایک بیوی ہونے کے ناتے آپ کو اپنے شوہر کے مزاج کو سمجھنا چاہیے تھا اور اس کی غصہ میں کہی باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔ چھوٹی بہن کے ساتھ لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے آپ نے جلد بازی میں قدم اٹھایا، اگر تھوڑی سی تحقیق کر لیتیں تو اس پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آپ کے پاس راستہ کیا ہے؟ میکے میں شادی سے پہلے رہنا محال تھا تو اب تو بچہ بھی آپ کے ساتھ ہے۔ پھر بچے کے اخراجات اور دیگر مسائل سے بھی نمٹنا ہوگا جو آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔

آپ کوشش کر کے اپنے مزاج کی تیزی پر قابو پائیں اور اپنے گھر والوں سے کہیں کہ وہ سسرال والوں سے رابطہ کریں اور ان سے کہیں کہ وہ اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ اس دفعہ کی لڑائی میں زیادہ قصور آپ کا ہے تو کوئی حرج نہیں کہ آپ خود شوہر کو فون کر لیں۔ بلکہ زیادہ بہتر ہوگا آپ خود ہی گھر چلی جائیں۔ وہ آپ کا اپنا گھر ہے اور آپ کے شوہر نے آپ سے شادی کی ہے۔ شادی کے مقدس بندھن میں بندھے ہیں آپ دونوں۔ شوہر اور بیوی کے جھگڑے میں انا حائل نہیں ہونا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ گھر نہ ٹوٹے کیونکہ گھر ٹوٹنے کا نقصان دونوں فریقوں کا ہوتا ہے لیکن سب سے بڑا نقصان بچوں کا ہوتا ہے۔ آپ اب ایک بچے کی ماں ہیں۔ بیوی بن کر نہیں، ماں بن کر سوچیں۔

ایک ضروری بات! آپ کے شوہر نائٹ ڈیوٹی کر کے آئیں تو ان کے آرام کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے۔ آپ کو بچہ کو سنبھالنا چاہیے کہ وہ شوہر کو ڈسٹرب نہ کرے۔

☆

امت الصبور

بیوٹی بکس

عید قرباں اور آپ کی تیاری

بقر عید کا دن خواتین کے لیے بے انتہا مصروفیت لے کر آتا ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ ساتھ انہیں گوشت کی تقسیم کا مرحلہ بھی سر کرنا ہوتا ہے۔ ایسے میں میک اپ کا برقرار رہنا ایک ناممکن امر ہے۔ خصوصاً اس وقت جب موسم بھی گرمی کا ہو۔

اس بار ہم آپ کو ایسی ٹپس دے رہے ہیں جو آپ کے میک اپ کو دیر تک برقرار رکھ سکیں گی اور آپ فریش اور تروتازہ نظر آئیں گی۔

☆ چہرے کی کلینزنگ (صفائی) سب سے پہلا اور ضروری مرحلہ ہوتا ہے۔ کلینزنگ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ کلینزنگ کے بعد آپ کے چہرے کی جلد خشک نہیں ہونی چاہیے۔ ایسا کلینزر استعمال کریں جو آپ کے چہرے کو نمی فراہم کرے۔

☆ خشک جلد والی خواتین روئی کے پھائے کو دودھ میں بھگو کر پورے چہرے پر پھیر لیں۔

☆ چکنی جلد کی حامل خواتین عرق گلاب کا استعمال کریں۔ روئی کو عرق گلاب میں بھگو کر چہرے پر اچھی طرح لگائیں۔ اگر عرق گلاب کا اسپرے ہے تو اس سے اچھی طرح اسپرے کرلیں۔

میک اپ کرنے سے قبل چہرے اور گردن پر اچھی طرح سے برف کی ٹکور کریں۔ اس عمل سے میک اپ تروتازہ اور چہرہ چمک دار نظر آتا ہے۔

میک اپ سے قبل کسی اعلیٰ کوالٹی کا فیس ماسک کا استعمال ضرور کریں۔ گھر پر تیار کردہ فیس ماسک بھی لگا سکتی ہیں۔ ماسک تیار کرنے کے لیے تازہ کھیرے اور شہد کو ملا کر چہرے پر لگالیں یا پپیتے میں شہد ڈال کر اچھی طرح ملالیں پھر چہرے پر لگالیں۔ یہ آپ کی جلد کو جاذبیت بخشے گا۔

نرم و ملائم جلد کے حصول کے لیے کیلے کے گودے سے چہرے کا مساج کریں اور پانچ منٹ کے لیے لگا کر چھوڑ دیں، پھر منہ دھولیں۔

آپ کا چہرہ میک اپ کے لیے تیار ہے۔ فاؤنڈیشن لگانے کے بعد دو سے تین منٹ کے لیے چھوڑ دیں تاکہ وہ جلد میں اچھی طرح جذب ہوجائے۔ اس عمل سے فاؤنڈیشن چہرے پر پھٹتا نہیں اور میک اپ تروتازہ نظر آتا ہے۔

میک اپ — کرتے ہوئے ناک اور ہونٹوں کے اطراف کے نچلے حصے پر زیادہ توجہ دیں۔ کیونکہ ان حصوں کی رنگت زیادہ گہری ہوتی ہے۔

ہوم میڈ میک اپ کلینزر

میک اپ کرنا جتنا مشکل ہے اور اس کو صاف کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ بازار سے خریدے گئے کیمیکل والے میک اپ کلینزر کے بجائے آپ اپنے گھر میں موجود قدرتی روغنیات کی مدد سے بھی میک اپ صاف کرسکتی ہیں۔

ناریل اور زیتون کا تیل بہترین میک اپ ریموور ہیں۔ یہ چہرے پر جمی ہوئی میک اپ کی باقیات، گرد اور پسینے کو صاف کرنے کے لیے بہترین ہے۔ روئی کے پھائے کو تیل میں ڈبو کر نرمی سے چہرے پر پھیریں۔ یہ آپ کے میک اپ کو مکمل طور پر صاف کردے گا۔

آپ روغن بادام اور کیسٹر آئل کو ہم وزن لے کر مکس کریں، یہ بھی ایک بہترین میک اپ کلینزر ہے۔ یہ چہرے کی شکنوں کو دور کرکے جلد کو چمک دار بناتا ہے۔

(اس عمل کے بعد کسی معیاری کلینزنگ ملک سے کلینزنگ کرلیں)

☆

pklibrary.com